BKID ---

اسلامک اسٹڈیز

تیسرا پرچہ

عقیدہ، قرآن اور حدیث

برائے

بی اے

(سال دوم - تیسرا سمسٹر)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

C مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سلسلہ مطبوعات نمبر- 00

ISBN: ....

Edition: June, 2019

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : ....

مطبع : ....

ISLAMIC STUDIES

Paper-III

Faith, Qur'an and Hadith

Edited by:

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja

Coordinator (Islamic Studies), DDE, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Translation and Publications

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS)

E-mail: directordtp@manuu.edu.in

for

Directorate of Distance Education

E-mail: dir.dde@manuu.edu.in; Website: manuu.ac.in

کورس کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

اسلامک اسٹڈیز

نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

مصنفین

بلاک 1 : عقیدہ وعبادات

اکائی 1-3 : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 2 : قرآن کریم

اکائی 4-6 : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 3 : تفسیر (حصہ اول)

اکائی 7-8 : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 4 : تفسیر (حصہ دوم)

اکائی 9-12 : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بلاک 5 : حدیث (حصہ اول)

اکائی 13-17 : ڈاکٹر محمد ارشد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

بلاک 6 : حدیث (حصہ دوم)

اکائی 18-21 : ڈاکٹر محمد ارشد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

اسسٹنٹ ایڈیٹرز

1) صالح امین، استاد اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

لینگویج ایڈیٹرز

1) پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی، صدر شعبہ، اسلامک اسٹڈیز، مانو

2) ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، کوآرڈینیٹر و ایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

فہرست

اکائی نمبر	مضمون		صفحہ نمبر
	پیغام	: وائس چانسلر	05
	پیش لفظ	: ڈائرکٹر، ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز	06
	ڈائرکٹر کا پیغام	: ڈائرکٹر، نظامتِ فاصلاتی تعلیم	07
	کورس کا تعارف	: کورس کوآرڈی نیٹر	08
	بلاک 1 : عقیدہ وعبادات		
اکائی:1	ایمانیات: توحید، رسالت، آخرت		10-21
اکائی:2	اسلام کے بنیادی ارکان: نماز اور روزہ		22-35
اکائی:3	اسلام کے بنیادی ارکان: زکوٰۃ اور حج		36-49
	بلاک 2 : قرآن کریم		
اکائی:4	نبوت اور وحی		51-58
اکائی:5	قرآن مجید-تعارف اور جمع وتدوین		59-72
اکائی:6	قرآنی تعلیمات		73-105
	بلاک 3 : تفسیر (حصہ اول)		
اکائی:7	تفسیر: معنیٰ اور مآخذ		107-127
اکائی:8	تفسیر کی تاریخ		128-136
	بلاک 4 : تفسیر (حصہ دوم)		
اکائی:9	مشہور عربی تفسیریں اور ان کے مناہج (حصہ اول)		138-150
اکائی:10	مشہور عربی تفسیریں اور ان کے مناہج (حصہ دوم)		151-164
اکائی:11	مشہور اردو تفسیریں (حصہ اول)		165-174
اکائی:12	مشہور اردو تفسیریں (حصہ دوم)		175-184
	بلاک 5 : حدیث (حصہ اول)		
اکائی:13	حدیث کا تعارف		186-195
اکائی:14	کتابت وتدوین حدیث کی تاریخ		196-205
اکائی:15	حدیث کی اصطلاحات اور قسمیں (حصہ اول)		206-215
اکائی:16	حدیث کی اصطلاحات اور قسمیں (حصہ دوم)		216-226
اکائی:17	حدیث کی مشہور کتابیں: صحاح		227-237
	بلاک 6 : حدیث (حصہ دوم)		
اکائی:18	حدیث کی مشہور کتابیں: جامع اور سنن		239-248
اکائی:19	حدیث کی دیگر مشہور کتابیں		249-256
اکائی:20	علم حدیث میں ہندوستانی علما کی خدمات		257-271
اکائی:21	متون حدیث کے مشہور اردو تراجم		272-279

پیغام

وائس چانسلر

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد ومنشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل واخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق ومحبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت وبقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد وپیش اور ماحول کے مسائل..... وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چونکہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اِسی مقصد کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہوگیا ہے۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمہ داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تا کہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کرسکیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

خادم اول

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیش لفظ

ہندوستان میں اُردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اُردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اُردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہو گیا۔اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبہ کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہٰذا اُردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اُردو میں مواد کا نظم کیا۔کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاسکا۔

موجودہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اُردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیمانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔کوشش یہ کی جارہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اُردو میں ہی لکھوائی جائیں۔اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا۔اب تک یہاں سے تین درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی یہاں سے کثیر تعداد میں اُردو کتابیں شائع ہوں گی۔

زیرِ نظر کتاب فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت بی اے سال اول کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔کتاب کی تیاری میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ یہاں جن موضوعات کا مطالعہ کریں ان پر انہیں بھرپور اور مکمل مواد دستیاب ہو جائے۔

یہ اعتراف ضروری ہے کہ حالیہ عرصے میں جو بھی کتابیں شائع کی جارہی ہیں ان میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔اُن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔نظامت فاصلاتی تعلیم اور شعبہ عربی کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شاملِ حال رہا ہے جس کے لیے اُن کا شکریہ بھی واجب ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفر الدین
ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

ڈائرکٹر کا پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم سارے عالم میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور چہار سو اس طریقے سے بڑی تعداد میں لوگ تعلیم اور اسناد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں سے ہی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طریقے کو اختیار کیا تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقے سے تعلیم کو اُردو عوام تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے بعض دوسری یونیورسٹیوں کے نصابی مواد سے من وعن اور بذریعہ ترجمہ استفادہ کیا گیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار ہو جائے گا اور بتدریج دوسری یونیورسٹیوں پر سے انحصار ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب نصابی مواد کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اتنا آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر مسائل پیش آئے اور مختلف النوع اُلجھنوں نے رفتار کو سست کر دیا۔ مگر کوششیں جاری رہیں اور نتیجے کے طور پر اب بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کر دی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم (ڈی ڈی ای)، مانو نے طلبا کی سہولت کے لیے ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے جس میں 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکتہ، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) شامل ہیں۔ ہر علاقائی/ذیلی علاقائی مرکز (Regional Centre/Sub Regional Centre) فاصلاتی تعلیم کے طلبا کو "Learner Support Centre" کے ذریعہ تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتا ہے۔ سال 2017-18 میں، نظامت فاصلاتی تعلیم میں علاقائی/ذیلی علاقائی مرکز کے ذریعہ 158 ''Learner Support Centres'' چلائے جا رہے تھے۔ اپنے آپ کو جدید تر بنانے اور فاصلاتی طلبا کی سہولت کے لیے معیار میں اضافہ کرنے کی خاطر ڈی ڈی ای نے یو جی اور نئے ایم اے پروگراموں کے لیے 'انتخاب پر مبنی کریڈٹ سسٹم' (Choice Based Credit System-CBCS) متعارف کیا ہے۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ اب ڈی ڈی ای کے تمام پروگراموں کے لیے داخلے صرف آن لائن طریقے سے ہی دیے جا رہے ہیں۔

کسی بھی وقت، کہیں بھی اکتسابی ماحول فراہم کرنے کے لیے یونیورسٹی کا 'انسٹرکشنل میڈیا سنٹر' ویڈیو لکچرز تیار کر رہا ہے جو یوٹیوب چینل http://youtube.com/u/imcmanuu پر دستیاب ہیں۔ اب یونیورسٹی نے اپنی ویب سائٹ کے ذریعے طلبا کو اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ ڈی ڈی ای اور طلبا کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے جس کے ذریعے طلبا کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات (Assignments)، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

فی الحال نظامتِ فاصلاتی تعلیم میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورس پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلائے جا رہے ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز (Skill Based Courses) بھی شروع کیے جائیں گے۔ اپنی کاوشوں کے ذریعے ڈی ڈی ای نارساؤں تک رسائی کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ امید ہے کہ سماج کے تعلیمی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے پچھڑے طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے میں ڈی ڈی ای، مانو کا بھی نمایاں کردار رہے گا۔

پروفیسر ابوالکلام
ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تا کہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوران تعلیم دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اوراس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ کورس اور ایم اے کے دو سالہ کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامیات، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اوراس میں اسلامیات کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعہ تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامیات کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامیات کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو روایتی تعلیم کے سمسٹر سسٹم اور فاصلاتی تعلیم کے سالانہ نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت خلاصہ بحث اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی اے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کررہے ہیں۔ سال دوم کے تیسرے پرچہ کا عنوان ''عقیدہ، قرآن اور حدیث'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سال دوم کے تیسرے سمسٹر کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل اکیس اکائیاں ہیں جن کو چھ بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں عقیدہ وعبادات کے علاوہ علوم تفسیر قرآن اور علوم حدیث پر تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

واللہ الموفق

پروفیسر محمد فہیم اختر ندوی
صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)
کوآرڈینیٹر وایڈیٹر، اسلامک اسٹڈیز،
نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 1 : عقیدہ و عبادات

اکائی 1 : ایمانیات: توحید، رسالت، آخرت

اکائی کی ساخت

1.1 تمہید

1.2 مقصد

1.3 توحید

1.3.1 زندگی پر توحید کے اثرات

1.3.2 توحید کی عقلی دلیل

1.4 رسالت محمدی

1.4.1 رسالت محمدی کی عقلی دلیل

1.4.2 رسالت محمدی کے امتیازی پہلو

1.5 آخرت

1.6 اکتسابی نتائج

1.7 نمونۂ امتحانی سوالات

1.8 تجویز کردہ کتابیں

1.1 تمہید

ایمانیات دراصل ان باتوں پر ایمان لانے کا نام ہے جو اسلام کا بنیادی عقیدہ کہلاتے ہیں۔ اس میں سات باتوں کا عقیدہ رکھنا شامل ہے: اللہ کو ماننا، اس کے تمام رسولوں کو ماننا، اس کی نازل کی ہوئی تمام آسمانی کتابوں کو ماننا، اس کے تمام فرشتوں کو ماننا، قیامت کے دن کو ماننا، اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہونے کو ماننا اور اس بات کو ماننا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا جہاں حساب و کتاب ہوگا، جسے آخرت کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ کی ان تمام باتوں کو اجمالی طور پر تین عناوین میں سمیٹ کر توحید، رسالت اور آخرت کا نام دیا جاتا ہے۔

درج ذیل اکائی میں ایمانیات کے ان ہی تینوں عقائد کا تعارف کرایا جائے گا۔ اس میں بتایا جائے گا کہ توحید کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ عقیدہ توحید کی عقلی دلیل کیا ہے اور انسانی زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا تعارف کرایا جائیگا جس میں بتایا جائے گا کہ عقیدۂ رسالت محمدی میں کیا باتیں شامل ہیں، اس کی خصوصیات اور امتیازات کیا ہیں اور اس کو تسلیم کرنے کے عقلی دلائل کیا ہیں؟ پھر آخرت کے عقیدہ پر گفتگو کی جائے گی جس میں آخرت کا مفہوم، قیامت کے دن اور اس کے واقعات نیز حساب وکتاب کے بارے میں بتایا جائے گا۔

1.2 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ کیا ہے؟ کن باتوں کو ماننا ایمانیات کہلاتا ہے؟ اور ایمانیات میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدوں کا کیا مطلب ہے؟ نیز وہ یہ بھی جان لیں گے کہ توحید میں کیا باتیں آتی ہیں اور زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ رسالت محمدی کی خصوصیات اور امتیازات کیا ہیں اور آخرت کے عقیدہ کا کیا مطلب ہے اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟

1.3 توحید

اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر بتائی گئی ہے، ان میں اول کلمۂ شہادت ہے۔ کلمۂ شہادت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے رسول ہونے کی شہادت دی جائے، شہادت کے معنی آنکھوں دیکھی چیزوں کو بیان کرنا ہے، جو چیزیں آنکھوں سے دیکھی ہوئی ہوں، انسان کو ان کا حد درجہ یقین ہوتا ہے، اسی لیے انتہائی یقین کے ساتھ خبر دینے کو شہادت اور گواہی کہا جاتا ہے، توحید اور رسالت محمدی کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی انتہائی یقین کے ساتھ توحید اور رسالت کا اقرار کرے---- یہی اسلام کا رکن اول ہے، جو دو جز پر مشتمل ہے؛ توحید اور رسالت محمدی۔ دیگر چار چیزوں کا تذکرہ ارکان اسلام پر گفتگو کے ضمن میں کیا جا رہا ہے۔

توحید عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ''ایک ماننے'' کے ہیں، اسلام کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو ذات اور خصوصی صفات کے اعتبار سے یکتا ماننے کا نام توحید ہے، توحید کے مقابلہ میں ''شرک'' کا لفظ ہے، شرک کے معنی ہیں: اللہ کی ذات، خصوصی صفات اور خصوصی حقوق میں کسی اور کو اللہ کا شریک وساجھی ٹھہرانا۔

اس طرح گویا توحید کے تین پہلو ہیں: توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الحقوق۔

''توحید فی الذات'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تنہا ہے، وہ ایک ہے، نہ کوئی اس کا باپ ہے، نہ کوئی اس کی اولاد ہے، نہ بیوی ہے، نہ کوئی اس کا بھائی بہن ہے، نہ کنبہ اور خاندان ہے۔

''توحید فی الصفات'' سے مراد یہ ہے کہ بہت سے تصرفات واختیارات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں، رب ہونا، خالق ہونا، رازق ہونا، اولاد دینا، حیات وموت کے فیصلے کرنا، بارش دینا اور اس سے محروم رکھنا، یہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے،

وہی ثواب وعذاب دیتا ہے اور مغفرت کے فیصلے کرتا ہے، اللہ کی صفات میں کوئی مخلوق شریک وسہیم نہیں، خواہ وہ کتنے ہی اونچے درجہ کی حامل ہو۔

بعض اُمور وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، جیسے عبادت صرف اللہ ہی کے لیے کی جائے گی، اس لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اللہ ہی کے لئے نذر مانی جائے گی، اللہ ہی کی قسم کھائی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے جانور ذبح کیا جائے گا، دُعا اللہ سے مانگی جائے گی، سجدہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جائز نہیں ہوگا، ان حقوق میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا شرک میں داخل ہے، اس کو ''توحید فی الحقوق'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اسلام میں عقیدۂ توحید کی بڑی اہمیت ہے اور یہ قرآن مجید کی تمام تعلیمات کا نچوڑ ہے، قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا نے اپنے اپنے عہد میں اس کی دعوت دی اور لوگوں کو شرک سے بچانے کی کوشش فرمائی، شرک اللہ سے بغاوت ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرماسکتے ہیں، لیکن شرک نا قابل عفو جرم ہے۔

1.3.1 زندگی پر توحید کے اثرات

توحید صرف ایک عقیدہ ہی نہیں ہے، بلکہ انسان کی عملی زندگی سے بھی اس کا گہرا ربط ہے، اس سلسلہ میں چند بنیادی باتیں لکھی جاتی ہیں:

(الف) وحدت الٰہ کے تصور سے وحدت انسانیت کا تصور اُبھرتا ہے، جن قوموں میں ذات، پات، اور طبقاتی اونچ نیچ کا تصور رہا ہے، ان کے یہاں خدا اور بندوں کے درمیان انسانوں کے ایک خاص گروہ کو واسطہ بنالیا گیا تھا، کہیں ایک خاص نسل کے لوگوں کو، کہیں ایک خاص رنگ کے لوگوں کو، کہیں شاہی خاندان کو۔ عقیدۂ توحید میں یہ بات شامل ہے کہ کسی انسانی گروہ میں خدائی طاقت یا خدائی صفات کارفرما نہیں ہیں، اس سے تمام انسانوں کے درمیان وحدت اور یکسانیت کا تصور طاقت پاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں وحدت الٰہ اور وحدت انسانیت کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے: **إن الٰهكم واحد و إن أباكم واحد**، یعنی تم سب ایک خدا کے بندے ہو اور ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ یہی وہ حقیقت ہے جس نے اُمت مسلمہ میں ذات پات، علاقہ ووطن، رنگ ونسل اور لسانی بنیادوں پر تعظیم وتحقیر کا تصور پیدا نہیں ہونے دیا، حالاں کہ مغربی قومیت کے تصور نے ان کی صفوں میں بکھراؤ ضرور پیدا کیا، لیکن کبھی ان تعصّبات نے عقیدہ کی صورت اختیار نہیں کی اور نہ اُمت کے سواد اعظم نے ان باتوں کو قبول کیا۔

(ب) عقیدۂ توحید علمی وفنی تحقیق کے جذبہ کو پروان چڑھاتا ہے، انسانی فطرت یہ ہے کہ جس چیز سے اس کا تعلق عقیدت واحترام کا ہوتا ہے، اس کو وہ تحقیق وتنقید سے بالاتر رکھنا چاہتا ہے، اب جو لوگ لوہے، پتھر، درخت، دریا وسمندر اور سیارات وحیوانات وغیرہ کو خدا کا درجہ دیتے ہیں وہ کیسے ان چیزوں کو اپنی تحقیق وجستجو کا ہدف بناسکتے ہیں اور جب انسان کا عقیدہ یوں ہو کہ خدا کے سوا ساری چیزیں اسی کی طرح مخلوق ہیں، بلکہ وہ انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو اس کی تحقیق وجستجو میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی، اسی لیے قرآن مجید میں بار بار کائنات میں تدبر کی دعوت دی گئی ہے اور کہیں بھی علم وتحقیق کی حوصلہ شکنی نہیں کی گئی ہے۔

(ج) توحید کا عقیدہ انسان کے اندر یہ یقین پیدا کرتا ہے، کہ مخلوقات میں بجائے خود نافع اور مضر ہونے کی صلاحیت نہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے چیزیں نافع یا نقصان دہ ہوتی ہیں، یہ عقیدہ انسان کے دل سے مخلوق کے خوف کو دور کرتا ہے اور انھیں توہم پرستی سے بچاتا ہے، جو قومیں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں، ان میں توہم پرستی پیدا ہوجاتی ہے، وہ بعض جانوروں کو برکت کا اور بعض کو نحس کا سبب سمجھتی ہیں، بعض اوقات کو مبارک اور بعض کو منحوس باور کرتی ہیں، دھوکہ باز انسانوں سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرتی ہیں، اس لیے عقیدۂ توحید کا ایک نمایاں اثر یہ ہے کہ یہ انسان کو توہم پرستی سے بچاتا ہے۔

1.3.2 توحید کی عقلی دلیل

اسلام نے توحید کا جو تصور دیا ہے، وہ نہایت سادہ، پیچیدہ اور منطقی بحثوں سے دور، عام فہم اور پوری طرح عقل وفطرت سے ہم آہنگ ہے۔ توحید کا تصور دو باتوں کو شامل ہے، ایک یہ کہ خدا کا وجود ہے اور دوسرے یہ کہ خدا ایک ہی ہے، یہ دونوں باتیں پوری طرح عقل کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں، دنیا میں کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی ایسی موجود نہیں، جو کسی بنانے والے کے بغیر از خود وجود میں آ گئی ہو، تو اتنی بڑی وسیع وعریض اور بے حد متنوع کائنات کسی خالق کے بغیر کیسے وجود میں آسکتی ہے اور کسی مدبر و منتظم کے بغیر کیوں کر باقی رہ سکتی ہے؟ اس لیے خدا کا وجود پوری طرح عقل کا تقاضہ ہے اور اسی لیے تاریخ کے ہر دور میں تھوڑے سے منحرف لوگوں کو چھوڑ کر سبھوں نے اپنے خالق ومالک کے وجود کا اقرار کیا ہے۔

جہاں تک خدا کے ایک ہونے کی بات ہے، تو یہ بھی انتہائی درجہ عقل وفطرت کے مطابق ہے، اس کائنات میں زمین کی طرح نہ جانے کتنے جہان پھیلے ہوئے ہیں، یہ سب کے سب مسلسل گردش کی حالت میں ہیں اور اس گردش کی رفتار بھی یہ ہے کہ وہ کئی میل فی سکنڈ کا فاصلہ طئے کرتے ہیں، ان بے شمار سیاروں کو قوت کشش نے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح تھام رکھا ہے کہ بغیر کسی ستون کے یہ صحیح وسالم صورت میں موجود ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پوری کائنات ایک دوسرے سے مربوط ہے، یہ الگ الگ مملکتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی مملکت کے حصے ہیں، اگر ان پر الگ الگ فرماں رواؤں کی حکمرانی ہوتی تو یہ ہرگز اس انضباط، تعاون اور وحدت عمل کے ساتھ اپنا کام جاری نہیں رکھتے، انسان خدا کی سب سے زیادہ باشعور مخلوق ہے، پھر بھی وہ ہر لحہ ایک دوسرے سے متصادم ہوتی رہتی ہے، تو بصارت وسماعت اور عقل وشعور سے محروم اتنی بڑی کائنات کیوں کر تصادم سے بچ سکتی تھی؟ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ایک ہی خدا ہے، جس کی شان ربوبیت اس پورے نظام کائنات کو چلا رہی ہے، قرآن مجید نے اسی حقیقت کو یوں کہا ہے :

لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا ۔(الأنبیاء:۲۲)

(اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو زمین وآسمان میں فساد پیدا ہوجاتا)۔

1.4 رسالت محمدی

کلمۂ شہادت کا دوسرا جز یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یہ عقیدہ درج ذیل باتوں کو شامل ہے:

(الف) حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔

(ب) آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔

(ج) آپ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے، ان پر عمل کرنا اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، ان سے بچنا واجب ہے اور اگر ان کا ثبوت یقینی دلیلوں سے ہو تو ان کا انکار کرنا کفر ہے۔

(د) آپ نے جو افعال کیے ہوں، ان کی اتباع کرنی چاہیے، بعض افعال کی اتباع واجب اور بعض کی مندوب ہے۔

(ہ) آپ سے محبت رکھنا اور آپ کی تعظیم وتوقیر کرنا بھی واجب ہے، نیز آپ کی اہانت باعث کفر ہے۔

(و) نبوت محمدی پر ایمان ان تمام انبیا پر ایمان لانے کو شامل ہے، جن کا نبی ہونا آپ نے بیان فرمایا ہے، ان کا انکار یا ان کی بے احترامی بھی ایمان سے محرومی کا باعث ہے۔

(ز) آپ کی تشریف آوری کے بعد شریعت محمدی ہی سے نجاتِ اخروی کی ضامن ہے، اس کے بغیر نجات حاصل نہیں ہوسکتی، کیوں کہ یہ خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔

1.4.1 رسالت محمدی کی عقلی دلیل

(الف) نبی کے نبی ہونے کی دلیل دراصل خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے، وہ اعمال واخلاق کے اعتبار سے اتنے بلند درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کے بارے میں جھوٹ اور دھوکہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے چالیس سال کی زندگی مکہ مکرمہ میں گذاری اس درمیان بہت ہی مختصر مدت کے لیے صرف دوبار آپ کا سفر ہوا، مکہ مکرمہ کی آبادی کا دائرہ اتنا سمٹا ہوا تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے پوری طرح باخبر رہتے تھے، اسی ماحول میں آپ کا بچپن گذرا، آپ کی جوانی گذری، یہاں تک کہ عمر مبارک چالیس سال ہوئی، آپ کی دیانت وامانت اور راست گوئی کی وجہ سے لوگ آپ کو ''صادق اور امین'' کے لقب سے یاد کرتے تھے، جب آپ نے پہلی دفعہ اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت آپ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر تمام اہل مکہ کو جمع فرمایا اور یہی دریافت فرمایا کہ تم نے کبھی مجھے جھوٹ بولتے یا دھوکہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، تم نے مجھے سچا پایا ہے یا جھوٹا؟ اور امانت دار پایا ہے یا خائن؟ اس وقت تمام حاضرین کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم سب نے آپ کو صادق وامین پایا ہے۔

ایک ایسا شخص جس پر چالیس سال اس کی صداقت وامانت کا تجربہ کیا گیا اور اس میں اسے کھرا پایا، پھر اس شخص کو دعویٔ نبوت سے دستبردار ہونے کے لیے ان تمام چیزوں کی پیشکش کی گئی، جس کے لئے انسان جھوٹ بول سکتا ہے، یعنی حکومت، مال و دولت اور حسین عورت، مگر اس نے بلا تأمل اسے رد کردیا، نیز اس نے چالیس سال پورا ہونے سے پہلے کبھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا، نہ اس کے آبا واجداد نے ایسا دعویٰ کیا تھا، تو یقیناً وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کرسکتا، اس کی زندگی اور اس کا کردار اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس ماحول میں پیدا ہوئے وہاں تعلیم کا باضابطہ کوئی انتظام نہیں تھا، نہ درس گاہ تھی، نہ لکھنے پڑھنے کا رواج تھا، پورے مکہ میں کل تیرہ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا آتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی نہ اہل کتاب علما کی صحبت میں کوئی وقت گذارا، نہ کبھی اشعار کہے، نہ خطابت و بیان میں آپ کی شہرت ہوئی، نہ گزری ہوئی اقوام کے حالات سے آپ باخبر تھے، 40 سال کی عمر ہونے تک آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی۔

پھر 40 سال پورے ہونے کے بعد اچانک آپ کی زبان پر ایسا کلام جاری ہوا، جو نہ صرف اپنے مضامین و معانی کے اعتبار سے منفرد رنگ رکھتا تھا، بلکہ اپنی تاثیر اور زبان و بیان کی جاذبیت اور کشش کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ تھا، اس میں انبیاء اور گذشتہ اقوام کے واقعات ہیں، اس میں انسان کی عملی زندگی کے لیے نہایت ہی متوازن اور عادلانہ قوانین ہیں، اس میں عرب کے اس وقت کے معاشرہ کے برخلاف اعلیٰ اخلاقی تعلیمات ہیں، اگر اتنے بلند پایہ کلام کو وہ اپنے آپ کی طرف منسوب کرتا تو پورا خطۂ عرب اس کو خراج تحسین پیش کرتا اور مخالفت وعناد کے کانٹے بچھائے جانے کے بجائے اس پر ستائش کے پھول برسائے جاتے، لیکن اس نے اس کے بجائے صاف اعلان کیا کہ یہ خدا کا کلام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس کے ناقل ہیں اور پھر فصحاء عرب کو دعوت دی کہ اگر وہ اسے خدا کا کلام نہیں سمجھتے تو اس جیسی ایک سورہ یا دس آیت یا کم سے کم ایک ہی آیت لاکر دکھا دیں، یہ چیلنج آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا، لیکن تاریخ میں کبھی بھی اس چیلنج کا جواب نہیں دیا جاسکا۔

(ج) قرآن مجید میں ایسے قصے اور واقعات ذکر کیے گئے ہیں، جن کا عربوں میں کوئی چرچا تک نہیں تھا، بعض واقعات پچھلی آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن قرآن نے ان کو بعینہٖ اسی طرح نقل نہیں کیا ہے، بلکہ ان کتابوں میں جو آمیزشیں کردی گئی تھی، اسے بھی واضح کیا گیا ہے اور گذشتہ کتابوں کے بیانات سے انبیا کے دامن عمل پر جو داغ پڑتا تھا، قرآن نے اسے دھویا ہے، حالاں کہ آپ نہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، نہ آپ نے کبھی تورات وانجیل کو دیکھا تھا، نہ علماءِ اہل کتاب سے استفادہ کیا تھا، یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ایک ہی سرچشمۂ علم سے گذشتہ پیغمبروں کو بھی علم حاصل ہوا تھا، جس میں ان کے متبعین نے ملاوٹیں پیدا کردی تھیں اور اسی سرچشمہ سے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بھی علم عطا فرمایا گیا تھا۔

(د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں، بعض پیشین گوئیوں کا ذکر قرآن میں ہے اور بعض کا احادیث میں، یہ پیشین گوئیاں حیرت انگیز طور پر پوری ہوئیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں روم وایران کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی، اس زمانہ میں یہ دونوں مملکتیں سوپر طاقتوں کی حیثیت رکھتی تھیں، یوں تو ہمیشہ ہی ان کے درمیان آویزشیں رہتی تھیں، لیکن نبوت کے پانچویں سال 611ء میں ان دونوں ملکوں کے درمیان ایک بڑی جنگ کا آغاز ہوا جو 616ء میں اس طرح ختم ہوئی کہ خود بیت المقدس پر بھی ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا، رومی سلطنت کا بیشتر حصہ ایران کے زیر تسلط آگیا اور گرجے مسمار کرکے ان کی جگہ آتش کدے تیار کیے گئے، اس وقت بظاہر رومیوں کے دوبارہ سر اٹھانے کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا، عین اس وقت قرآن مجید نے پیشین گوئی کی کہ رومی مغلوب ہوگئے ہیں، لیکن مغلوب ہوجانے کے بعد چند ہی سال میں پھر غالب

آ جائیں گے،(الروم:۱)---- یہ اعلان اس وقت بالکل قیاس کے خلاف تھا، چنانچہ قریش مکہ اس کا مضحکہ اڑانے لگے،لیکن یہ پیشین گوئی اس شاندار طریقہ پر پوری ہوئی کہ 625ء میں دوبارہ رومیوں نے اپنے پورے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لیے، چنانچہ بعض اہل مکہ اس سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے۔

یہ تو ایک پیشین گوئی کا ذکر ہے،قرآن وحدیث میں درجنوں ایسی پیشین گوئیاں موجود ہیں،جن کی صداقت بہ چشم سر دیکھی جاسکتی ہے، ایسی درست پیشین گوئی اسی کی طرف سے ہوسکتی ہے،جس کو خدائے علم وخبیر کی طرف سے مستقبل کی خبریں پہنچی ہوں۔

1.4.2 رسالت محمدی کے امتیازی پہلو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں،اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا جو پیغام آیا ہے، وہ قیامت تک باقی رہے گا، اس لیے آپ کی سیرت میں بعض ایسی خصوصیات ملتی ہیں، جو دوسرے انبیا سے آپ کو ممتاز کرتی ہیں، یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے :

(الف) جامعیت

جامعیت سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کے اندر انسانی زندگی کے مختلف پہلو جمع ہوجائیں اور وہ اس لائق ہو کہ زندگی کے مختلف مسائل میں اس کو نمونہ بنایا جاسکے، چنانچہ سیرت محمدی میں یہ بات پوری طرح پائی جاتی ہے، حاکم ہو یا محکوم، فاتح ہو یا مفتوح،خوشی کا موقع ہو یا غم کا، کامیابی کی گھڑی میں ہوں یا ناکامی کی،منصف کی کرسی پر ہو یا خود مقدمہ کا فریق ہو،رات کی تنہائی میں عبادت وریاضت کا موقع ہو یا جنگ کا کارزار گرم ہو،سفر ہو یا حضر،گھریلو اور نجی زندگی ہو یا سماجی مشغولیات ہوں، تاجر ہو یا گاہک، مالدار ہو یا غریب، دوستوں کے درمیان ہو یا دشمنوں کے بیچ،فقر ومحتاجی سے دوچار ہو اور پیہم فاقہ مستیوں میں مبتلا یا دولت وزر کا انبار لگا ہو،رشتوں کے اعتبار سے بزرگ ہو یا عزیز یا برابر کا،اور سن وسال کے اعتبار سے بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا،استاذ ہو یا شاگرد، وطن میں ہو یا بے وطن،غرض کہ جو کچھ بھی ہو اور جس حال میں ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کے لیے نمونہ موجود ہے، مذہبی پیشواؤں میں ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت کوئی اور نظر نہیں آتی اور اگر رہی ہو تو تاریخ نے اسے محفوظ نہیں رکھا، اسی جامعیت کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے''**لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة** ''(الأحزاب:۲۱)اس آیت میں اُمت کے ہر طبقہ کو تلقین کی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے نمونہ ہے۔

(ب) عالمگیریت

عالمگیریت سے مراد ہے کسی چیز کا گروہی امتیاز سے بالاتر اور عالمی حیثیت کا حامل ہونا،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی تعلیمات میں یہ پہلو اتنا نمایاں ہے کہ کہ سیرت محمدی کا سرسری مطالعہ کرنے والا بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا، اسی لیے قرآن مجید نے پوری انسانیت کو آپ کی نبوت کا مخاطب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**وما أرسلنٰک إلا کافة للناس بشیراً و نذیراً**''(سباء:۲۸)اسی طرح ایک اور موقعہ پر فرمایا گیا کہ آپ تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں،'' **وما أرسلنٰک إلا رحمة للعالمین** ''۔(الأنبیاء:۱۰۷)

گروہی تنگ نظری کی ایک بنیاد رنگ ونسل ہوتی ہے، کہ ایک رنگ ونسل کے لوگ دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں، آپ نے صاف اعلان فرمایا کہ بزرگی وبرائی رنگ ونسل سے نہیں ہے بلکہ تقویٰ سے ہے،''**لا فضل للعربی علی العجمی ولا للأبیض علی الأسود إلا**

بالتقویٰ ، إن اکرمکم عند اللہ أتقاکم ''،آپ نے خاندانوں کےفرق کے بارے میں واضح فرمادیا کہ اس سے کوئی بڑائی اور چھوٹائی متعلق نہیں ہے، کیوں کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں'' **خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها** ''(نساء:۱)اور خاندانوں کا اختلاف تفاخر کے لیے نہیں ہے بلکہ تعارف کے لیے ہے،'' **وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا** ''۔(حجرات:۱۳)

اسی طرح آپ نے کسی دینی منصب کو کسی مخصوص گروہ کے ساتھ خاص نہیں کیا،کوئی بھی صاحب علم اور صاحب تقویٰ مسلمانوں کا امام ہوسکتا ہے، مذہبی یا غیر مذہبی تعلیم کو کسی ایک طبقہ کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی ،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حصول علم ہر مسلمان کا فرض ہے،'' **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** ''۔

دعوتِ اسلام کو کسی ایک قبیلہ،علاقہ یا نسل کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا،آپ ﷺ نے جیسے قریش کو دعوت دی دوسرے قبائل اور دوسری اقوام کو بھی دعوت اسلام پیش فرمائی، پس آپ کالایا ہوا دین ایک آفاقی دین ہے۔

(ج) تاریخی تحفظ

آپ ﷺ کی سیرت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ کے ارشادات ،معمولات اور آپ کے حالات و واقعات سند کے ساتھ محفوظ ہیں،آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے جس میں کہیں ایک حرف کا فرق نہیں پایا جاتا اور جس کے محفوظ ہونے پر تمام حقیقت پسند متفق ہیں، آپ ﷺ کے حالات کو جاننے کا دوسرا ذریعہ حدیث اور سیرت کی روایات ہیں ،جن کی پوری سند کتابوں میں مذکور ہے اور اس سند میں آنے والے راوی کے حالات بھی فن اسماء رجال کے ذریعہ محفوظ کردیئے گئے ہیں،اس کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف آپ کی ہدایات محفوظ ہیں ؛ بلکہ آپ کی زندگی کے جزوی واقعات یہاں تک کہ نجی زندگی کے حالات بھی روشنی میں ہیں۔

(د) عقل وفطرت سے ہم آہنگی

پیشوایان مذاہب میں آپ ﷺ کی تعلیمات چوں کہ بغیر کسی ملاوٹ کے محفوظ ہیں،اس لیے ان میں عقل وفطرت سے حد درجہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے،آپ نے بہت سے احکام اپنے عہد کے مروجہ قوانین وروایات کے خلاف دیئے اور جوں جوں انسان علم وعقل کا سفر طے کرتا جاتا ہے، وہ ان ہدایات کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے پر مجبور ہے، یہاں اس سلسلے کی چند موٹی موٹی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

- آپ نے مخلوقات کی پرستش سے منع کیا اور بتایا کہ یہ مخلوقات انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔
- آپ نے بتایا کہ عورتیں کوئی الگ مخلوق نہیں ہیں ؛ بلکہ مرد وعورت ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔
- آپ نے عورتوں کو میراث کا حق دیا۔
- آپ نے نشہ آور چیزوں کو ممنوع قرار دیا۔
- آپ نے بیوگان کے نکاح کی ترغیب دی۔
- اگر زوجین کے درمیان تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں تو طلاق کی گنجائش رکھی۔

- سود کے ذریعہ غریبوں کے استحصال کو منع فرمایا۔
- خاندانی بادشاہت کے بجائے خلافت کا تصور دیا۔
- علم کے حصول پر زور دیا اور اس میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی۔
- کائنات میں فکر وتدبر کی تلقین کی۔

یہ چند نکات سرسری طور پر ذکر کیے گئے ہیں ورنہ اگر غور کیا جائے تو آپ کی ایک ایک تعلیم عقل وفطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

(ہ) ختم نبوت

بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اس کے لیے جو لباس سلایا جاتا ہے وہ چند ہی دنوں میں چھوٹا ہو جاتا ہے، لیکن جب وہ بڑھتے بڑھتے جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس وقت جو لباس اس کے بدن پر فٹ ہوتا ہے وہ آخر وقت تک اس کے لیے کافی ثابت ہوتا ہے، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث فرمایا جب تمدن اور انسانی شعور شباب کی دہلیز پر تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی شریعت دی گئی کہ اس دنیا کے بوڑھاپے یعنی قیامت تک کے لئے کافی ہو جائے، لہٰذا آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کی شریعت آخری شریعت ہے اور آپ ﷺ کی اُمت آخری اُمت ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی طرح کی نبوت کی گنجائش باقی نہیں رہی، اس بات کو قرآن وحدیث میں بہت ہی وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور اس پر اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے، اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: ”**ولكن رسول الله و خاتم النبيين**“، حدیث ہے کہ مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا: ختم بی النبیون، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا، تو حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں صحابہ کا پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے۔

پھر غور کریں تو عقل کا تقاضا بھی یہی ہے؛ کیوں کہ نبی تین کاموں کے لیے آیا کرتے تھے، یا تو اس لئے کہ پہلی شریعت کے احکام منسوخ کیے جاتے اور نئی شریعت نازل کی جاتی، جب کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی، دوسرے نبی اس لیے آتے تھے کہ گذشتہ پیغمبروں کی شریعت میں جو ملاوٹ کی گئی ہے اسے دور کر دیں، لیکن قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس لئے آپ ﷺ کی تعلیمات میں کوئی ملاوٹ پیدا نہیں کی جاسکتی، تیسرے ایک نبی کو دوسرے نبی کی مدد کے لئے بھیجا جاتا تھا، جیسے حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا، اگر اس طرح کوئی نبی بھیجا جاتا تو آپ ﷺ کی زندگی ہی میں بھیجا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد بھی نبوت کی گنجائش ہوتی تو عمرؓ نبی بنائے جاتے، پس آپ ﷺ کی نبوت کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین قیامت تک کے لیے ہے۔

1.5 آخرت

1.5.1 عقیدۂ آخرت

توحید و رسالت کے بعد اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ ’آخرت‘ کا ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ انسان مر جانے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم

ہوجائے، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ خدا کے حکم سے یہ کائنات درہم برہم کردی جائے گی، جسے قیامت کہتے ہیں، پھرانسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، خدا کی طرف سے انسان کی نیکیوں اور برائیوں کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے، یہ ریکارڈ جو پہلے سے خدا کے علم میں ہے، انسانوں کے سامنے پیش کیا جائے گا اورانسان کی نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں حساب وکتاب ہوگا، خدا جن گناہوں کومعاف کرنا چاہے معاف کردے گا، پھرنیکیوں کا اجر اور برائیوں پرعذاب دیا جائے گا۔

اجر وثواب کی جگہ جنت ہوگی جوانسان کی خواہشات اورتصورات سے بھی زیادہ خوبصورت، راحت بخش اورکشادہ ہوگی اور جولوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اس کے برخلاف سزا کی جگہ دوزخ ہوگی، یہ اتنی بھیانک اورتکلیف دہ ہے کہ انسان کے لیے اس دنیا میں اس کا تصور بھی دشوار ہے، کچھ لوگ تو عارضی طور پر دوزخ میں ڈالیں جائیں گے اور کچھ عرصہ کے بعد نکال دیئے جائیں گے، اور ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جن کے لیے دوزخ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہوگی، یہ وہ لوگ ہوں گے جو ایمان سے محروم تھے۔

1.5.2 انسانی زندگی پرعقیدہ وآخرت کا اثر

عقیدۂ آخرت کا انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے، یہ عقیدہ انسان کوقانون پر قائم رکھنے اور لاقانونیت سے بچنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس وقت رات کا اندھیرا ہو، کوئی نگاہ جرم کودیکھنے والی اور کوئی زبان اس پرٹوکنے والی نہیں ہو، اس وقت یہی آخرت میں جواب دہی کا احساس ہے جو مجرم کے ہاتھ کوتھام لیتا ہے اوراس کے اندر عمل کی تحریک پیدا کرتا ہے، ایک تو نفع کی اُمید اوراسے حاصل کرنے کا شوق، دوسرے پکڑ کا اندیشہ اوراس سے بچنے کی فکر، اور یہ کیفیت عقیدہ آخرت سے حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جوقومیں تصور آخرت سے محروم ہیں وہ علم وسائنس میں کتنی ہی ترقی کرجائیں ؛لیکن شراب، زنا، بداخلاقی، چوری ورہزنی اور دوسرے جرائم میں پیش پیش رہتی ہیں ؛ کیوں کہ وہ اجر وثواب کی طلب اور خدا کے عذاب کے خوف دونوں سے عاری ہیں۔

5.5.3 عقلی نقطۂ نظر

قرآن مجید نے قیامت کے ممکن ہونے پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ جوخدا اپنی مخلوق کوپہلی بارکسی نمونہ کے بغیر عدم سے وجود میں لاسکتا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ انسان کودوبارہ زندہ کرکے اس پرثواب وعذاب کے احکام جاری کرے؟ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ دنیا کا تباہ وبرباد ہونا اورمرنے کے بعد دوبارہ انسان کا زندہ کیا جانا دونوں ہی عقلاً ممکن ہے۔

فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان کواپنے اعمال کے سلسلہ میں پورا پورا انصاف حاصل ہو، یعنی نیکیوں کی پوری جزا اور گناہوں کی پوری سزا اس کودی جائے، مگرعملاً دنیا میں ایسا ہوتا نہیں ہے، مثال کے طور پر ایک شخص نے کسی کوتعلیم کے لیے ایک لاکھ روپئے دے دیے، اس شخص نے اس رقم سے میڈیکل کی تعلیم مکمل کی اور ڈاکٹر بن گیا، پھرتیس پینتیس سال تک اس فن کواستعمال کرتے ہوئے اپنے لیے آرام دہ مکان بنایا، اپنے بچوں کوتعلیم دلائی اورخود بھی کشادگی اورگنجائش کی زندگی گذاری اور نہ جانے کتنے لاکھ اس کے ذریعہ کمائے، اب اگر یہ شخص اپنے محسن کواس احسان کا بدلہ دینا چاہے تواس کے ایک لاکھ روپئے واپس کردے گا، زیادہ سے زیادہ لاکھ دولاکھ اپنی طرف سے دے گا، لیکن سوچئے کہ کیا اس کے احسان کا پورا بدلہ ہوا؟

یہی حال برائیوں کا ہے، ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا، اس کے بچے جو تعلیم حاصل کر رہے تھے، حصول تعلیم سے محروم ہو گئے، اس کی بیوی کو سالہا سال تنگی و سختی میں زندگی گذارنی پڑی، اس کے بوڑھے والدین نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر اپنی جان دیدی اور مقتول کے پورے خاندان کو سخت صدمہ سے گذرنا پڑا، اب دنیا میں زیادہ سے زیادہ اس ظالم شخص کو سزا کے طور پر قتل کیا جا سکتا ہے، لیکن کیا اس سے تمام تکلیفوں کا مداوا ہو جائے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں پورا بدلہ کسی کے لیے ممکن نہیں ہے، چاہے نیکی کا اجر ہو یا برائی کی سزا، دنیا میں ادھوری ہوتی ہے، اس لئے اس کائنات کی فطرت تقاضہ کرتی ہے کہ ایک اور ایسی جگہ ہونی چاہئے جہاں انسانیت کو پورا پورا انصاف مل سکے اور یہ جگہ آخرت ہے۔

یہ تو پورے پورے جزا وسزاء کی بات ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے لوگوں کو دنیا میں انصاف نہیں ملتا، وہ اپنی بھلائی پر جزاء سے محروم رہتا ہے، مجرم کو اس کے گناہ اور جرم کی سزا نہیں ملتی، جب کہ جزا و سزا کا قانون خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے، پس آخرت ہی ایسی جگہ ہے جہاں لازمی طور پر انسان کو انصاف فراہم ہوگا اور جزاء وسزاء کا قانون مکمل طور پر ظہور میں آئے گا۔

پس موت کے بعد اچھے اور برے اعمال پر جزا وسزاء کا مرتب ہونا فطرت کی آواز ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ انسانوں کی غالب ترین اکثریت تصور آخرت کی قائل رہی ہے، گو مختلف مذاہب میں اس کی تفصیلات الگ الگ ہیں، مگر اس کے مقابلہ اس کے منکرین کی تعداد ہمیشہ بہت کم رہی ہے۔

1.6 اکتسابی نتائج

- اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں، جن میں پہلا رکن ''کلمۂ شہادت'' ہے اور کلمۂ شہادت کا پہلا جز توحید ہے۔
- توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات واختیارات اور مخصوص حقوق ---- عبادت، دُعاء وقربانی، سجدہ وغیرہ ---- میں یکتا سمجھا جائے۔
- توحید کے تصور سے انسانی وحدت کا تصور اُبھرتا ہے، کائنات میں تحقیق کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور انسان کو توہم پرستی سے نجات ملتی ہے۔
- عقیدۂ توحید عقل وفطرت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ کائنات کا اگر ایک سے زیادہ رب ہوتا تو اس کے نظام میں انضباط اور تعاون باقی نہیں رہتا۔
- کلمۂ شہادت کا دوسرا جز یہ ہے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جامعیت، عالمگیریت اور عقل وفطرت سے ہم آہنگی ہے، نیز آپ کی سیرت تاریخی طور پر پوری طرح محفوظ ہے۔
- آپ ﷺ کی نبوت کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہو چکا ہے، اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

- اسلام کا تیسرا عقیدہ ’’آخرت‘‘ کا تصور ہے، یعنی قیامت قائم ہوگی، انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اپنے ایمان و اعمال کے اعتبار سے جنت و دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔

1.7 نمونۂ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ توحید کا معنی و مفہوم اور اس کی قسموں کی وضاحت کیجیے۔

2۔ انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

3۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے میں کیا کیا باتیں شامل ہیں؟ اور ختم نبوت کا مطلب و مراد کیا ہے؟ واضح کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت پر عقلی دلیلیں پیش کیجیے۔

2۔ نبوت محمدی پر آپ کیا عقلی دلیلیں پیش کر سکتے ہیں؟

3۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے چند امتیازی خصائص پر روشنی ڈالیے۔

1.8 تجویز کردہ کتابیں

1۔ حقیقت توحید (اُردو) : مولانا امین احسن اصلاحی

2۔ اسلامی تہذیب کے اُصول و مبادی (اُردو): مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

3۔ مذہب اور جدید چیلنج (اُردو) : مولانا وحید الدین خاں

4۔ خطبات مدراس (اُردو) : علامہ سید سلیمان ندوی

۔:oOo:۔

اکائی 2 : اسلام کے بنیادی ارکان : نماز اور روزہ

اکائی کی ساخت

2.1 تمہید

2.2 مقصد

2.3 نماز

2.3.1 اہمیت وفضیلت

2.3.2 تربیتی پہلو

2.3.3 احکام ومسائل

2.4 روزہ

2.4.1 تربیتی پہلو

2.4.2 احکام ومسائل

2.5 اکتسابی نتائج

2.6 نمونہ امتحانی سوالات

2.7 تجویز کردہ کتابیں

2.1 تمہید

رکن کے عربی زبان میں مختلف معانی آتے ہیں، ان ہی میں ستون اور بنیاد بھی ہے، اسی مناسبت سے کسی چیز سے متعلق اہم ترین افعال کو رکن کہا جاتا ہے، جس کی جمع ارکان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے، کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، گویا اسلام میں ان پانچوں اُمور کی خصوصی اہمیت ہے، اسی لیے ان کو ارکان اسلام کہا جاتا ہے۔کلمہ شہادت پر گفتگو ایمانیات والی اکائی میں کی گئی ہے، بقیہ چار ارکان کا تعارف ارکان اسلام کے تحت ہے، چنانچہ اس اکائی میں اسلام کے ان ہی بنیادی ارکان کا مختصر تعارف کرایا جائے گا۔ بنیادی ارکان میں سب سے پہلے نماز کی اہمیت وفضیلت بتاتے ہوئے نماز کے اوقات، اس کی شرائط اور ادا کرنے کے طریقے بتائے جائیں گے۔ پھر

دوسرے رکن روزہ کا معنی ومفہوم نیز اس کے فوائد پر روشنی ڈالی جائے گی اور بتایا جائے گا کہ روزہ کے ضروری احکام کیا ہیں؟ روزہ میں کن باتوں کی پابندی ضروری ہے اور کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

2.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اسلام کے بنیادی ارکان کو اچھی طرح جان لیں گے، اور انھیں واقفیت ہوجائیگی کہ نماز کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا اہمیت ہے؟ نماز کے ضروری احکام ومسائل کیا ہیں؟ اور نماز پڑھنے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ معلوم ہوجائے گا کہ روزہ کے کیا احکام ہیں اور روزہ کس طرح انسان کی تربیت کا کردار ادا کرتا ہے؟

2.3 نماز

نماز کو عربی زبان میں ''صلوٰۃ'' کہتے ہیں، صلوٰۃ کے معنی عربی اور عبرانی میں دُعاء کے ہیں، نماز کی روح دُعاء ہے اور نماز میں پڑھے جانے والے تمام کلمات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، تسبیح و پاکی اور دُعاء پر مشتمل ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے اس کو صلوٰۃ کہا گیا، اصطلاح میں صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی نیت سے مخصوص افعال کے انجام دینے کو کہتے ہیں، ان افعال کی تفصیل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ بتائی اور اُمت کو تلقین فرمائی، کہ جیسے میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح نماز پڑھو''صلوا کما رأیتمونی أصلی''۔

2.3.1 اہمیت وفضیلت

کلمۂ شہادت کے بعد یہ اسلام کا سب سے اہم رکن ہے، اسی لئے قرآن مجید میں مختلف مواقع پر ایمان یا ردکفر کے ساتھ ہی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دین کا ستون قرار دیا ہے، طائف کا وفد بارگاہ نبوی میں قبول اسلام کے لئے آیا اور اس نے درخواست کی کہ انھیں تین چیزوں سے مستثنیٰ رکھا جائے، نماز، جہاد اور صدقہ، آپ ﷺ نے جہاد اور صدقہ سے تو ان کو مستثنیٰ فرمادیا، لیکن نماز کے بارے میں فرمایا:'' جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہیں ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں'' قرآن مجید میں سو سے زیادہ مواقع پر مختلف پہلوؤں سے نماز کا ذکر آیا ہے، نیز توحید کے بعد جو پہلا حکم آپ ﷺ کو دیا گیا، وہ بھی نماز ہی ہے۔(مدثر:۳)

2.3.2 تربیتی پہلو

اسلام میں جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں، ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ ساتھ انسان کی تربیت بھی ہے، چنانچہ نماز میں بھی انسان کے تزکیہ وتربیت کی مؤثر تدبیریں نظر آتی ہیں، یہاں بعض پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) نماز کا ایک اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کا استحضار ہے، جسے قرآن مجید میں ذکر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے،''**أقم الصلوٰۃ لذکری**'' (طٰہٰ:۱۴)۔چوں کہ انسان سے یہ بات مطلوب ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر موقعہ پر اللہ کو یاد رکھے، اسی لئے شب وروز میں پانچ بار نمازیں رکھی گئی ہیں، یہ استحضار اس طرح ہوتا ہے کہ نماز ایک ایسا عمل ہے، جس میں جسم، عقل اور قلب

(دل) سب شریک ہیں اوراس میں ان تینوں چیزوں کی حکیمانہ نمائندگی موجود ہے،جسم کے حصہ میں قیام اور رکوع وسجود آیا ہے، زبان کے حصہ میں تلاوت وتسبیح آئی ہے،عقل کے حصہ میں تفکر وتدبر آیا ہے،قلب کے حصہ میں خشوع وخضوع،انابت اور رقت کی کیفیت آئی ہے اور قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر موجود ہے،جسم کے اعمال کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے :

''**وقوموا لله قانتين**''۔(بقرہ:۲۳۸)

اور اللہ کے سامنے عاجزوں کی طرح کھڑے رہا کرو۔

''**يا أيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم وافعلوا الخير لعلكم تفلحون**''۔ (حج:۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو،اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو تاکہ کچھ فلاح پاجاؤ۔

عقل کے اعمال کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے :

''**يا أيها الذين آمنوا لا تقربوا الصلاة وأنتم سكارىٰ حتى تعلموا ما تقولون**''۔(نساء:۴۳)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ منھ سے کہہ رہے ہو اسے سمجھنے بھی لگو۔

اور قلب کے اعمال کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے :

''**قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون**'' ۔(مومنون:۱)

یقیناً وہ مومنین کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع برتنے والے ہیں۔

گویا انسان کا پورا وجود اللہ کی طرف متوجہ ہو۔

(2) نماز کا دوسرا تربیتی پہلو وہ ہے،جس کی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے :

''**ان الصلوٰة تنهى عن الفحشاء والمنكر**'' ۔(العنکبوت:۴۵)

کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

مُنکَر میں تمام گناہ شامل ہیں،خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق الناس سے،اس برائی کا مرکز دل ہو،زبان ہو،آنکھ ہو،ہاتھ پاؤں ہوں یا جسم کا کوئی اور حصہ ہو،اور فحشاء سے وہ خاص برائیاں مراد ہیں جو شرم وحیاء اور مسلَّمہ اخلاقی قدروں کے خلاف ہیں،جیسے زنا، بے پردگی وغیرہ، فحشاء کا اثر چوں کہ پورے سماج پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اخلاقی بیماری نہایت تیزی سے پھیلتی ہیں،اس لیے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔

نماز کے فحشاء اور منکر سے روکنے کی بات اس نکتہ سے مربوط ہے،جس کا اوپر ذکر ہوا،یعنی نماز سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اس کی ذات و

صفات کا استحضار ہوتا ہے، خدا کا استحضار اور اس کی نظر کے سامنے ہونے کا احساس، یہ ایسی چیز ہے جو انسان کو گناہ اور بے حیائی سے روکتی ہے، اسی لیے عملی طور پر بھی یہ بات دیکھی جاتی ہے، کہ جو لوگ نماز کے پابند ہوتے ہیں، وہ بہت سی برائیوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

2.3.3 احکام ومسائل

احادیث میں نماز کی کیفیت، نماز کی شرائط اور اس کے افعال بہت وضاحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے کتب حدیث اور کتب فقہ میں ایک بڑا حصہ احکام نماز سے متعلق ہے، بعض مسائل چوں کہ قرآن وحدیث میں اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں، یا ایسے الفاظ میں ذکر کئے گئے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہے، اس لئے کچھ مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے، لیکن زیادہ تر یہ اختلاف زیادہ بہتر اور کم بہتر کا ہے، یہاں ان تفصیلات کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے اس سلسلہ میں کتبِ فقہ سے مراجعت کرنی چاہئے، کچھ ضروری احکام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں :

(الف) شرائط

کچھ اُمور وہ ہیں، جو نماز کے لئے ضروری ہیں، لیکن نماز کے اندر داخل نہیں ہیں، بلکہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہی سے ان کا موجود رہنا ضروری ہے، ایسی باتوں کو شرائط کہتے ہیں، جو ''شرط'' کی جمع ہے، شرائط نماز میں تین باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں :

(الف) نمازی کے جسم، کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا، ---- ظاہری نجاست سے مراد وہ نجاست ہے کہ خود عقل اور انسانی فطرت اسے ناپاک قرار دیتی ہے، پیشاب، پاخانہ، خون، اور شراب وغیرہ ایسی ہی نجاستیں ہیں، یہ بات ضروری ہے کہ نماز پڑھتے وقت جسم پر یا پہنے ہوئے کپڑے پر، یا ان جگہوں پر جہاں اعضاء سجدہ مس کرتے ہوں، ایسی نجاست نہیں ہو۔

(ب) حکمی نجاست سے پاکی حاصل کرنا، --- نجاست کی بعض صورتیں وہ ہیں، جو ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات ہی سے معلوم ہوئی ہیں، جیسے پیشاب کرنے کی وجہ سے اعضاءِ وضو --- ہاتھ، پاؤں، چہرہ اور سر --- کا ایک طرح کی ناپاکی میں آلودہ ہوجانا، ایسی ہی ناپاکی کو ''نجاست حکمی'' یا ''حدث'' کہتے ہیں۔

حدث کی دو قسمیں ہیں :

(1) حدث اکبر۔

(2) حدث اصغر۔

- حدث اکبر: سے مراد وہ صورتیں ہیں، جن میں پورے بدن کا غسل واجب ہوتا ہے، غسل بنیادی طور پر چار اسباب کی وجہ سے واجب ہوتا ہے :

(1) ہم بستری کی ہو۔

(2) مرد یا عورت کو بیداری یا خواب کی حالت میں شہوت کے ساتھ مادۂ منویہ کا انزال ہو۔

(3) عورت حیض (ماہواری) سے پاک ہوئی ہو۔

(4) عورت نفاس یعنی ولادت کے بعد آنے والے خون سے پاک صاف ہوگئی ہو۔

ان چاروں صورتوں میں غسل واجب ہوتا ہے اور جب تک غسل نہ کرلیں، نماز نہیں پڑھ سکتے۔

- حدث اصغر: ان باتوں کو کہتے ہیں، جن سے وضو کرنا واجب ہوتا ہے، بنیادی طور پر وہ تین چیزیں ہیں، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان کے پیش آنے کے بعد جب تک وضو نہ کرلیا جائے نماز ادا نہیں کی جاسکتی، وہ تین چیزیں ہیں: پیشاب، پاخانہ اور ہوا کا خارج ہونا---- ان کے علاوہ بعض اور اُمور کو بھی ''حدث اصغر'' شمار کیا گیا ہے، لیکن ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

- اگر کوئی شخص بیماری یا پانی فراہم نہ ہونے کی وجہ سے غسل یا وضو نہ کرسکے، تو اس کے لئے تیمّم کرنا ضروری ہے۔

- غسل میں سر سے پاؤں تک پورے جسم پر کم سے کم ایک دفعہ پانی بہانا اور پورے جسم سے اس پانی کا گزرنا ضروری ہے، غسل میں کلی بھی کرلینا چاہیے اور ناک میں پانی بھی ڈالنا چاہیے۔

- وضو کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار گٹوں تک دھوئے، پھر تین بار کلی کرے، تین بار ناک میں پانی ڈالے، اس کے بعد تین بار چہرہ یعنی پیشانی سے ٹھوڑی اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک کا حصہ دھوئے، پھر تین بار دایاں ہاتھ اور تین بار بایاں ہاتھ کہنی تک (کہنیوں سمیت) دھوئے، اس کے بعد ہاتھ بھگو کر پورے سر کا مسح کرے اور سر کے مسح میں بہتر ہے کہ انگوٹھا اور چھوٹی انگلی کو بچائے اور اس سے کانوں کا مسح کرلے، اس کے بعد تین بار پاؤں دھوئے۔

- تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ کا مسح کرے، پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کا اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا مکمل مسح کرے، یہ تیمّم غسل کی حاجت کی صورت میں بھی ہے اور وضو کی حاجت کی صورت میں بھی۔

- یہ بات ضروری ہے کہ غسل یا وضو پاک پانی سے اور تیمّم پاک مٹی سے کیا جائے۔

(ب) اوقاتِ نماز

☆ فرض نمازوں کے لئے تیسری اہم شرط ''اوقات'' کی ہے، فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے، ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور

سورج ڈوبنے تک رہتا ہے، سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور شفق ابیض کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، جونہی شفق ڈوبے اور سیاہی پوری طرح چھا جائے عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

☆ فرض نمازوں کا مقررہ اوقاتِ میں ہی پڑھنا ضروری ہے، اگر بلا عذر تاخیر کردے، یہاں تک کہ وقت گزر جائے، تو نماز قضاء ہوجائے گی، اس میں اجر کم ہوتا ہے اور گناہ کا بھی اندیشہ ہے۔

☆ تین اوقات میں فرض ونفل ہر طرح کی نماز پڑھنا مکروہ ہے :

(1) سورج کے نکلنے کے وقت، جب تک کہ پوری طرح نکل نہ جائے۔

(2) سورج کے وسط آسمان میں آجانے کے وقت، جب تک کہ ڈھل نہ جائے۔

(3) سورج کے زرد پڑ جانے کے وقت، جب تک کہ سورج ڈوب نہ جائے، ہاں، اگر عصر کی نماز ادا نہیں کی ہے تو سورج کے زرد پڑنے اور ڈوبنے کے درمیان بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ دو اوقات میں نفل نمازوں کی ممانعت ہے، نماز فجر کے بعد، جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے اور عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد جب تک کہ سورج ڈوب نہ جائے۔

(ج) فرضیت ورکعات

☆ شریعتِ اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ انسان بالکل بندۂ نفس ہی نہ بن جائے، کہ اس پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہ ہو اور ایسے احکام بھی نہ ہوں جو انسان کے لئے ناقابل برداشت مشقت اور بوجھ کا باعث ہوں، چنانچہ عاقل، بالغ مردوں اور عورتوں پر نمازیں فرض کی گئی ہیں، نابالغوں اور بچوں پر نماز فرض نہیں ہے، اسی طرح عورتیں جب حالتِ حیض یا حالتِ نفاس میں ہوں، تو ان پر نماز فرض نہیں ہے، بلکہ ناپاک ہونے کی وجہ سے اس حالت میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، مسلسل بے ہوشی کی حالت میں مبتلا شخص پر بھی نماز فرض نہیں، بیماروں پر نماز فرض ہے، لیکن نماز کے ادا کرنے کے طریقے میں ان کے ساتھ خصوصی رعایت رکھی گئی ہے، وہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہوں تو بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قادر نہ ہوں تو لیٹ کر بھی نماز ادا کرسکتے ہیں، رکوع اور سجدہ نہیں کرسکتے ہوں تو اشارہ کرنا کافی ہے، مسافر پر بھی نماز فرض ہے، لیکن ان کے لئے کچھ خصوصی رعایتیں ہیں، جیسے طویل مسافت کے سفر میں چار رکعت والی نمازیں دو رکعت ادا کی جائیں گی، سواری سے اتر کر نماز پڑھنے میں دقت ہو تو سواری پر بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر کسی وجہ سے قبلہ رُخ ہونے میں دقت ہو، تو جس سمت نماز پڑھنے میں سہولت ہو، اس سمت میں نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ فجر میں دو رکعت فرض اور اس سے پہلے دو رکعت سنت ہے، ظہر میں چار رکعت فرض، اس کے بعد دو رکعت سنت ہے اور فرض سے پہلے بھی اکثر فقہاء کے نزدیک چار رکعت سنت ہے، عصر میں چار رکعت فرض ہے، مغرب میں تین رکعت فرض اور اس کے بعد دو رکعت سنت ہے، عشاء میں چار رکعت فرض اور اس کے بعد دو رکعت سنت ہے، نماز عشاء کے بعد ایک اور اہم نماز '' نمازِ وتر'' ہے جو

تین رکعت ادا کرنی چاہیئے، اس کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دُعاءِ قنوت بھی پڑھی جاتی ہے۔

(د) نفل اور کچھ مخصوص نمازیں

نفل نمازوں میں کوئی تحدید نہیں، لیکن چند مشہور وماثور نمازوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

☆ نمازِ اشراق: یہ طلوع آفتاب کے بعد اور آفتاب ڈھلنے کے درمیان جو وقت آتا ہے، اس کے نصف اول میں کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے، بہتر ہے کہ کم سے کم چار رکعت ادا کرے۔

☆ نصف آخر میں صلوٰۃ الضحیٰ: (نمازِ چاشت) مسنون ہے، جس کا وقت، وقتِ مکروہ شروع ہونے سے پہلے تک ہے، یہ کم سے کم دو رکعت ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ اوابین: نمازِ مغرب کے بعد نمازِ اوابین پڑھی جاسکتی ہے، بہتر ہے کہ چھ رکعتیں پڑھی جائیں۔

☆ نمازِ تہجد: عشاء اور فجر کے درمیان کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک آخر شب میں ادا کرنے کا تھا اور زیادہ تر آپ ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

☆ نمازِ تراویح: یہ خاص رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی نماز ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک بیس رکعت پڑھی جائے گی اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے گا۔

☆ نمازِ استسقاء: اگر قحط سالی ہو اور بارش نہ ہوتی ہو، تو یہ دو رکعت جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

☆ نمازِ کسوف: سورج گہن کے موقع پر دو رکعت نماز طویل قراءت کے ساتھ جماعت سے ادا کی جائے گی۔

☆ نمازِ حاجت: انسان کو کوئی بھی ضرورت درپیش ہو، اس کے لئے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے حاجت براری کی دُعاء کرنی چاہیئے، حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے---- اسی لئے زلزلہ، طوفان، غیر معمولی حالات اور استخارہ وغیرہ کے لئے بھی دو رکعت نماز پڑھنا یا کسی خوشی کے موقع پر بطور شکرانہ کے دوگانہ ادا کرنا مستحب ہے۔

☆ مخصوص نمازوں میں عیدین کی نماز بھی ہے، جو پہلی شوال اور دس ذوالحجہ کو مخصوص طریقہ پر ادا کی جاتی ہے اور اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

☆ نمازِ جمعہ: جمعہ کے دن مقیم شخص کے لئے ظہر کے بجائے نمازِ جمعہ ادا کرنا ضروری ہے، جس سے پہلے خطبہ دینا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شرط ہے، جمعہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی سنتیں ہیں۔

نماز دراصل خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست ربط وتعلق کا نہایت ہی اثر انگیز اور افضل طریقہ ہے، اس لئے جتنی نفل نمازیں پڑھی جائیں کم ہیں اور ہر اہم موقع کے لئے شریعت میں نماز رکھی گئی ہے۔

(ہ) نماز ادا کرنے کا طریقہ

☆ قبلہ رُخ کھڑا ہو، نماز کی نیت کرے، دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے اور ''اللّٰہ اکبر'' کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لے۔

☆ پھر پہلے ثنا، اس کے بعد تعوذ، پھر ''بسم اللّٰہ'' پڑھے۔

☆ اس کے بعد سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے اور سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہے، نیز پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورہ یا قرآن کی کچھ آیات (کم سے کم تین چھوٹی آیتیں ہوں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت) کی تلاوت کرے۔

☆ پھر ''اللّٰہ اکبر'' کہتے ہوئے رکوع میں جائے، رکوع میں کم سے کم تین بار ''سبحان ربی العظیم'' پڑھے، رکوع سے اٹھتے ہوئے امام ہو تو ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہے، مقتدی ہو تو ''ربنا لك الحمد'' کہے اور تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو پہلے ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' پھر ''ربنا لك الحمد'' کہے۔

☆ اس کے بعد سجدہ میں چلا جائے، سجدہ کی حالت میں ضروری ہے کہ دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، پیشانی اور ناک زمین پر ہو، سجدے کی حالت میں کم سے کم تین بار ''سبحان ربی الأعلی'' پڑھنا چاہیے، ایک رکعت میں دو سجدے ہیں، پہلے سجدہ سے ''اللّٰہ اکبر'' کہتے ہوئے بیٹھے، پھر دوبارہ ''اللّٰہ اکبر'' کہتے ہوئے سجدہ میں جائے اور دوسرے سجدہ سے ''اللّٰہ اکبر'' کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو۔

☆ نماز کی دوسری اور چوتھی رکعت میں قعدہ کیا جاتا ہے، اگر چار رکعت والی نماز ہو تو دوسری رکعت والا قعدہ ''قعدۂ اولیٰ'' ہوگا، قعدہ کی حالت میں دوزانو بیٹھنا، اور تشہد پڑھنا ہے اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود اور مخصوص دُعاء بھی پڑھنی ہے، اگر دو ہی رکعت والی نماز ہے، تو دوسری رکعت والا قعدہ ہی قعدۂ اخیرہ سمجھا جائے گا اور اس میں تشہد، درود اور دُعاء پڑھیں گے۔

☆ نماز کے تمام افعال سے فارغ ہونے کے بعد دائیں اور بائیں گردن پھیرتے ہوئے ''السلام علیکم و رحمة اللّٰہ'' کہا جائے گا، ---- اس طرح ''اللّٰہ اکبر'' سے نماز کی ابتداء ہوئی تھی اور سلام پر اس کی تکمیل ہوگئی۔

نماز چوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے، اس لئے نماز کی حالت میں گفتگو کرنے، چلنے اور غیر متعلق کام کرنے، قبلہ سے رُخ پھیرنے وغیرہ کی ممانعت ہے، ایسے افعال سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں مکروہ، کتبِ فقہ میں ان کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

(و) نماز : ایک اثر انگیز عبادت

نماز کی حرکات و سکنات اور اس کے اوراد و وظائف پر غور کیا جائے، تو یہ خدا کی بندگی اور خدا کے سامنے انسان کے عجز و فروتنی کا اعلیٰ ترین مظہر ہے، جس میں انسان خدا کے سوا ہر چیز بشمول اس کی ذات، اس کی وجاہت اس کی دولت و ثروت سب کی بڑائی کی نفی کرتا ہے، پھر پوری نماز میں بار بار اپنے مالک کی حمد و ستائش کے گُن گاتا ہے، تمام کوتاہیوں اور خامیوں سے اس کے پاک اور بالاتر ہونے کا بار بار اعتراف کرتا ہے، خدا کے حضور

عرض کرتا ہے کہ اس کی تمام جانی و مالی عبادتیں اسی کے لئے ہیں، اس کے محبوب بندوں پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتا ہے، ایک غلامِ بے نوا کی طرح کبھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے، کبھی کمر تک جھکا ہوا ہے اور کبھی اپنی پیشانی اور ناک تک زمین پر بچھائے ہوا ہے، پھر نماز ختم کرتے ہوئے اپنی کوتاہی و تقصیر کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ :

> الٰہی! میں نے تو اپنی ذات پر بڑی زیادتی کی ہے، آپ کے سوا کوئی نہیں جو میرے گناہوں کو معاف کرے، پس آپ مجھے اچھی طرح اپنی طرف سے معاف کر دیجیے اور مجھ پر رحم فرمایئے، بے شک آپ ہی کوتاہیوں کو معاف کرنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں!

اس کے بعد نمازی اپنے دائیں بائیں دوسرے نمازیوں کو سلام کرتا ہے، گویا وہ اب تک اس دنیا میں نہیں تھا، نماز کے ان لحات میں وہ خدا کی چوکھٹ پر ڈیرہ ڈالے ہوا تھا اور اب وہ پھر خلق اللہ کی طرف واپس آ گیا ہے۔

نماز کی اس پوری کیفیت کو دیکھیے، کہ اس میں کس طرح اپنی ذات کی نفی ہے، خدا کی کبریائی کا اقرار ہے، اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے کا اعلان و اظہار ہے، اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں کا اقرار ہے اور ہر فعل اور ہر قول خدا کے سامنے انسان کی بندگی اور غلامی کا مظہر ہے، واقعہ ہے کہ اس کیفیت کا تربیت نفس اور تزکیہ میں نہایت ہی مؤثر رول ہے اور مذاہب عالم میں ایسی پُر کیف عبادت کی غالباً کوئی مثال نہیں۔

2.4 روزہ

''روزہ'' کو عربی میں ''صـــوم'' کہتے ہیں، جس کے لفظی معنی رکے رہنے کے ہیں، روزہ میں چوں کہ انسان بعض باتوں سے دن بھر کا رہتا ہے؛ اس لئے اس کو ''صـــوم'' کہا جاتا ہے، اصطلاح میں روزہ عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے رکے رہنے کو کہتے ہیں۔

روزہ کی فضیلت اس بات سے ظاہر ہے، کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق یہ گزشتہ تمام اُمتوں پر بھی فرض رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا ہوں، مختلف گناہوں کے لئے روزہ کو کفارہ بنایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے اثر کے ختم ہونے کے لئے روزہ نہایت مؤثر عمل ہے، اسی طرح فرض روزوں کے لئے رمضان المبارک کا جو مہینہ منتخب کیا گیا، اس کے بھی بے شمار فضائل حدیثوں میں موجود ہیں اور اسی ماہ کی ایک شب کو شبِ قدر ہونے کا اعزاز حاصل ہے، جو اپنی فضیلت وعظمت اور اس میں ہونے والے اعمال کے اجر وثواب کے اعتبار سے ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر ہے۔

2.4.1 تربیتی پہلو

روزہ کا مقصد انسان کے اندر ضبط نفس کی قوت پیدا کرنا ہے، جس کو قرآن مجید کی اصطلاح میں ''تقویٰ'' کہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ''۔

(البقرہ:۲۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے گئے تھے، کہ شاید تم تقویٰ اختیار کرو۔

روزہ سے ضبطِ نفس پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ بنیادی طور پر گناہ کے پیدا ہونے کے تین اسباب ہیں، زبان، پیٹ، اور نفسانی خواہشات، روزہ کے ذریعہ زبان پر روک لگائی جاتی ہے کہ روزہ دار کوئی خلاف شرع بات نہ کہے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، کسی پر تہمت نہ لگائے وغیرہ، اگر روزہ کی حالت میں کوئی ایسا گناہ کیا جائے جس کا تعلق زبان سے ہے تو گو قانونی اعتبار سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے؛ لیکن روزہ دار اس کے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے، حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔

بہت سے گناہ کا سبب انسان کا پیٹ بنتا ہے، سود، جوا، شراب، جھوٹ اور دھوکہ کے ذریعہ پیسہ کا حصول، یہ سب بنیادی طور پر پیٹ ہی کی تسکین کے لئے ہے، روزہ کی حالت میں صبح سے شام تک انسان جائز اور حلال چیز کے کھانے پینے سے بھی گریز کرتا ہے، اس سے پیٹ کی بے جا خواہشات پر کنٹرول کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

مختلف گناہ وہ ہیں جو نفسانی خواہشات سے متعلق ہیں، جیسے: زنا، خلافِ فطرت فعل اور بدنگاہی وغیرہ، روزہ کی حالت میں نفسانی خواہشات کی تکمیل کے جائز طریقہ پر بھی کچھ گھنٹوں کے لئے روک لگادی جاتی ہے؛ کہ جو شخص جائز طریقوں میں بھی اپنے نفس پر کنٹرول کررہا ہے، وہ ناجائز اور حرام سے اپنے آپ کو بدرجۂ اولیٰ بچاسکے گا، اس طرح روزہ کے ذریعہ گناہ پر کنٹرول اور ضبطِ نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

اسی لئے سال میں ایک بار مکمل ایک ماہ کا روزہ فرض کیا گیا، کیوں کہ دن دو دن کی فاقہ مستی سے انسان پر زیادہ اثر نہیں ہوسکتا، اور اگر سال بھر روزہ رکھا جاتا تو یہ بھی تربیت کے لئے مفید نہیں تھا، اس لئے کہ انسان جب کسی چیز کا عادی ہوجاتا ہے تو اس سے اس کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور اس کی اثر انگیزی جاتی رہتی ہے، اسی لئے سال میں صرف ایک ماہ روزہ فرض کیا گیا۔

پھر اس روحانی نفع کے ساتھ ساتھ روزہ میں جسمانی نفع کا بھی پہلو ہے، ایک ماہ کے اس روزہ سے جسمانی فضلہ میں تخفیف ہوتی ہے، اور روزہ دار حضرات عملی طور پر اس کا تجربہ کرتے ہیں کہ اگر روزہ میں اعتدال کے ساتھ افطار وسحر کیا جائے تو بہت سی بیماریوں میں فائدہ ہوتا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ روزہ رکھو اور صحت حاصل کرو" صوموا تصحوا "----اس کے علاوہ روزہ کی بھوک و پیاس سے انسان کے اندر اپنے ان غریب بھائیوں کی اعانت کا جذبہ اُبھرتا ہے، جن کے لئے مجبوری فاقہ کشی کا سبب بنتی رہتی ہے، اسی لئے رمضان المبارک میں خاص طور پر انفاق کی ترغیب دی گئی ہے اور اس ماہِ مبارک کی تکمیل پر صدقۃ الفطر کا حکم دیا گیا ہے۔

2.4.2 احکام ومسائل

ہجرت کے دوسرے سال مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا، روزہ کے لئے اس ماہِ مبارک کے انتخاب کی حکمت یہ ہے کہ اسی ماہ میں آپ ﷺ پر نزولِ قرآن کا آغاز ہوا، اس طرح گویا یہ نزولِ قرآن کا سالانہ جشن ہے، جسے خدا کی بندگی کے ذریعہ اہل ایمان مناتے ہیں۔

روزے بنیادی طور پر تین طرح کے ہیں: فرض، واجب اور نفل۔

☆ ماہِ رمضان المبارک کا روزہ عاقل، بالغ مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے، نابالغوں پر فرض نہیں؛ لیکن جب نابالغ لڑکے اور لڑکیوں میں روزہ رکھنے کی قوت پیدا ہوجائے، تو بہ طور تربیت کے ان سے روزہ رکھوانا چاہئے۔

☆ شرعی مسافت کا سفر کرنے والا مسافر اور ایسا مریض جس کے لئے روزہ رکھنا نقصان دہ ہو، کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اس وقت روزہ نہیں رکھے اور بعد میں ان روزوں کی قضا کرلے، اگر کوئی شخص روزہ فرض ہونے اور روزہ رکھنے پر قادر ہونے کے باوجود روزہ نہیں رکھے، تو گنہگار ہوگا اور اس پر ان روزوں کی قضاء واجب ہوگی، اور اگر کوئی رمضان المبارک کا فرض روزہ شروع کرنے کے بعد پھر بلا عذر توڑ دے، تو کفارہ واجب ہوگا، روزہ کا کفارہ ایک روزہ کے بدلے مسلسل ساٹھ روزے رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا شکم سیر کرکے کھانا کھلانا ہے، پس جس طرح رمضان کا روزہ فرض ہے، اسی طرح اس روزے کی قضاء یا کفارہ کے طور پر جو روزے رکھے جائیں وہ بھی فرض ہیں، البتہ ان روزوں کے لئے کوئی خاص وقت متعین نہیں۔

☆ جو شخص بہت زیادہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکے، یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ بظاہر اس سے شفایاب ہونے کی اُمید نہ ہو اور اس وجہ سے روزہ نہ رکھ پائے، اسے ہر روزہ کے بدلے فدیہ ادا کرنا ہوگا، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت اس طرح کھانا کھلانا ہے کہ وہ آسودہ ہوجائے۔

☆ رمضان المبارک کے علاوہ مختلف گناہوں کے کفارہ کے طور پر جو روزے کا حکم دیا گیا ہے، یہ روزے بھی فرض ہیں، اور وہ یہ ہیں :

قسم کا کفارہ : اس میں تین روزے رکھنے ہیں، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کے کپڑے بنوانا۔

ظہار : اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں یا محرم رشتہ دار سے تشبیہ دے، مثلاً یوں کہے ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے'' تو اس کا کفارہ مسلسل ساٹھ روزے رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔

قتل : اگر کسی مسلمان کو ''خطأ''، قتل کردے تو اس پر کفارہ ہے۔

☆ واجب روزہ سے مراد نذر کا روزہ ہے، یعنی اگر کسی شخص نے مطلق روزہ رکھنے کی نیت مانی ہو یا کسی خاص شرط کے ساتھ روزے کی منت مانی ہو اور وہ شرط پوری ہوگئی ہو، تو ان دونوں صورتوں میں نذر پوری کرنی واجب ہے۔

☆ نفل روزے دو طرح کے ہیں : ایک تو مقررہ ایام کے، دوسرے بلا تعیین اپنی رغبت کے مطابق، ----مخصوص ایام جن میں روزہ رکھنے کی فضیلت منقول ہے، وہ اس طرح ہیں :

یوم عاشوراء: یعنی دس محرم اور اس کے ساتھ ساتھ 9 / یا 11 / تاریخ کا روزہ۔

پندرہ شعبان، یوم عرفہ یعنی 9 / ذی الحجہ، ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات۔

شوال کے مہینہ میں یکم شوال کو چھوڑ کر 6 / دنوں کا روزہ، خواہ مسلسل رکھا جائے یا فصل کے ساتھ۔

ہر مہینہ میں چاند کی 14، 15 ، 16 / تاریخوں کا روزہ۔

☆ پانچ دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے: عید الفطر کے دن، یعنی یکم شوال کو، 10 / ذی الحجہ یعنی بقرعید کے دن، 11، 12، 13 / ذی الحجہ یعنی بقیہ ایام تشریق میں۔

☆ حالتِ حیض اور حالتِ نفاس میں روزہ رکھنا جائز نہیں اور اگر رکھ لیں تو روزہ نہیں ہوگا، اس لئے رمضان المبارک میں اگر حیض و نفاس کی نوبت آجائے، تو خواتین اتنے دنوں کے روزے بعد میں رکھیں گی۔

☆ روزہ کی حالت میں کھانے پینے کی کوئی بھی چیز حلق سے نیچے چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح اگر بیوی سے صحبت کرلے، تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، جو چیزیں روزہ میں ممنوع ہیں، اگر بھول کر کرلی جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

☆ روزہ کی حالت میں عام اوقات سے بڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت، ذکر، دُعاء، استغفار، نگاہ اور زبان کی حفاظت مطلوب ہے۔

☆ روزہ کا طریقہ یہ ہے کہ رات کے آخری پہر میں اٹھے اور کچھ مختصر سی چیز کھائے، جس کو سحری کہتے ہیں، سحری کھانا مسنون ہے، پھر فجر کا وقت شروع ہونے کے ساتھ ہی ان تمام باتوں سے رُک جائے، جن کی روزہ میں ممانعت ہے، جیسے ہی آفتاب غروب ہو اور مغرب کا وقت شروع ہو، فوراً کچھ کھا کر روزہ ختم کرے، اس کو افطار کہتے ہیں، اگر کھجور میسر ہو تو اس سے افطار کرنا بہتر ہے، افطار کے وقت کی جانے والی دُعاء مقبول ہوتی ہے، اس لئے افطار سے پہلے حسب ضرورت دُعاء کرنی چاہئے، پھر افطار کرتے ہوئے یہ دُعاء پڑھے :

''اللهم لک صمت وعليک توکلت و علی رزقک أفطرت''۔

بارِ الٰہا! میں نے آپ ہی کے لئے روزہ رکھا ہے، آپ ہی پر میرا بھروسہ ہے اور آپ ہی کے رزق سے افطار کر رہا ہوں۔

پھر افطار سے فارغ ہونے کے بعد اس طرح دُعاء کی جائے :

''ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر انشاء الله''۔

پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر انشاء اللہ محفوظ ہوگیا۔

☆ تمام ہی عبادتوں میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ روزہ کے درست ہونے کے لئے بھی نیت شرط ہے، قضاء اور کفارات کے روزوں میں ضروری ہے کہ رات ہی میں نیت کرلی جائے، رمضان المبارک کے روزوں، نیز نفل روزوں میں بھی افضل طریقہ یہی ہے، لیکن اگر رات میں نیت نہیں کرسکا، تو دن میں بھی آفتاب کے ڈھلنے سے پہلے تک نیت کرنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد کی نیت معتبر نہیں۔

2.5 اکتسابی نتائج

- نماز دوسرا سب سے اہم رکن ہے، اور اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔

- نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ کرنا اور اپنے اندر بے حیائی اور برائی سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔
- نماز کے درست ہونے کے لئے جسم، کپڑا اور نماز کی جگہ کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا، نیز باوضو ہونا اور اگر وضو کرنے کی طاقت نہ ہو، تو تیمّم کرنا ضروری ہے۔
- فرض نمازوں کے مقررہ اوقات ہیں، ان ہی اوقات میں نماز کا ادا کرنا ضروری ہے، نیز کچھ ایسے اوقات بھی ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔
- نماز عاقل، بالغ، مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہوتی ہے، بیماروں اور مسافروں کے لئے کیفیتِ نماز میں خصوصی رعایتیں ہیں۔
- فرض نمازوں اور بعض نفل نمازوں کی بھی رکعات و اوقات متعین ہیں، عام نفلوں کے لئے رکعات و اوقات کی تحدید نہیں۔
- نماز کی پوری کیفیت اور تمام افعال و اوراد متعین ہیں، جو حدیث سے ثابت ہیں اور فقہاء نے انھیں تفصیل کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔
- روزہ کے معنی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مرد و عورت کے خصوصی تعلق سے رکے رہنے کے ہیں۔
- روزہ کا بنیادی مقصد نفس کا تزکیہ ہے۔
- رمضان المبارک کے روزے عاقل و بالغ مرد و عورت مسلمانوں پر فرض ہیں، بیمار اور مسافر کے لئے خصوصی رعایتیں ہیں اور حالتِ حیض و نفاس میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔
- کفارات کے روزے فرض اور نذر کے روزے واجب ہیں، نیز بعض روزے نفل کے درجے میں ہیں۔
- روزہ کے لئے نیت ضروری اور سحر و افطار مسنون ہے۔

2.6 نمونۂ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ صلوٰۃ اور روزہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجیے؟
2۔ تکبیر تحریمہ سے سلام تک نمازوں کی کیفیت پر اجمالی روشنی ڈالیے۔
3۔ نفل نماز کی وضاحت کرتے ہوئے بعض مشہور اور ماثور نفل نمازوں کا تعارف کرائیے۔
4۔ روزہ کے تربیتی پہلو کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ نماز کے درست ہونے کے کیا کیا شرطیں ہیں؟

2۔ نماز کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے تربیتی پہلو کو واضح کیجیے۔

3۔ درج ذیل الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے اوقات مکروہ کی وضاحت کیجیے۔
ظاہری نجاست، حکمی نجاست، حدث اکبر، حدث اصغر، غسل، وضو، تیمّم۔

4۔ روزہ کے اہم احکام ومسائل پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

2.7 تجویز کردہ کتابیں

1۔	سیرۃ النبی (سوم) (اُردو)	:	علامہ سید سلیمان ندوی
2۔	ارکان اربعہ (اُردو)	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
3۔	علم الفقہ (اُردو)	:	مولانا عبدالشکور فاروقی
4۔	اسلامی فقہ (اُردو)	:	مولانا مجیب اللہ ندوی
5۔	فقہ اسلامی (اُردو)	:	مولانا منہاج الدین مینائی
6۔	بہار شریعت (اُردو)	:	مولانا امجد علی
7۔	قاموس الفقہ (اُردو)	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۔:oOo:۔

اکائی 3 : اسلام کے بنیادی ارکان : زکوٰۃ اور حج

اکائی کی ساخت

3.1 تمہید
3.2 مقصد
3.3 زکوٰۃ
3.3.1 فضیلت واہمیت
3.3.2 فرضیت زکوٰۃ کی حکمتیں
3.3.3 بنیادی احکام
3.3.4 ادا کرنے کا طریقہ
3.3.5 زکوٰۃ کے مصارف
3.4 حج
3.4.1 کعبہ مکرمہ
3.4.2 فضیلت اور تربیتی پہلو
3.4.3 بنیادی احکام
3.4.4 حج کے افعال
3.4.5 حج کا طریقہ
3.4.6 حج کے آداب
3.5 اکتسابی نتائج
3.6 نمونہ امتحانی سوالات
3.7 تجویز کردہ کتابیں

3.1 تمہید

جیسا کہ اوپر کی اکائی میں بتایا گیا کہ ''رکن'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے مختلف معانی آتے ہیں، ان ہی میں ستون اور بنیاد بھی ہے، اسی مناسبت سے کسی چیز سے متعلق اہم ترین افعال کو رکن کہا جاتا ہے، جس کی جمع ارکان ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام کے ارکان پانچ ہیں: کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان ارکان میں سے کلمۂ شہادت، نماز اور روزہ سے متعلق ضروری باتیں پہلے آچکی ہیں۔ یہاں اِس اکائی میں اسلام کے تیسرے بنیادی رکن زکاۃ کا تعارف کرایا جائے گا جس میں اس کی اہمیت وفضیلت، اس کی حکمتیں، وہ چیزیں جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، زکاۃ کی ادائیگی کے طریقے اور اس کے مصارف پر روشنی ڈالی جائیگی۔ آخر میں اسلام کے آخری رکن یعنی حج بیت اللہ کے سلسلہ میں اس کے فضائل وفوائد، اس کے بنیادی احکام، حج کے افعال، حج کرنے کے طریقے اور اس کے آداب پر گفتگو کی جائے گی۔

3.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اسلام کے بنیادی ارکان (زکاۃ اور حج) کو اچھی طرح جان لیں گے، اور انھیں واقفیت ہوجائے گی کہ روزہ کے کیا احکام ہیں اور روزہ کس طرح انسان کی تربیت کا کردار ادا کرتا ہے، ساتھ ہی زکاۃ کی اہمیت، اس کی حکمتوں، اس کے ادا کرنے کے طریقے اور اس کے مصارف سے آگاہی حاصل ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ حج کسے کہتے ہیں؟ حج کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے بنیادی احکام کیا ہیں اور حج کرنے سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

3.3 زکوٰۃ (زکاۃ)

اسلام کا دوسرا اہم رکن ''زکوٰۃ'' ہے، ''زکوٰۃ'' کے معنی پاک، صاف کرنے کے ہیں، ''زکوٰۃ'' میں تطہیر اور پاکی کا دوہرا مفہوم پایا جاتا ہے، ایک تو اس سے نفس کی تطہیر متعلق ہے، انسان کے اندر مال ومتاع کی محبت کچھ اس طرح رکھ دی گئی ہے، کہ آخری دم تک وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا، ''زکوٰۃ'' کے ذریعہ مال کی اس محبت کو کم کیا جاتا ہے اور اس طرح یہ تزکیۂ نفس کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''**خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها**''۔ (توبہ:۱۰۳)

مسلمانوں کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے، تاکہ اس کے ذریعہ آپ ان کا تزکیہ اور تطہیر کریں۔

دوسرے ''زکوٰۃ'' مال کو بھی پاک وصاف کرتا ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ ادا کر کے انسان غریبوں کا حق ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حقوق کی ادائیگی سے فارغ ہوتا ہے، اس طرح اس کا مال حق تلفی کے گناہ سے پاک ہوجاتا ہے، اسی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کو مال کا میل (أوساخ) قرار دیا ہے، اس میں ایک لطیف اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہے، کہ انسان کو خوش دلی اور رضاء قلبی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، کیوں کہ میل کچیل کے صاف ہونے سے انسان کو رنج نہیں ہوتا، بلکہ وہ خوشی اور انبساط محسوس کرتا ہے، تو اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی اسے خوش ہونا چاہیے۔

3.3.1 فضیلت واہمیت

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ قرآن مجید میں کم سے کم بیس مقامات پر اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ہی ایتاء زکوٰۃ کا حکم آیا ہے، حضور ﷺ جن باتوں پر بیعت لیتے تھے، ان میں بھی نماز کے بعد سب سے پہلے زکوٰۃ کا حکم ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں سے جہاد فرمایا، جنھوں نے زکوٰۃ دینے یا بیت المال میں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا، قرآن وحدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی وعیدیں آئی ہیں، جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، نیز زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں ہے جن میں غفلت کی وجہ سے اُمت پر اجتماعی عذاب آسکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی گروہ زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر قحط مسلط فرمادیں گے۔

3.3.2 فرضیت زکوٰۃ کی حکمتیں

زکوٰۃ فرض قرار دیئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ :

1- اس سے سماج کے غریب لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، مسلمانوں کے اگر تین گروہ کئے جائیں، ایک وہ جن پر زکوٰۃ فرض ہے، ایک وہ جو زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں اور ایک وہ جن پر نہ زکوٰۃ فرض ہے اور نہ وہ زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں، اور ایک زکوٰۃ لینے والے کی بنیادی ضروریات اور زکوٰۃ دینے والوں پر فرض ہونے والی زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، تو اندازہ ہوگا کہ اگر تمام لوگ صحیح طور پر زکوٰۃ ادا کریں، تو اس اُمت میں کسی شخص کو فاقہ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، یہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ہے اور جن لوگوں نے اس تفصیل کے ساتھ حسابی تجزیہ کیا ہے، ان کو اس کا اعتراف ہے۔

2- اسلام کا مزاج یہ ہے کہ ایک ہی آدمی کے پاس دولت کا ارتکاز نہ ہو، بلکہ دولت مسلسل تقسیم ہوتی چلی جائے، زکوٰۃ تقسیم دولت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، ہر سال بطور زکوٰۃ نکالی جانے والی رقم مجموعی سرمایہ کے اعتبار سے بہت ہی حقیر رقم معلوم ہوتی ہے، لیکن ایک شخص اپنی پوری زندگی میں زکوٰۃ کی جو مقدار نکالتا ہے، اگر اس کو جوڑا جائے، تو دولت کا ایک اچھا خاصا حصہ وہ مستحقین تک پہنچاتا ہے، یعنی چالیس سال کی مدت میں وہ کم سے کم ایک سال کی مکمل پونجی غریبوں میں تقسیم کردیتا ہے۔

3- اس سے دولت مندوں کے اندر ایثار اور تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کسبِ مال ایسی چیز ہے، جو انسان کی حرص کو بڑھاتی چلی جاتی ہے اور وہ ہر منزل پر اگلی منزل کا طالب ہوتا ہے، زکوٰۃ وصدقات سے انسان کے اندر بے غرض مدد اور عنداللہ اجر کی اُمید پر انفاق کا مزاج پروان چڑھتا ہے۔

4- جس معاشرہ میں ایک گروہ دولت مند ہو اور دوسرا ضرورت مند، تو وہاں باہمی کشاکش اور عناد ورقابت کا جذبہ پنپنے لگتا ہے اور یہ جذبہ بعض اوقات غیر قانونی صورت اختیار کرلیتا ہے، اشتراکیت کا پورا نظام اسی تصور پر مبنی ہے اور آج بھی دنیا میں بہت سی منفی تحریکات غیر معمولی معاشی ناہمواری اور ایک گروہ کے احساس محرومی ہی پر مبنی ہیں، زکوٰۃ میں جب ایک صاحب ثروت کسی غریب آدمی کو بے لوث طریقہ پر اپنا تعاون پیش کرتا ہے، تو اس سے عناد ورقابت کے جذبات سرد پڑتے ہیں۔

اس لئے زکوٰۃ سماج کے تمام طبقات کے لئے رحمت ہے، آخرت میں تو اس کا اجر وثواب ہے ہی، دنیا کے لئے بھی اس میں بڑی مصلحت ہے۔

3.3.3 بنیادی احکام

قرآن مجید کی مکی آیات میں زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے،''واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ''- (المزمل :۲۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مکی ہی زندگی میں فرض ہو چکی تھی، مدنی زندگی میں احکام زکوٰۃ کی تفصیلات واضح کی گئیں۔

☆ زکوٰۃ ہر اس شخص پر فرض ہے، جو عاقل و بالغ مسلمان ہو، مرد ہو یا عورت، اموالِ زکوٰۃ میں سے بہ قدرِ نصاب یا اس سے زیادہ کا مالک ہو اور اپنے مال پر اسے ملکیت تامہ حاصل ہو''ملکیت تامہ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کا مالک بھی ہو اور اس پر قابض بھی، خواہ اسے اس نے اپنی تحویل میں رکھا ہو، یا اس کے حکم سے کسی اور کی تحویل میں ہو، اگر دوسرے کے ذمہ قرض ہو اور اس کی وصولی کی اُمید باقی نہیں رہی ہو، تو اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

☆ ''زکوٰۃ'' واجب ہونے کے لئے مال کی جو کم سے کم مقدار متعین ہے، اس کا حساب بنیادی ضروریات کے بعد ہوتا ہے، بنیادی ضروریات میں رہائشی مکان، استعمال کے کپڑے، استعمال کی سواریاں، گھریلو ساز وسامان، آرائش وزیبائش کی چیزیں، ظروف اور فرنیچر وغیرہ ہیں، اہل علم کے لئے کتابیں اور ہنرمندوں کے لئے آلات اور مشینیں بنیادی ضروریات میں داخل ہیں، بنیادی ضروریات کو فقہ کی اصطلاح میں ''حاجاتِ اصلیہ'' کہا جاتا ہے۔

☆ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ایک بنیادی شرط حولانِ حول، یعنی ایک سال کا گذرنا بھی ہے، زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار میں تو سال کا گزرنا ضروری نہیں، لیکن دوسرے اموالِ زکوٰۃ میں ضروری ہے کہ پہلی بار مالکِ نصاب ہونے کے بعد اس مال پر سال گزر جائے، کیوں کہ عام طور پر سال بھر میں تجارت کا نفع ونقصان سامنے آتا ہے اور مویشیوں کی افزائش ہوتی ہے۔

☆ جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان کو فقہ کی اصطلاح میں ''اموالِ زکوٰۃ'' اور کم سے کم جس مقدار میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے، اس کو ''نصابِ زکوٰۃ'' کہتے ہیں، ذیل میں اموالِ زکوٰۃ اور نصابِ زکوٰۃ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

- معدنی اشیاء: ''معدن'' زمین میں موجود کان کو کہتے ہیں، اگر کسی کی مملوکہ زمین میں کوئی کان نکل آئے، جیسے: سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، فرش میں استعمال ہونے والے پتھر وغیرہ، تو ان میں بیس فی صد بطور زکوٰۃ کے ادا کرنا ہوگا، اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ سال گزرنے کی قید ہے، جتنی بھی مقدار حاصل ہو، اس میں ایک دفعہ پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ کے ادا کرنا واجب ہے، پٹرول اور گیس بھی معادن میں شامل ہیں اور جو حکم معادن کا ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک وہی حکم دفینوں کا بھی ہے۔

- سونا، چاندی: سونا، چاندی کو شریعت اسلامی میں کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے، ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ سال

گزرجائے، سونے کا نصاب بیس دینار ہے جو موجودہ اوزان میں 87 گرام کے برابر ہے اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، جو موجودہ اوزان میں 612.35 گرام ہے، روپئے بھی سونا چاندی کے حکم میں ہیں، اس بارے میں اختلاف ہے کہ موجودہ زمانہ میں روپئے، پیسے اور کرنسیوں کے لئے سونے کو معیار بنایا جائے یا چاندی کو، بعض اہل تحقیق علماء کی رائے ہے کہ سونے کو معیار بنایا جائے؛ کیوں کہ موجودہ دور میں چاندی سے کرنسی کا کوئی ربط نہیں رہا ہے، لیکن اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ چاندی کو معیار بنایا جائے؛ کیوں کہ چاندی کو معیار بنانے میں زیادہ لوگوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اور اس طرح غرباء کا فائدہ ہوگا۔

- مالِ تجارت: تجارت کے ذریعہ چوں کہ مال میں افزائش ہوتی ہے، اس لئے تجارت خواہ کسی چیز کی ہو، مٹی اور ریت ہی کی کیوں نہ ہو، اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، مالِ تجارت سے مراد وہ مال ہے جسے فروخت کرنے ہی کی نیت سے خرید کیا گیا ہو، جو چیز کرایہ پر لگانے کے لئے ہو، جیسے مکان، سواری، بعض مشینیں یا جن آلات کے ذریعہ کسبِ معاش کیا جاتا ہے، جیسے پریس، سلائی مشین وغیرہ، یہ مالِ تجارت نہیں ہیں اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، مالِ تجارت میں بھی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے سونا اور چاندی معیار ہے۔

سونا، چاندی، روپئے، پیسے اور مالِ تجارت میں ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

- زرعی پیداوار: زمین سے پیدا ہونے والی اجناس، جیسے: چاول، گیہوں وغیرہ میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، پھلوں اور ترکاریوں میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے یہاں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں درخت اور زمین کی ایسی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں، جو دیر تک باقی نہیں رہ سکتی---- زرعی پیداوار میں اگر فصل کا زیادہ حصہ قدرتی پانی سے سیراب ہوا ہو تو دس فیصد زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر فصل کے زیادہ حصہ میں کھیت کو سیراب کرنے کے لئے پیسے خرچ کرنے پڑے ہیں تو پانچ فیصد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اکثر فقہاء کے نزدیک زرعی پیداوار میں زکوٰۃ کا نصاب 653 کلوگرام ہے، اس سے کم پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پیداوار کی مقدار کم ہو یا زیادہ، ہر ایک میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

- مویشی: مویشیوں میں اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسے، بکرے اور بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، مینڈھے اور دنبے بھی بکروں کے حکم میں ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ ہے، دوسرے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے۔

مختلف جانوروں میں نصابِ زکوٰۃ اور زکوٰۃ کی مقدار الگ الگ ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، جانوروں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے، جب اس کا مقصد دودھ کا حصول اور افزائش نسل ہو اور سال کے بیشتر حصہ میں عام چراگاہ سے جانور کے چارہ کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو، مالک کو اس کا نظم کرنا نہ پڑتا ہو، جو جانور بار برداری کے لئے یا بطور غذا استعمال کرنے کے لئے پالے گئے ہوں، ان میں زکوٰۃ

واجب نہیں ہے۔

3.3.4 ادا کرنے کا طریقہ

- زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سونا، چاندی، مالِ تجارت کی قیمت لگائی جائے، اسی طرح جو رقم بینک میں محفوظ ہو، یا جسے تجارت میں مشغول کیا گیا ہو، یا شیئر اور بانڈز خریدے گئے ہوں، یا ایسے قرض، جن کی وصولی کی توقع ہو، ان سب کو شامل کرتے ہوئے مجموعی رقم جوڑی جائے، پھر جو قرض باقی ہوا سے اس میں سے منہا کر دیا جائے، اب جو رقم بچ رہے، اس میں ڈھائی فیصد، یعنی ایک ہزار پر پچیس روپئے کے لحاظ سے زکوٰۃ کی رقم ادا کی جائے، قیمت لگانے میں اس وقت کی قیمت معتبر ہوگی، جب زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔
- زکوٰۃ چوں کہ عبادت ہے، اس لئے اس میں نیت بھی ضروری ہے، یا تو جس وقت مستحق کو زکوٰۃ حوالہ کر رہا ہے، اس وقت زکوٰۃ کی نیت کر لے، یا زکوٰۃ کا مال الگ کرتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کر چکا ہو، لیکن نیت بہر حال ضروری ہے، اگر دیتے وقت قرض کی نیت تھی اور بعد میں زکوٰۃ کی نیت کر لی جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔

3.3.5 زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ کا ہر کارِ خیر میں خرچ کرنا کافی نہیں، بلکہ قرآن مجید نے اس کے آٹھ مصرف متعین کر دیئے ہیں، ان ہی مصاف میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، یہ مصارف اس طرح ہیں :

1- فقراء: وہ غریب لوگ، جن کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ اتنا مال موجود نہ ہو، کہ وہ نصاب زکوٰۃ کی قیمت کو پہنچ سکے، جو لوگ دینی خدمت کی وجہ سے کسب معاش کی جدوجہد نہیں کر سکتے وہ خاص طور پر اس فہرست میں داخل ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" للفقراء الذين أحصروا فى سبيل الله لا يستطيعون ضرباً فى الأرض " ۔ (البقرہ:۲۷۳)

2- مساکین: وہ نادار حضرات، جن کے پاس کوئی قابل ذکر مال سرے سے موجود نہ ہو۔

3- عاملین: اسلام میں اُصولی طور پر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام رکھا گیا ہے، اسلامی حکومت کا بیت المال زکوٰۃ وصولی کرے گا اور مستحقین تک پہنچائے گا، بیت المال کی طرف سے جس کو وصولی زکوٰۃ کے لئے مامور کیا جائے اس کو ''عامل'' کہتے ہیں، اسی کی جمع عاملین ہے، ان پر بھی زکوٰۃ کی رقم میں سے خرچ کرنا درست ہے، زکوٰۃ کے حساب وکتاب اور تقسیم وغیرہ کے لئے جو عملہ ہو، ان کو بھی فقہاء نے اسی حکم میں رکھا ہے۔

4- غارمین: غارم کے معنی مقروض کے ہیں، اگر کوئی شخص اپنی عام ضروریات پوری کر لیتا ہے، لیکن اس پر بہت زیادہ قرض ہے اور وہ ان قرضوں کو ادا کرے، تو بقدر نصاب زکوٰۃ مال کا مالک باقی نہیں رہے گا، تو اس کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

5- ابن سبیل: یعنی مسافر، بعض اوقات ایک صاحبِ ثروت آدمی بھی سفر کی حالت میں تعاون کا محتاج ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں باوجود اس کے مالدار ہونے کے اسے بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

6- فی سبیل اللہ: یہ قرآن کی مخصوص اصطلاح ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلامی حکومت کے حکم سے ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوموں کی مدد کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، اگر ان کو سفر جہاد، آلاتِ جہاد اور جہاد کے درمیان بال بچوں کی کفالت کے لئے پیسوں کی حاجت ہو، تو زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔

7- مؤلفۃ القلوب: تالیف قلب کے معنی دلوں کو مانوس کرنے کے ہیں، اس سے مراد وہ نومسلم ہیں، ---- غیر مسلم سماج سے جڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے ---- جن کو مسلمان سماج میں پوری طرح داخل ہونے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لئے کچھ مالی تعاون مطلوب ہو، اسی طرح وہ غیر مسلم جن کی معاشی امداد کی ضرورت ہو، تاکہ وہ اسلام کی طرف آسکیں، جمہور کے نزدیک زکوٰۃ کا یہ مد باقی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اب یہ مد باقی نہیں رہا۔

8- رقاب: (غلام اور باندی) اسلام میں غلامی کے نظام کو پسند نہیں کیا گیا، لیکن اسلام کے ابتدائی ادوار کے حالات ایسے تھے کہ اس نظام کو پوری طرح ختم نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لئے ایسی تدبیریں کی گئیں کہ آہستہ آہستہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو جائے، غلام کے آزاد کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اسے مختلف گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا، جو باندی اپنے آقا کے بچے کی ماں بن جائے، اس کو تقریباً بیوی کے حکم میں رکھا گیا، ان ہی تدابیر کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے آقا سے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہو اور اس کے لئے اسے پیسوں کی ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی اعانت کی جائے۔

مصارفِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں: اول یہ کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے کسی کو مالک بنانا ضروری ہے، چنانچہ مساجد، مُردوں کی تجہیز و تکفین، پلوں کی تعمیر وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ مسجدیں اور مُردے مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور رفاہی طور پر کئے جانے والے کاموں میں کسی ایک شخص کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

دوسرے مصارفِ زکوٰۃ پر غور کیا جائے تو اس کے دو مقاصد واضح ہوتے ہیں، ایک حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنا، دوسرے اسلام کی اشاعت و سربلندی، مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ میں یہ دوسرا مقصد پیش نظر ہے اور باقی چھ مصارف میں پہلا مقصد، زکوٰۃ ادا کرنے میں ان دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

زکوٰۃ کے آداب میں سے یہ ہے کہ جسے زکوٰۃ دے اس کے احترام و توقیر کو بھی پیش نظر رکھے، احسان نہ جتائے، نمائش اور دکھاوے سے کام نہ لے، ماں، باپ اور ان کے آبائی سلسلہ بیٹا، بیٹی اور ان کے اولادی سلسلہ کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بلکہ ان کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ اجر و ثواب ہے، پس زکوٰۃ ادا کرنے میں صلہ رحمی اور قرابت مندی کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

3.4 حج

''حج''اسلام کا پانچواں رکن ہے، اور انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے، اس کے لفظی معنی ''قصد وارادہ'' کے ہیں، اور اس قصد وارادہ سے مراد خدا کی بندگی کے لئے شہر مکہ میں جا کر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی بنائی ہوئی مسجد ''خانۂ کعبہ'' کے گرد چکر لگانے اور مکہ کے مضافات میں کچھ مخصوص مقدس و یادگار مقامات میں حاضر ہو کر کچھ آداب اور اعمال بجالانے کے ہیں، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی عرب حج کرتے تھے، لیکن انھوں نے حج میں بعض من گھڑت رسوم کا اضافہ کر لیا تھا اور بعض ایسی باتیں بھی شامل کر دی تھیں، جو شرم وحیاء کے تقاضے کے خلاف تھیں، چنانچہ حضور ﷺ نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے بھی حج فرمایا ہے، لیکن باضابطہ حج کی فرضیت ہجرت کے چھٹے یا نویں سال ہوئی اور 10ھ میں آپ ﷺ نے حج فرمایا، جو حج فرض ہونے کے بعد آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا، اسی مناسبت سے اس کو 'حجۃ الوداع' کہتے ہیں۔

3.4.1 کعبہ مکرمہ

کعبہ وہ مقام ہے جو مسلمانوں کے خیال کے مطابق اس دنیا میں خدا کا پہلا معبد اور خدا پرستی کا اولین مرکز تھا، سب بڑے بڑے پیغمبروں نے اس کی زیارت کی ہے اور بیت المقدس سے پہلے اسی کو اپنی عبادتوں کی سمت قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے حکم خداوندی سے اس گھر کی پرانی بنیادوں کو ڈھونڈ کر، پھر نئے سرے سے ان پر چہار دیواری کھڑی کی، قرآن میں ہے :

''**وإذيرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسمعيل**''۔ (البقرہ:۱۲۷)

ابراہیم واسماعیل علیہما السلام جب اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بنیاد پہلے سے موجود تھی، حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے اس پرانی بنیاد کو ازسرِ نو بلند کیا۔

حضرت ابراہیم نے جب اپنے جوان بیٹے حضرت اسماعیل کی قربانی کا خواب دیکھا تو اس پر لبیک کہا، وہ اس کی تعمیل کے لئے اس دُور دراز مقام میں آئے تھے اور عین اس وقت جب چھری لے کر بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہ رہے تھے، بیٹے نے بھی خدا کا حکم سن کر گردن جھکا دی، اسی وقت غیب سے آواز آئی :

''**يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا إنا كذلك نجزي المحسنين ، ان هذا لهوالبلٰؤا المبين ، وفديناه بذبح عظيم**''۔ (صافات:۱۰۴-۱۰۶)

اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم ایسا ہی نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں بیشک یہ ایک نمایاں آزمائش ہے اور ایک بڑی قربانی دے کر ہم نے اس کے بیٹے کو چھڑا لیا۔

یہ مقام قربانی بھی مکہ سے قریب ہی ''منیٰ'' میں واقع ہے، حج کے ذریعہ اس پہلی عبادت گاہ کی زیارت کی جاتی ہے اور قربانی کی اس یادگار

کو تازہ کیا جاتا ہے۔

3.4.2 فضیلت اور تربیتی پہلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت ہی مقبول حج کی جزا ہے، آپ ﷺ نے بوڑھوں، بچوں، کمزوروں اور عورتوں کے لئے حج و عمرہ کو جہاد قرار دیا ہے، عام طور پر لوگ اخراجات سے ڈر کر اس مبارک سفر سے گریز کرتے ہیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ حج گناہ اور فقر و محتاجی کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جیسے بھٹی لوہا، سونا اور چاندی کا میل و کچیل دور کر دیتی ہے۔

ایک شخص جب خدا کے اس مقدس گھر میں حاضری دیتا ہے، تو اس کے دل کی کیفیت یکسر بدل جاتی ہے، اس کے اندرونی احساس میں یہ بات رچ بس جاتی ہے کہ وہ سر سے پیر تک خدا کی عبادت میں ڈوبا ہوا ہے، حاجی حج میں اپنے عمل اور کیفیت سے ظاہر کرتا ہے کہ یہ اعمال حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے مقدس اعمال کا مظہر ہیں، تمدن کے اس ابتدائی دور کی طرح وہ ان دنوں بن سلے اور سادہ کپڑے پہنتے ہیں، وہ خود اپنے کو حضرت اسماعیل کی طرح خدا کے حضور نذر کرنے جاتے ہیں، اس لئے اتنے دنوں تک سر کے بال نہ منڈواتے ہیں، نہ ترشواتے ہیں، دنیا کے عیش و عشرت اور تکلف کی زندگی سے پرہیز کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں، نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں اور نہ سر چھپاتے ہیں اور اسی والہانہ انداز میں جس طرح ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تین دن کے سفر کے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے اور دوڑے ہوئے خدا کے گھر میں آئے تھے، آتے ہیں، اور جس طرح حضرت ابراہیم نے خدا کی پکار پر لبیک کہا تھا، وہی تین چار ہزار برس کا ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے :

”لبیک اللهم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک ، إن الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک“۔ (مسلم:۲۸۱۱، باب التلبیۃ)

میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، سب خوبیاں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں اور سلطنت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

اس طرح حج کے ذریعہ ایمان کی تجدید ہوتی ہے، اس سے عمل صالح کو کرنے اور گناہوں سے بچنے کا ایک نیا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، حاجی خدا کی خوشنودی کے لئے ہر طرح کی قربانی کا جذبۂ بیکراں لے کر واپس ہوتا ہے، حج سے اجتماعیت اور مساوات کا سبق ملتا ہے، کیوں کہ کالے، گورے، امیر و غریب، عرب و عجم، صحت منداور کمزور کا فرق کئے بغیر پوری اُمت ایک ہی لباس میں ملبوس ہے، ہر ایک کی زبان پر ایک ہی طرح کے بول ہیں، ایک ہی مقام پر ٹھہرنا اور ایک ہی راستہ سے گزرنا ہے، یہ یکسانیت عالمگیر وحدت و اجتماعیت کے سبق کو تازہ کرتا ہے۔

3.4.3 بنیادی احکام

حج ہر ایسے مسلمان پر عمر میں ایک بار فرض ہے، جو بالغ ہو، دماغی اعتبار سے صحت مند ہو اور حج کے اخراجات کی وسعت رکھتا ہو، عورت پر حج ادا کرنا اس وقت فرض ہے، جب شوہر یا کوئی محرم رشتہ دار بھی سفر پر جا رہا ہو، یا اس میں اتنی مالی استطاعت ہو کہ شوہر یا کسی محرم کو ساتھ لے جاسکتی ہو، اگر عورت محرم کے بغیر سفرِ حج کرے تو ادا ہو جائے گا، لیکن اس کا یہ سفر مکروہ ہوگا، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، حج فرض ہو جانے کے بعد جلد سے جلد حج کر لینا ضروری ہے، تاخیر میں گناہ کا اندیشہ ہے۔

3.4.4 حج کے افعال

- حج کے احکام فقہ اسلامی کا ایک مستقل موضوع ہے اور اس پر بڑی اہم اور تفصیلی کتابیں لکھی گئی ہیں۔
- بنیادی طور پر حج کی تین صورتیں ہوتی ہیں، جنھیں ''افراد''، ''تمتع'' اور ''قران'' کہتے ہیں۔

''افراد'' سے مراد یہ ہے کہ حاجی میقات یعنی وہ جگہ جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے، سے صرف حج کا احرام باندھے، ایسی صورت میں وہ حج کے مکمل ہونے تک احرام کی حالت میں ہوتا ہے اور حج کے ساتھ عمرہ نہیں کرتا ہے۔

دوسری صورت ''تمتع'' کی ہے، اس میں حاجی میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور مکہ پہنچنے کے بعد عمرہ کر کے احرام کھول دیتا ہے، پھر ایامِ حج شروع ہونے کے بعد احرام باندھتا ہے اور حج کرتا ہے، اس درمیانی مدت میں وہ احرام کی حالت میں نہیں ہوتا، اس طرح وہ حج کے ساتھ عمرہ کا بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور درمیان میں احرام کی پابندیوں سے آزاد رہنے کا بھی، اسی لئے اس کو 'تمتع' کہتے ہیں، کہ تمتع کے معنی ہی نفع اٹھانے کے ہیں۔

تیسری صورت ''قران'' کی ہے، قران کے معنی ہیں دو چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ شریک کرنا، حج قران میں حاجی میقات سے حج کے ساتھ عمرہ کو شامل کرتے ہوئے بیک وقت دونوں کا احرام باندھتا ہے، اس لئے وہ مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرتا ہے اور پھر احرام کو باقی رکھتے ہوئے زمانۂ حج میں فریضۂ حج ادا کرتا ہے۔ ''عمرہ'' احرام، طواف اور سعی کا نام ہے، احرام باندھ کر مکہ پہونچے، طواف کرے اور سعی کرکے بال مونڈالے، اس سے عمرہ مکمل ہوجاتا ہے اور اس کا بھی بڑا اجر وثواب ہے۔

- حج کے اوقات مقرر ہیں، حج کے مہینے شوال، ذوقعدہ اور ذوالحجہ ہیں، چنانچہ شوال شروع ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔ اور حج کے ایام ۸ ذی الحجہ سے لے کر ۱۲ ذی الحجہ تک ہیں، ان ہی میں تمام افعالِ حج انجام دیئے جاتے ہیں۔
- حرم شریف کو جانے والے لوگوں کے لئے ایک حد مقرر ہے، کہ وہاں سے وہ احرام باندھیں، یہ پانچ مقامات ہیں، انھیں ''میقات'' کہا جاتا ہے اور اس حد سے باہر رہنے والوں کو ''آفاقی'' کہتے ہیں، برصغیر اور یمن والوں کے لئے میقات ''یلملم'' ہے، عراق اور اس جانب سے آنے والوں کے لئے ''ذاتِ عرق'' ہے، مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے ''ذوالحلیفہ'' اور شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے ''قرن منازل''، اور جو لوگ مکہ کے اندر ہوں چاہے وہ مستقل طور پر رہتے ہوں یا عارضی طور پر ان کے لئے مقام ''حل'' میقات ہے۔

حج کے تفصیلی احکام فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، یہاں حج کے مختصر، ضروری اور بنیادی احکام ذکر کئے جاتے ہیں :

3.4.5 حج کا طریقہ

- حج کا طریقہ یہ ہے کہ احرام کی حالت میں آٹھ ذوالحجہ کو ظہر سے پہلے مکہ سے منیٰ چلا جائے اور اس دن ظہر عصر اور مغرب وعشاء کی نماز مکہ ہی میں ادا کرے، اس دن کو فقہ کی اصطلاح میں ''یوم الترویہ'' کہتے ہیں۔
- نو ذوالحجہ (یوم عرفہ) کو فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے پہلے عرفات کے لئے روانہ ہو اور ظہر سے پہلے میدانِ عرفات میں پہنچ جائے، ظہر

کے وقت اگر امامِ حج کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو ظہر وعصر کے درمیان جمع کرے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک منیٰ ہی میں ٹھہرا رہے اور اس درمیان زیادہ سے زیادہ ذکر کرے، دُعائیں مانگے اور قرآن مجید کی تلاوت کرے، اس دن کا خاص عمل دُعائیں ہیں، ظہر سے پہلے غسل کرنا بھی مسنون ہے۔

- غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کی طرف واپس آئے، یہاں مغرب وعشاء کی نمازیں عشاء کے وقت میں ایک ساتھ ادا کرے اور تینوں جمرات پر تینوں دن مارنے والی کنکریاں (کم سے کم 49 عدد) چن کر ساتھ رکھ لے اور رات میں یہیں قیام کرے، 10 ذوالحجہ (یوم نحر) کو نماز فجر بھی یہیں ادا کرے، پھر طلوع آفتاب سے دو رکعت نماز کے بقدر پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو۔

- منیٰ پہنچ کر جمرہ عقبیٰ (جس کو عرف میں بڑا شیطان کہتے ہیں) پر سات کنکریاں مارے، کنکری مارنے کے بعد آج دُعاء نہ کرے، اگر حج ''قران'' یا حج ''تمتع'' کر رہا ہو تو قربانی کرے، قربانی کے بعد بال منڈوائے یا ترشوائے، اگر موقع ہو تو آج ہی مکہ جا کر طواف زیارت کر لے، اگر آج نہ کر سکے تو ۱۲ ذوالحجہ غروب آفتاب تک طواف کر سکتا ہے۔

- 11 ذوالحجہ کو آفتاب ڈھلنے کے بعد تینوں جمرات پر کنکری مارے، پہلے جمرۂ اولیٰ پر، پھر جمرۂ وسطیٰ پر، اس کے بعد جمرۂ عقبیٰ پر، پہلے اور دوسرے جمرہ پر رمی کے بعد دُعاء کی جائے گی اور تیسرے جمرہ پر رمی کے بعد دُعاء نہیں کی جائے گی، 11 کو بھی منیٰ میں مقیم رہے گا۔

- 12 ذوالحجہ کو پھر زوال کے بعد رمی کرے گا اور غروب آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ سے نکل کر مکہ آ جائے گا، اگر چاہے تو رات کو قیام کر کے 13 کی رمی کر کے بھی مکہ آ سکتا ہے، اس طرح حج مکمل ہو گیا۔

- حج قران کرنے والا تو احرام میقات سے باندھے گا، اگر آفاقی ہو تو حج افراد کا بھی احرام میقات سے ہو گا، حج تمتع میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے اور حج کا احرام مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ سے۔ احرام باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ حجامت بنوالیں، بغل وغیرہ صاف کر لیں، ناخن تراش لیں، اچھی طرح میل کچیل دور کر کے غسل کر لیں، غسل کے بعد عطر استعمال کریں اور مرد دو سفید چادریں لپیٹ لیں، ایک کو بطور تہبند باندھ لیں اور ایک کو بطور چادر لپیٹ لیں، عورتیں سلا ہوا کپڑا حسب معمول استعمال کریں، البتہ چہرہ سے کپڑا مس نہ کرتا ہو، پھر دو رکعت نماز احرام کی نیت سے پڑھ لیں، یہ نماز مسنون ہے، اس کے بعد حج یا عمرہ کی نیت کریں، پھر تلبیہ پڑھ لیں، تلبیہ پڑھتے ہی احرام کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا یا خوشبودار صابن استعمال کرنا، جسم کے کسی بھی حصہ کے بال مونڈانا یا کٹانا، ناخن کٹانا، چہرہ کا ڈھکنا اور مردوں کے لئے سر ڈھکنا، بیوی سے جماع یا دواعی جماع کا ارتکاب کرنا، یہاں تک کہ فحش ہنسی مذاق کرنا بھی جائز نہیں ہے، احرام کا خاص محل ''تلبیہ'' (**لبیک اللهم لبیک**) ہے، اسے جتنا زیادہ پڑھا جائے بہتر ہے۔

- طواف وسعی: حج وعمرہ کا ایک اہم رکن طواف ہے، عبادت کی نیت سے خانۂ کعبہ کے چاروں طرف چکر لگانے کو 'طواف' کہتے ہیں، طواف میں اللہ کا ذکر کرنا اور دُعائیں مانگنا چاہئے، طواف کے سات چکر ہوتے ہیں، ہر چکر حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود ہی پر ختم ہوتا ہے، اس طرح سات چکر میں آٹھ دفعہ حجر اسود کا استلام یا اشارہ ہو گا، ہر بار جب حجرِ اسود کے سامنے آئیں تو اس کا بوسہ لیں، اس میں مشقت ہو تو استلام

کریں، اور یہ بھی دشوار ہو تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل لائیں، ہتھیلیوں کو حجر اسود کی طرف رکھیں اور ہاتھوں کے پشت کا حصہ اپنی طرف، طواف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آپ ﷺ سے یہ دُعاء منقول ہے: ''**ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار** ''طواف کے درمیان نظر سامنے ہو، طواف حالتِ وضو میں ہو، اگر طواف کے درمیان نماز شروع ہو جائے تو اسی جگہ طواف کو موقوف کر دیا جائے اور نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ اسی جگہ سے طواف پورا کیا جائے، نیز طواف کے سات چکر پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز طواف مسجد حرام میں کسی جگہ ادا کی جائے، یہ واجب ہے۔

طواف کے بعد اب صفا اور مروہ کے درمیان سعی (تیز چلنا) کرنا ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے ساتھ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر یہاں آئے اور حکم خداوندی کے مطابق حضرت ابراہیم واپس ہو گئے اور شیر خوار حضرت اسماعیل پیاس سے بے تاب ہو گئے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں اور آخر حضرت اسماعیل کی ایڑیوں کے پاس سے زم زم کا چشمہ پھوٹ پڑا، سعی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے اسی عمل کی یادگار ہے، بہرحال حج میں پہلے صفا پر چڑھ کر کعبہ کی طرف منہ کر کے خدا کی حمد کرتے ہیں اور دُعاء مانگتے ہیں، پھر اس سے اتر کر دُعائیں مانگتے ہوئے مروہ پر آتے ہیں، وہاں بھی دُعائیں مانگتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی ہے:

إن الصفاوالمروة من شعائر الله ۔ (بقرہ:١٩)

بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا پر یہ دُعاء پڑھنا بھی منقول ہے :

لا إله إلا الله وحده لا شريک له ، له الملک وله الحمد وهو على كل شئ قدير ، لا إله إلا الله وحده أنجز وعده ونصر عبده ، وهزم الأحزاب وحده ۔ (مسلم:2950، باب حجۃ النبی ﷺ)

اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے پورے عالم کی فرمانروائی ہے اور وہی قابل تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے جس نے اپنے وعدہ کو پورا فرمایا، اپنے بندوں کی مدد کی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔

3.4.6 حج کے آداب

حج کے لئے ضروری ہے کہ احرام باندھنے سے لے کر احرام اُتارنے تک ہر حاجی نیکی و پاکبازی اور امن و سلامتی کی پوری تصویر ہو، وہ لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہ کرے، کسی کو تکلیف نہ دے، یہاں تک کہ چیونٹی اور جوں تک کو بھی نہ مارے، شکار تک اس کے لئے جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ اس وقت مکمل طور پر صلح و آشتی اور امن و امان کا پیمبر ہوتا ہے، قرآن میں ہے :

''**فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج**''۔ (بقرہ:197)

تو جو اِن مہینوں میں حج اپنے اوپر فرض کر لے، تو حج میں نہ عورت کے ساتھ بے پردہ ہونا ہے اور نہ گناہ کرنا ہے اور نہ جھگڑا کرنا ہے۔

اگر کسی حاجی سے کسی جانور کے قتل کی حرکت قصداً صادر ہو تو اس پر اس کا خون بہالازم آتا ہے، جس کا نام کفارہ ہے، یعنی اس مقتول جانور کے برابر کسی حلال جانور کی قربانی، یا چند محتاجوں کو کھانا کھلانا یا اتنا ہی روزہ رکھنا، اور صرف اسی پر موقوف نہیں، بلکہ حج اور احرام کے مقررہ احکام کی جب بھی خلاف ورزی ہو، اس کی تلافی کے لئے دم یا صدقہ اور بعض صورتوں میں روزہ واجب ہوتا ہے۔

3.5 اکتسابی نتائج

- زکوٰۃ (زکاۃ)، مال دار مسلمانوں پر فرض ہے۔
- زکوٰۃ مخصوص اموال میں فرض کی گئی ہے، جن میں سونا، چاندی، مالِ تجارت اور روپے پیسے بھی ہیں، ان تمام چیزوں میں ڈھائی فی صد کی شرح سے زکوٰۃ ادا کرنی فرض ہے۔
- زکوٰۃ کے کچھ متعین مصارف ہیں، ان ہی میں زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے، دوسری چیزوں میں نہیں۔
- زکوٰۃ کا مقصد غرباء کی ضرورت کو پورا کرنا اور اسلام کی اشاعت و سربلندی میں تعاون کرنا ہے۔
- حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو کعبۃ اللہ سے متعلق ہے اور اس کا مقصد ایمان کو تازہ کرنا اور از سرِ نو پاکباز زندگی گذارنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔
- حج ہر عاقل و بالغ مسلمان صاحبِ استطاعت مرد و عورت پر فرض ہے۔
- حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قران۔
- حج کے مہینے شوال، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور ایام 8 تا 12 ذوالحجہ ہیں۔
- میقات اس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سے احرام باندھے بغیر نہیں جایا جاسکتا اور یہ پانچ جگہیں ہیں۔
- 9 ذوالحجہ کو وقوفِ عرفہ اور شب کو وقوفِ مزدلفہ، 10 کو جمرہ عقبیٰ پر رمی، بال منڈانا یا ترشوانا، پھر قربانی کرنا، نیز طوافِ زیارت کرنا، حج کے اہم افعال ہیں، 11 اور 12 ذوالحجہ کو تینوں جمرات پر رمی کرنا واجب ہے، اور حج تمتع و حج قران کرنے والوں پر قربانی بھی واجب ہے۔
- احرام کی حالت میں سر ڈھکنے، ناخن تراشنے، بال کٹانے اور خوشبو استعمال کرنے، جماع اور دواعی جماع کا ارتکاب ممنوع ہے اور عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ چہرہ پر کپڑا نہ لگنے دیں۔
- حج کا خاص ذکر تلبیہ پڑھنا ہے۔

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ زکوٰۃ اور حج کا معنی ومفہوم واضح کیجیے۔

2۔ زکوٰۃ فرض کرنے کی کیا حکمتیں ہیں؟

3۔ زکوٰۃ کی فضیلت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی ادائیگی کے طریقہ کی وضاحت کیجیے۔

4۔ حج کے افعال اور اس کی قسموں کا اجمالی تعارف کرائیے؟

طویل جوابی سوالات:

1۔ زکوٰۃ کن لوگوں پر فرض ہوتا ہے؟ اموال زکوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے نصاب زکوٰۃ کی تعیین کیجیے۔

2۔ مصارفِ زکوٰۃ پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ کعبہ مکرمہ کا تعارف کراتے ہوئے حج کی فضیلت اور اس کے تربیتی پہلو پر روشنی ڈالیے۔

4۔ حج کا مفصل طریقہ بیان کیجیے۔

3.7 تجویز کردہ کتابیں

1۔ سیرۃ النبی (سوم) (اُردو) : علامہ سید سلیمان ندوی

2۔ ارکان اربعہ (اُردو) : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

3۔ علم الفقہ (اُردو) : مولانا عبدالشکور فاروقی

4۔ اسلامی فقہ (اُردو) : مولانا مجیب اللہ ندوی

5۔ فقہ اسلامی (اُردو) : مولانا منہاج الدین مینائی

6۔ بہار شریعت (اُردو) : مولانا امجد علی

7۔ قاموس الفقہ (اُردو) : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۔:oOo:۔

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 2 : قرآن کریم

اکائی 4 : نبوت اور وحی

اکائی کی ساخت

4.1 تمہید
4.2 مقصد
4.3 نبوت اور نبی
4.4 منصب نبوت
4.5 نبوت وہبی ہے
4.6 وحی اور اس کی صورتیں
4.7 وحی متلو اور وحی غیر متلو
4.8 نبی معصوم ہوتا ہے
4.9 سلسلہ انبیاء
4.10 وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت
4.11 اکتسابی نتائج
4.12 نمونہ امتحانی سوالات
4.13 تجویز کردہ کتابیں

4.1 تمہید

دنیا کے مختلف مذاہب میں نبیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہا ہے، اور ان کے ذریعہ اللہ نے اپنے احکام و ہدایات اور اپنی کتابیں بھیجی ہیں۔ اس اکائی میں یہ بتایا جائے گا کہ نبی کسے کہتے ہیں؟ نبی اور رسول میں کیا فرق ہوتا ہے؟ نبوت کیسے ملتی ہے اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ انبیا اور رسولوں کو اللہ جب مخاطب کرتا ہے تو اس کے کیا طریقے ہوتے ہیں؟ اصطلاحی زبان میں اس کو وحی کیوں کہتے ہیں اور اس کی کیا صورتیں ہوتی ہیں؟ اس میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ وحی کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور وحی متلو اور وحی غیر متلو میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کے معصوم ہونے پر روشنی ڈالی جائے گی اور ان انبیا کرام کے نام سے متعارف کرایا جائے گا جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

4.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو نبی، نبوت کی ذمہ داریوں، وحی اور وحی کی قسموں سے آگاہ کرنا ہے۔ لہٰذا اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ نبی اور

نبوت کے مفہوم سے آگاہ ہو جائیں گے، نبوت کی ذمہ داریوں اور اس کے وہبی و کسبی ہونے کے درمیان فرق کو سمجھ لیں گے۔ اس کے بعد وحی کی وضاحت کی جائے گی اور وحی کی قسموں پر روشنی ڈالتے ہوئے سلسلہ انبیاء اور الہامی مذہب کی ضرورت سے واقف کرایا جائے گا۔

4.3 نبوت اور نبی

عربی زبان میں ''نبأ'' کے معنی سچی خبر کے ہیں، نبوت کے معنی سچی خبر دینا اور نبی کے معنی سچی خبر دینے والا ہے، اس کا اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی ہی کے قریب ہے، یعنی نبی اس عظیم انسان کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسان کو ان باتوں کی خبر دینے کے لیے منتخب کیا ہو، جو اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہوں، ایسی برگزیدہ شخصیتوں کے لیے قرآن مجید میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں: نبی اور رسول، رسول کے معنی قاصد کے ہیں، اصطلاح میں رسول ان مقدس ہستیوں کو کہتے ہیں، جن کو خدا نے انسانیت تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چنا ہو، اس طرح نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں ہے، اللہ کے پیغمبروں کو کبھی نبی کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی رسول کے لفظ سے۔

بعض حضرات نے نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق کیا ہے، اس سلسلہ میں دو رائیں معروف ہیں :

(الف) رسول اسے کہتے ہیں جسے نئی شریعت بھی دی گئی ہو، لیکن نبی کے لئے نئی شریعت کا حامل ہونا ضروری نہیں، اس طرح ہر رسول نبی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی کے لیے رسول ہونا ضروری نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت یحیٰ اور حضرت ہارون، اللہ کے نبی تو تھے، لیکن ان کو مستقل شریعت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضور اقدس ﷺ نبی کے ساتھ ساتھ رسول بھی تھے، کیوں کہ وہ مستقل شریعت لے کر تشریف لائے تھے۔

(ب) رسول اسے کہتے ہیں جو مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ہوں، جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ وغیرہ، اور نبی وہ ہیں جو کسی ایک گروہ کی طرف بھیجے گئے ہوں، جیسے حضرت صالح اہل مدین کی طرف، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ بنی اسرائیل کی طرف۔

4.4 منصب نبوت

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ پیغمبر کی حیثیت قاصد محض کی ہوتی ہے، جو باری تعالیٰ کا کلام اس کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے، بلکہ وہ اس کلام کا شارح بھی ہوتا ہے، کلام الٰہی میں جو باتیں کہی گئی ہیں، اسے عمل کے سانچہ میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش بھی کرتا ہے اور خدا کے احکام کو اس کے بندوں پر نافذ بھی کرتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مختلف حیثیتوں کو قرآن مجید میں بار بار بیان کیا گیا ہے، اسی پس منظر میں آپ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا :

''وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله''۔ (النساء:64)

(ہم نے رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔)

یہ اطاعت محض امیر کی حیثیت سے نہیں ہے، جو امیر کی زندگی تک محدود ہوتی ہے، بلکہ یہ اطاعت بحیثیت رسول ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمیشہ کے لئے ہے، کیوں کہ آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:

''من يطع الرسول فقد أطاع الله''۔(النساء:80)

اسی طرح آپ کے افعال کی اتباع وپیروی کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے :

''لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ''۔ (احزاب:21)

(تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔)

نیز یہ بھی فرمایا گیا کہ آپ کی اتباع وپیروی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کی کسوٹی ہے :

''قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ''۔ (آلِ عمران:31)

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت فرمائیں گے۔)

اسی طرح نبی کا منصب یہ بھی ہے کہ وہ اگر کوئی فیصلہ کر دے تو نہ صرف یہ کہ لوگ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، بلکہ اس فیصلہ کو دل کی پوری آمادگی کے ساتھ قبول کریں :

''فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا''۔ (النساء:65)

(آپ کے پروردگار کی قسم ہے! وہ ہرگز صاحب ایمان نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے آپسی جھگڑے میں آپ کو حکم نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی حرج محسوس نہیں کریں اور پوری طرح اسے تسلیم کر لیں۔)

جس طرح کلام الٰہی کی تلاوت اور لوگوں تک اسے پہنچانا پیغمبر کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنے کلام کا شارح بھی بنایا ہے:

''وأنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم''۔(النحل:44)

(ہم نے آپ کی طرف یہ کتابِ نصیحت اس لیے نازل کی ہے کہ جو احکام آپ کی طرف اتارے گئے ہیں، آپ لوگوں کے لیے انھیں واضح فرمادیں۔)

اس لیے نبی ورسول اصل میں تو اللہ کا کلام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں، لیکن منصب نبوت صرف اسی ذمہ داری تک محدود نہیں ہے، کلام الٰہی کی تشریح، اس کا عملی نمونہ پیش کرنا، مسلمانوں پر اس کو نافذ کرنا، اس کے مطابق نزاعات کے فیصلے کرنا یہ سب انبیا کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

4.5 نبوت وہبی ہے

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں وہ ہیں جو محنت اور کدوکاوش سے حاصل کی جاتی ہیں، جیسے علم، دولت، فنی مہارت وغیرہ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جو من جانب اللہ عطا کی جاتی ہیں، انسان ان کو اپنی سعی ومحنت سے حاصل نہیں کر سکتا، جیسے رنگ وروپ، قد وقامت، آواز، ذہانت۔ پہلی قسم کی چیزوں کو ''کسبی'' کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی چیزوں کو ''وہبی''، نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی وہبی نعمت ہے، جسے عبادت وریاضت اور محنت وکوشش کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس بلند منصب کے لیے انتخاب فرماتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فاٰمنوا باللہ ورسلہ''۔(آلِ عمران:179)

(اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ تم کو براہ راست غیب کا علم دے، بلکہ وہ اس کام کے لیے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے ،پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔)

4.6 وحی اور اس کی صورتیں

وحی کے لغوی معنی ''پوشیدہ اشارہ'' کے ہیں، پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام اترتا ہے، وہ دوسروں کی نظر سے مخفی ہوتا ہے، اسی مناسبت سے پیغمبر پر ہونے والے الہام کو ''وحی'' کہتے ہیں، اس طرح وحی کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے :

وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی وہ خبر ہے، جو براہ راست اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہے اور جس سے عام انسان انبیاء و رسولوں کے واسطہ ہی سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں وحی کے سات طریقوں کا ذکر آیا ہے :

(الف) رویاء صادقہ یعنی سچے خواب---- انبیا کی چوں کہ شیاطین سے حفاظت کی جاتی ہے، اس لیے ان کے خواب سچے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں، چنانچہ خواب ہی کی بناء پر حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا فیصلہ کیا تھا۔ اور خواب ہی کی بنیاد پر سن 6 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور آئندہ سال مسلمانوں نے عمرۃ القضا کیا۔

(ب) اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے رسول کے سینہ پر نقش فرما دیتے ہیں، اسی کو قرآن مجید میں ''نفث فی الروع ''(دل میں ڈالنا) کہا گیا ہے، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اسی طریقہ سے وحی ہوا کرتی تھی۔

(ج) وحی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ حکم الٰہی لکھی ہوئی تختی کی صورت میں نازل کیا جاتا، جیسا کہ حضرت موسیٰ پر تورات کی تختیاں نازل کی گئیں۔

(د) اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے پیغمبر سے ہم کلام ہوتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسی سے براہِ راست کلام کرنے کا ذکر آیا ہے، (طٰہٰ: 11-12) ---- نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں واقعہ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہیں۔

(ہ) فرشتہ پیغمبر پر اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر اللہ کا کلام اتارتا ہے، چنانچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت جبرئیل نے اپنی اصل صورت میں ظاہر ہو کر آپ ﷺ پر وحی نازل کی تھی۔

(و) فرشتہ انسانی صورت میں پیغمبر کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ پر جب حضرت جبرئیل انسانی صورت میں نمودار ہوتے تو صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی کی صورت اختیار فرماتے۔

(ز) فرشتہ پیغمبر پر ان دیکھی صورت میں آتا ہے، جسے نبی تو محسوس کرتا ہے، لیکن حاضرین اسے نہیں دیکھ سکتے، یہ صورت بہت پُر مشقت ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب اس طرح وحی اترتی تو ٹھنڈک کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی، اور آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی، آپ پر زیادہ تر اس کیفیت کے ساتھ وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری چار شکلوں میں نازل ہوا ہے، البتہ وحی کی پہلی تین شکلوں میں شریعت کے بعض اور احکام اتارے گئے ہیں۔

4.7 وحی متلو اور وحی غیر متلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی گئی ہے، اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں: وحی متلو، وحی غیر متلو ۔

''وحی متلو'' سے مراد ایسی وحی ہے، جس میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہوں اور معنی بھی، یعنی قرآن مجید، یہ پورا کا پورا وحی متلو ہے اور اس کا ایک ایک حرف اللہ کی طرف سے ہے۔

''وحی غیر متلو'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں، جن کے معانی و مقاصد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں ادا فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی نوعیت یہی ہے، چنانچہ خود قرآن مجید میں وحی غیر متلو کا ذکر موجود ہے، جیسے :

(1) ''وما جعلنا القبلة التی کنت علیها إلا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه''۔ (البقرہ:143)

(اور جس قبلہ پر آپ تھے ہم نے اسے اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھ لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں واپس ہو جاتا ہے؟)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا، لیکن قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

(2) ''وإذ یعدکم الله إحدی الطائفتین أنها لکم وتودون أن غیر ذات الشوکة تکون لکم ویرید الله أن یحق الحق بکلمٰته ویقطع دابر الکفرین''۔(الأنفال:7)

(اور جب کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وعدہ فرما رہے تھے کہ دو گروہوں (یعنی تجارتی قافلہ اور لشکر قریش) میں سے ایک تمہارے ہاتھ آئے گا اور تم چاہتے تھے کہ بغیر شوکت والا گروہ تمہیں ملے؛ حالاں کہ اللہ چاہتے ہیں کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت کر دکھائیں اور کافروں کی کمر توڑ دیں۔)

اس آیت میں جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی غیر متلو کی شکل میں اس کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔

4.8 نبی معصوم ہوتا ہے

نبی و رسول چوں کہ اپنے قول و عمل کے ذریعہ احکام خداوندی کا ترجمان ہوتا ہے، اس لئے وہ غیر معمولی صلاحیتوں اور پاکیزہ اوصاف کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، نبوت سے پہلے بھی کفر و شرک، گناہ کبیرہ، اخلاق و مروت کے خلاف افعال سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے، جب عزیز مصر کی بیوی نے آپ کو پھانسنے کی کوشش کی، (یوسف : 24) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''وَمَاأَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰی أَلْقَی الشَّیْطَانُ فِی اُمْنِیَّتِهٖ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَایُلْقِی الشَّیْطَانُ ثُمَّ

یُحْکِمُ اللہُ آیَاتِہٖ''۔(الحج:52)

(ہم نے تم سے پہلے جو بھی نبی یا رسول بھیجے ہیں، پھر جب کبھی انھوں نے کسی بات کی تمنا کی، تو شیطان نے ان کی تمنا میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ کو مٹا دیتے ہیں اور اپنی آیات کو مضبوط فرما دیتے ہیں۔)

اسی طرح نبی اپنے اخلاق کے اعتبار سے بھی نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: ''**انک لعلی خلق عظیم**''۔(القلم:4)

انبیا و رسل سے لغزش ہوسکتی ہے، لیکن اس پر بھی انھیں اللہ کی طرف سے متنبہ فرما دیا جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے سلسلہ میں جو فیصلہ فرمایا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوگئی۔(الأنفال:67)

4.9 سلسلۂ انبیا

انسان چوں کہ شروع سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج رہا ہے، اس لیے جب سے اس دنیا میں انسان نے قدم رکھا اسی دن سے نبوت الٰہی کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، چنانچہ حضرت آدم سب سے پہلے انسان تھے اور سب سے پہلے پیغمبر بھی، پھر خدا نے ہر قوم میں اور ہر زمانہ میں اپنے رسول بھیجے اور اپنی کتابیں اتاریں، جس کا سلسلہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا۔

قرآن مجید میں تمام پیغمبروں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، کچھ پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، لہٰذا جن پیغمبروں کا ذکر آیا ہے، ان پر تو تفصیلی طور پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور جن کا ذکر نہیں آیا ہے، ان پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے، قرآن مجید میں بحیثیت مجموعی ایسی ستائیس برگزیدہ ہستیوں کا ذکر ہے، جن میں سے دو حضرت لقمان اور حضرت عزیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ایک بندۂ صالح، اور وہ یہ ہیں :

آدم ،نوح ،ابراہیم ،لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ہود، صالح، شعیب، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، الیاس، یونس، الیسع، ادریس، ایوب، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، لقمان، عزیر، ذوالکفل، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

4.10 وحی اور الہامی مذہب کی ضرورت

انسان کے زندگی گذارنے کا ایک طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہر انسان اپنی خواہش کے مطابق عمل کرے، لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ خواہشات میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے، ایک شخص ایک شئے کو پسند کرتا ہے، دوسرا شخص اس شئے کو ناپسند کرتا ہے، اس طرح سماج میں ٹکراؤ کی فضا پیدا ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سماج کے ایک گروہ کو تمام لوگوں کے لیے زندگی کے اُصول متعین کرنے کا اختیار دے دیا جائے، اس میں بھی یہی خرابی ہے، کیوں کہ سماج کے ایک گروہ کے مفادات اور دوسرے گروہ کے مفادات میں ٹکراؤ ہوسکتا ہے۔ اب اگر کسی ایک گروہ کے ہاتھ میں یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ تمام انسانوں کے بارے میں حقوق اور فرائض متعین کرے تو اس کی کوشش ہوگی کہ وہ اس طبقہ کو فائدہ پہنچائے، جس طبقہ سے اس کا تعلق ہے، چاہے اس سے دوسرے طبقات کے مفادات مجروح ہوں، چنانچہ دنیا کے مختلف علاقوں میں رنگ و نسل یا ذات پات کی جو تفریق روا رکھی گئی اور کچھ انسانوں کو پیدائشی طور پر عظیم اور برتر اور کچھ کو حقیر و کمتر سمجھا گیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے، اس لیے انسان کو خود انسان منصفانہ نظام حیات نہیں دے سکتا ہے۔

زندگی گذارنے کا طریقہ وہی دے سکتا ہے، جس میں دو باتیں بدرجۂ کمال پائی جائیں، علم اور عدل۔ علم سے مراد یہ ہے کہ وہ انسانوں کے

جذبات وخواہشات سے اوراس کے نفع ونقصان سے پوری طرح آگاہ ہو۔ انسان اپنے جذبات سے تو آگاہ ہوتا ہے، لیکن اپنے بھائیوں کے جذبات اورخواہشات سے اکثر اوقات بے خبر رہتا ہے، اسی طرح وہ خود اپنے نفع ونقصان کے بارے میں بھی واقف نہیں ہوتا، ایک کام کو وہ فائدہ کا کام سمجھ کر شروع کرتا ہے، لیکن جلد ہی اسے احساس ہوجاتا ہے کہ یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہے، ایک چیز کو وہ نقصان کی بات سمجھتا ہے، لیکن اسے جلد ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس بات کو وہ نقصان دہ سمجھ رہا تھا، وہی اس کے لیے اصل میں مفید ہے۔

عدل سے مراد یہ ہے کہ وہ انسانیت کے تمام گروہوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرسکے، انسان کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ مختلف گروہی بندھنوں میں بندھا ہوا ہے، اس کا تعلق بنیادی طور پر مرد یا عورت دو صنفوں میں سے ایک سے ہوگا، پھر رنگ ونسل، وطن، زبان اور کلچر کا اختلاف بھی انھیں الگ الگ گروہوں میں بانٹ دیتا ہے، اس گروہی نسبت کی وجہ سے آدمی ایک طرف جھک جاتا ہے اور یہ جھکاؤ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا میں مختلف اقوام کے درمیان جو جنگیں ہوئی ہیں، یا آج بھی ہورہی ہیں، ان کی نوبت نہیں آئی ہوتی، اس لیے ایک انسان یا ایک انسانی گروہ پوری انسانیت کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

وحی الٰہی انسان کو زندگی گذارنے کا ایسا طریقہ عطا کرتی ہے، جو خدا کی طرف سے ہے، کیوں کہ خدا کا علم پوری کائنات کو حاوی ہے، وہ انسان کے اندرونی جذبات اوراس کے مستقبل کے نفع ونقصان سے بھی پوری طرح واقف ہے، خدا انسان سے بالاتر ایک ذات ہے، کسی خاص انسانی گروہ سے اس کا تعلق نہیں، اس لیے اس کی تعلیمات انسان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کے مطابق بھی ہوں گی اور تمام انسانی گروہوں کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو بھی پورا کریں گی، اسی لیے وحی انسان کی ضرورت ہے، قانون الٰہی سے آزاد ہوکر زندگی کا جو طریقہ اختیار کیا جائے گا، اس میں نہ انسانی مصالح کی تکمیل ہوسکتی ہے اور نہ پوری انسانیت کے ساتھ انصاف کا تقاضا پورا ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سائنس نے مذہب اور وحی کی ضرورت کو ختم کردیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کائنات میں چھپی ہوئی حقیقتیں کیا ہیں؟ لیکن وہ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ یہ اسی طرح کیوں ہیں؟ وہ ہمیں بتاتی ہے کہ زمین سورج کے گرد گردش کررہی ہے، لیکن کیوں گردش کررہی ہے اور کونسی ذات ہے جو اسے مسلسل گردش کی حالت میں رکھے ہوئے ہے، اس کا جواب سائنس کے پاس نہیں ہے، اور وحی اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے، سائنس کے ذریعہ نت نئے آلات وجود میں آتے ہیں، لیکن ان آلات وذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لیے ہو اور کن مقاصد کے لیے نہیں ہو؟ اس کا سبق ہمیں خدا کا بھیجا ہوا مذہب سکھاتا ہے، سائنس خدا کی دی ہوئی عقل کی عظیم اور حیرت انگیز کاوشوں سے عبارت ہے، لیکن ان ایجادات واختراعات کا استعمال انسانیت کے مفاد میں ہو یا اس کو نقصان پہنچانے کے لیے؟ اس کا سبق ہمیں قانون خداوندی سے ملتا ہے، اگر سائنس مذہب کے تابع ہوتی تو ہیروشیما اور ناگاسا کی جیسے المناک واقعات دنیا میں پیش نہ آئے ہوتے، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے مذہب کی ضرورت کو بڑھایا ہے، نہ کہ اسے کم کیا ہے۔

4.11 اکتسابی نتائج

- نبی وہ عظیم انسان ہے، جس کو اللہ نے انسانوں تک اپنی پسند اوراحکام پہنچانے کے لیے منتخب کیا ہو۔
- نبی کی ذمہ داری اللہ کا پیغام پہنچانے کے علاوہ اس کی تشریح کرنا اوراس کے لیے عملی نمونہ پیش کرنا بھی ہوتا ہے۔
- نبوت وہبی نعمت ہے، اوراللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اپنے بندوں میں سے انتخاب فرماتے ہیں۔

- علماء کرام نے وحی کی کل 7 /صورتیں بیان کیں ہیں، جن میں سے چار طریقوں سے قرآن مجید کا نزول ہوا ہے۔
- وحی غیر متلو سے مراد وہ احکام ہیں، جو اللہ کی طرف سے ہیں، لیکن الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔
- نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔
- نبوت کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔

4.12 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ نبوت کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتائیں کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

2۔ وحی متلو اور غیر متلو میں کیا فرق ہے؟ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیجیے۔

3۔ نبی کی معصومیت اور سلسلہ انبیاء پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ نبی کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

2۔ وحی کی صورتوں کی وضاحت کیجیے۔

3۔ وحی اور الہامی مذہب کی کیا ضرورت ہے؟ بیان کیجیے۔

4.13 تجویز کردہ کتابیں

1۔ منصب رسالت : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (اُردو)

2۔ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (اُردو)

3۔ علوم القرآن : مولانا محمد تقی عثمانی (اُردو)

4۔ الاتقان : جلال الدین سیوطیؒ (عربی)

۔:oOo:۔

اکائی 5 : قرآن مجید - تعارف اور جمع و تدوین

اکائی کی ساخت

5.1 تمہید

5.2 مقصد

5.3 تعریف

5.4 قرآن مجید کا موضوع

5.5 سورتیں اور آیتیں

5.6 پہلی اور آخری آیت

5.7 جمع قرآن عہد نبوی میں

5.7.1 جمع قرآن بصورت حفظ

5.7.2 جمع قرآن بصورت کتابت

5.8 جمع قرآن عہد صدیقی میں

5.9 جمع قرآن عہد عثمانی میں

5.10 تسہیل تلاوت کی کوششیں

5.10.1 قرآن مجید پر نقطے

5.10.2 قرآن مجید پر اعراب

5.10.3 منزلیں، پارے اور رکوع

5.10.4 رموز اوقاف

5.11 قرآن مجید پریس پر

5.12 قرآن مجید سے متعلق ضروری اعداد و شمار

5.13 مکی و مدنی سورتیں

5.13.1 مکی سورتوں کی خصوصیات

5.13.2 مدنی سورتوں کی خصوصیات

5.14 اکتسابی نتائج

5.15 نمونۂ امتحانی سوالات

5.16 تجویز کردہ کتابیں

5.1 تمہید

اس اکائی میں قرآن مجید کا بھرپور اور مکمل تعارف کرایا جائے گا، پہلے قرآن کے لفظی معنی اور اس کی تعریف ذکر کرتے ہوئے قرآن کے موضوع سے واقف کرایا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ اس میں کتنی سورتیں اور آیتیں ہیں اور اس کی پہلی اور آخری آیتیں کون سی ہیں؟ قرآن کے جمع وتدوین کے تینوں مراحل یعنی عہد نبوی، پھر عہد صدیقی اور آخر میں عثمانی کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی بتایا جائے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو آسان بنانے کے لیے اس پر نقطے، اعراب اور مختلف حصوں میں اس کی تقسیم کس طرح اور کب انجام پائی۔ اسی طرح قرآن کی مکی اور مدنی دونوں قسم کی سورتوں کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ قرآن مجید پریس کے ذریعہ چھپنا کب شروع ہوا اور آج اس سے متعلق ضروری اعداد وشمار کیا ہیں؟

5.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ کے سامنے بہت تفصیل کے ساتھ قرآن مجید کا تعارف اور اس کی تدوین وجمع کے طریقے آجائیں گے۔ اس کو پڑھ کر طلبہ واقف ہو جائیں گے کہ قرآن کو خود حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں کس طرح جمع اور محفوظ کیا گیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی کے زمانوں میں اس کے محفوظ اور عام کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔ طلبہ اس بات سے بھی آگاہ ہوسکیں گے کہ قرآن کب کب اور کس طرح نازل ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگا کہ قرآن میں کیا باتیں بتائی گئی ہیں اور اس کا موضوع کیا ہے؟

5.3 تعریف

لفظ ''قرآن'' عربی گرامر کی رو سے مصدر ہے، جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں، پھر یہیں سے یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، کیوں کہ پڑھنے میں بھی الفاظ جمع ہو جاتے ہیں، عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس لحاظ سے قرآن کے معنی ہو گئے ''پڑھی جانے والی کتاب''، لغت کی رو سے تو ہر کتاب کو قرآن کہا جا سکتا ہے، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ صرف اس کتاب الٰہی کے لیے مخصوص ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم اکسٹھ (61) مقامات پر اپنے کلام کا اسی نام سے ذکر فرمایا ہے۔

اس کتاب کو قرآن سے کیوں موسوم کیا گیا؟ اس کا سبب بھی اسی سے واضح ہو گیا، یعنی یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہوگی، اور واقعہ ہے کہ دنیا میں جس قدر اس کتاب کی تلاوت ہوتی ہے اور جتنی بڑی تعداد میں اس کی اشاعت عمل میں آتی ہے، دنیا کی کوئی مذہبی اور غیر مذہبی کتاب شاید اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ پڑھی جاتی ہو، اس طرح اس کتاب کو قرآن کہہ کر گویا اللہ تعالیٰ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہوگی اور آج اس پیشن گوئی کو ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

قرآن کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :

’’یہ اللہ تعالیٰ کا وہ معجز کلام (وہ کلام جس کی نظیر کوئی نہ پیش کر سکے) ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، آپ سے بغیر کسی شبہ کے بہ تواتر منقول ہے اور اس کی تلاوت عبادت ہے‘‘۔

قرآن کے بعض اور نام بھی ہیں، جنھیں خود قرآن کریم نے اپنے لیے استعمال کیا ہے، وہ نام ہیں: 1) فرقان (2) ذکر (3) کتاب (4) تنزیل۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف صفاتی نام بھی ہیں، جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔

5.4 قرآن مجید کا موضوع

جس طرح حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والی یہ کتاب بھی آخری کتاب ہے، قرآن کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کی ہدایت ورہنمائی ہے اور یہ کتاب تا قیامت لوگوں کو صحیح راہ بتلاتی رہے گی، اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، چنانچہ دیگر آسمانی کتابوں کی طرح اس میں کسی تبدیلی وتحریف کا کوئی امکان نہیں، یہ کتاب کسی خاص قوم اور گروہ کی مذہبی کتاب نہیں؛ بلکہ اس کتاب میں پوری بنی نوع انسان کو مخاطب بنایا گیا ہے، خواہ وہ کسی قوم، کسی مذہب، کسی خطہ یا کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، یہ ایک خدائی پیغام ہے جو ہر انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والا خالق اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن باتوں کو ناپسند کرتا ہے؟ اس نے اس دنیا میں انسان کو کیوں پیدا کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے مختلف سوالات ہیں جو انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کا جواب اسے اسی کتابِ الٰہی سے مل سکتا ہے۔

5.5 سورتیں اور آیتیں

قرآن مجید ایک مسلسل مضمون نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سو چودہ حصوں میں بٹا ہوا ہے، جنھیں ایک کتاب کے ابواب سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، ان ہی الگ الگ حصوں کو اللہ تعالیٰ نے ’’سورہ‘‘ کا نام عطا کیا ہے، ان سب سورتوں کے الگ الگ نام ہیں اور ہر سورہ کا ایک مستقل موضوع ہے، بعض سورتیں بہت لمبی ہیں اور بعض انتہائی مختصر، گویا ان کی مقدار میں بڑا فرق ہے، قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ ’’سورۃ الکوثر‘‘ تین آیات پر مشتمل ہے :

’’إِنَّا أَعْطَيْنَاکَ الْكَوْثَرَ O فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ O إِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْأَبْتَرُ ‘‘۔ (کوثر:3-1)

جس طرح پورے قرآن میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، اسی طرح ہر سورہ میں بھی چند آیات ہوتی ہیں، یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہیں، سورتوں کی طرح ان کی مقدار میں بھی بڑا فرق ہے، بعض آیتیں نہایت مختصر اور دو تین الفاظ پر مشتمل ہیں۔ مثلاً :

’’كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ O فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ O فِيْ صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ O مَرْفُوْعَةٍ مُطَهَّرَةٍ O بِأَيْدِيْ سَفَرَةٍ O كِرَامٍ بَرَرَةٍ‘‘۔ (عبس:16-11)

بعض آیتیں بہت بڑی اور پندرہ بیس الفاظ کی ہیں، سب سے بڑی آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر: 282 ہے، جس کو اس کے مضمون کے لحاظ سے آیت مداینت کہا جاتا ہے، موجودہ مصاحف میں ہر آیت کے اختتام پر ایک گول دائرہ بنا ہوتا ہے، جو اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ یہ آیت یہاں ختم ہوتی ہے اور آگے دوسری آیت شروع ہورہی ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر آیت ایک مکمل جملہ ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی آیات کو ملا کر ایک جملہ مکمل ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایک ہی آیت کئی جملوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں کی مقدار

مقرر کرنے میں جملوں کی تکمیل کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ قافیہ کے اہتمام کو اہمیت دی گئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اول تو اہل عرب مقفیٰ عبارتوں کے دلدادہ تھے اور دوسرے یہ چیز حفظِ قرآن میں معاون ثابت ہوتی ہے، بعد کے ادوار میں قرآن مجید میں سورتوں اور آیات کے علاوہ اور بھی تقسیمیں کی گئیں جن کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔

5.6 پہلی اور آخری آیت

قرآن حضرت محمدؐ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوا، گذشتہ مباحث میں وحی اور اس کی صورتوں پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے، حضرت محمدؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی، ان دنوں آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ آپ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت میں مشغول رہتے، ایک دن اسی غار میں اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ (حضرت جبرئیل) آیا اور آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی، یہ پہلی وحی سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی، یہ رمضان کا مہینہ تھا اور شمسی حساب سے ماہِ اگست 610ء کا زمانہ تھا، اس پہلی وحی کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جسے فترتِ وحی کہا جاتا ہے، پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور آخری وقت تک جاری رہا، سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیتیں سورہ توبہ کی آخری دو آیات ہیں:

''لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ O فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ''۔(توبہ:129-128)

اس طرح سے قرآن ایک ہی بار میں پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ حالات اور ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تئیس (23) سال کی مدت میں نازل ہوا۔

5.7 جمع قرآن عہد نبوی میں

جمعِ قرآن کی تاریخ جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن موجودہ ترتیب کے مطابق نازل نہیں ہوا، بلکہ یہ منتشر طور پر بغیر کسی ترتیب کے نازل ہوا، اس کی موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حضرت محمد کے زیر نگرانی صحابہ کرام کے ذریعہ انجام پائی۔

قرآن خدا کی آخری کتاب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی لیے اس کی حفاظت کا کام بہت بڑے پیمانے پر انجام پایا ہے، عہد نبوی میں اس کی حفاظت دو پہلوؤں سے کی گئی :

(1) حفظ کے ذریعہ۔

(2) کتابت کے ذریعہ۔

5.7.1 جمع قرآن بصورت حفظ :

عہد نبوی میں جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا، اہل عرب پڑھنا لکھنا بہت کم جانتے تھے، اس وقت پڑھنے لکھنے کے وسائل یعنی کاغذ وغیرہ بھی آسانی سے میسر نہیں تھے اور لوگ کسی بھی چیز کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے یاد کر لیتے تھے، اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، یوں بھی اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے، وہ طویل قصائد، مشہور جنگوں کے واقعات، نسب نامے حتی کہ اپنے جانوروں تک کے پشتہا پشت کے نسب نامے زبانی یاد رکھتے تھے، چنانچہ قرآن نازل ہوا تو انھوں نے پورے ذوق وشوق سے اسے یاد

کرنا شروع کر دیا، صحابہ کرام کو قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بہت سارے صحابہ نے تو اپنی زندگی ہی قرآن سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کے لیے وقف کر دی تھی، وہ رات بھر جاگ کر نمازوں میں قرآن پڑھا کرتے، کثرتِ قراءت کی وجہ سے مسجد نبوی میں اتنا شور ہونے لگا کہ نبی کو یہ ہدایت دینی پڑی کہ پست آواز میں قرآن پڑھا جائے۔

اسی محنت اور کوشش کا نتیجہ تھا کہ عہد نبوی میں ہی حفاظ صحابہ کی ایک بڑی تعداد وجود میں آ گئی تھی، روایات میں تقریباً چالیس صحابہ کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے پورا قرآن یاد کرلیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عہد نبوی میں کل صحابہ جنھیں پورا قرآن یاد تھا چالیس ہی تھے، بلکہ یہ تو وہ اصحاب ہیں جن کا نام روایات میں محفوظ رہ گیا ہے، ورنہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے نبی کریم کی حیات ہی میں قرآن مکمل حفظ کرلیا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ بئر معونہ جو آنحضور کی زندگی میں پیش آیا، صرف اس ایک غزوہ میں ستر حفاظ صحابہ کے شہید ہونے کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح آپ کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ہونے والی جنگ یمامہ میں بھی اتنے ہی حفاظ شہید ہو گئے تھے، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے پورا قرآن حفظ کرلیا تھا، پھر ایسے صحابہ کا تو کوئی شمار نہیں جنھوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے، کیوں کہ نماز میں قراءت فرض ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ اسے قرآن سرے سے یاد ہی نہ ہو، پھر حفاظ کی یہ تعداد عہد بہ عہد بڑھتی ہی رہی اور اس طرح قرآن ایک بڑی تعداد کے ذریعہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

5.7.2 جمع قرآن بصورتِ کتابت :

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ عہد نبوی میں کسی چیز کو محفوظ رکھنے کا اہم اور قابل اعتماد طریقہ حفظ کا تھا اور قرآن کو بھی اس طریقہ سے محفوظ کیا گیا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں نہ تو وسائل کتابت بہ آسانی میسر تھے اور نہ ہی لوگ بہت زیادہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، لیکن اس کے باوجود یہ قرآن کی حفاظت کا خصوصی اور نہایت اعلیٰ اہتمام تھا کہ اسے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کے ذریعہ بھی محفوظ کیا گیا، نبی قرآن کی کتابت کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی، سب سے پہلے اسے لکھواتے، پھر پڑھوا کر سنتے اور اس کی اصلاح فرماتے تاکہ غلطی کا امکان نہ رہے اور تب جا کر اس کی عام اشاعت کا حکم دیا کرتے تھے۔

چوں کہ قرآن اپنی اصل ترتیب کے مطابق نازل نہیں ہوا، چنانچہ آپ نہ صرف آیات کو لکھوایا کرتے، بلکہ سورتوں کے اندر آیات کا مقام اور سورتوں کی ترتیب کی بھی نشاندہی فرماتے تھے، حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ حضور کا معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے، عرب میں اس زمانہ میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں اور جانوروں کی ہڈیوں وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی میسر آنے پر کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

نبی کریم وحی کی کتابت کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ اس کام کے لیے آپ نے بہت سے صحابہ کو مقرر فرمایا تھا، ان کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے، یعنی یہ چالیس صحابہ تھے جو نبی کریم کے لیے کتابتِ وحی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان میں سے چند مشہور صحابہ کے نام ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت ابی بن کعب ، حضرت زید بن ثابت ، حضرت ثابت بن قیس، حضرت معاویہ، حضرت ابان بن سعید، حضرت عبداللہ بن ابی سرح۔

اس طرح عہد نبوی ہی میں قرآن مجید پورا کا پورا لکھا ہوا موجود تھا اور نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب متعین

فرمادی تھی، بہت سے صحابہ کرام کے پاس بھی قرآن کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے، گرچہ وہ مختلف ٹکڑوں، ہڈیوں اور پارچوں پر لکھے ہوئے تھے اور کتابی شکل میں نہ تھے، خود حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم کے پاس بیٹھ کر قرآن کو کاغذ کے مختلف ٹکڑوں سے اکٹھا کیا کرتے تھے، اس کا اندازہ ان روایات سے بھی ہوتا ہے جن میں نبی کریم نے قرآن کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت بیان کی ہے اور دشمن کے علاقہ میں قرآن کے نسخے لے جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کریں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن نبی کریم کی حیات ہی میں مکمل طور سے لکھا ہوا تھا اور مختلف صحابہ کے پاس بھی اس کے نسخے موجود تھے۔

5.8 جمع قرآن عہد صدیقی میں

نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ میں قرآن لکھا تو جا چکا تھا مگر وہ مختلف ٹکڑوں، ہڈیوں، پتھروں اور کاغذوں پر لکھا ہوا تھا، اُمت کے پاس اس وقت تک کوئی ایسا نسخہ بھی موجود نہ تھا جو اُمت کی اجتماعی تصدیق سے تیار ہوا ہو اور بوقت ضرورت جس کی طرف رجوع کیا جا سکے، یہ تھیں وہ وجوہات جن کی بنا پر حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں جمع قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی، حضرت عمر نے خدشہ محسوس کیا کہ کہیں اس طرح کی مزید جنگوں میں حفاظ کی بڑی تعداد شہید نہ ہو جائے، چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ وہ اُمت کی اجتماعی تصدیق سے ایک نسخہ تیار کرائیں، حضرت ابوبکر نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کیا، لیکن اس اہم کام کے لیے کسی غیر معمولی صلاحیت کے حامل فرد کی ضرورت تھی، چنانچہ ان کی نظر انتخاب حضرت زید بن ثابت پر پڑی، کیوں کہ وہ نوجوان، سمجھدار، بااعتماد شخص تھے، حافظ قرآن بھی تھے اور رسول اللہ کے لیے وحی کی کتابت کا فریضہ بھی انجام دے چکے تھے، یہ کام اس قدر ذمہ داری کا متقاضی اور اتنی اہمیت کا حامل تھا کہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ''خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا'' اس کام کے لئے حضرت عمر کو حضرت زید بن ثابت کا معاون بنایا گیا۔

اس مرحلہ میں جمع قرآن کی اہمیت اور اس سلسلے میں کیے جانے والے غیر معمولی اہتمام کا اندازہ اس طریق کار سے لگایا جا سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت نے اس موقع پر اختیار کیا، انھوں نے قرآن کا یہ نسخہ محض اپنے حفظ یا دیگر سینکڑوں حفاظ صحابہ کی یادداشت کی بنیاد پر تیار نہیں کیا، بلکہ اس کے لئے ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ، لیکن انتہائی باوثوق اور محفوظ طریقہ کا انتخاب کیا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس وقت تک اپنے نسخے میں کوئی آیت درج نہیں کرتے تھے جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی دونوں شہادتیں نہ مل جائیں، پھر وہ لکھی ہوئی آیات تب ہی قبول فرماتے تھے، جب اس تحریر کے سلسلے میں دو لوگ گواہی دے دیتے کہ یہ آیات آنحضور کی نگرانی میں لکھی گئی تھیں، پھر ان طریقوں سے اکٹھا کی ہوئی آیات کا مقابلہ ان مجموعوں سے کیا جاتا تھا، جو مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے، چنانچہ اس زمانہ میں تحقیق کے ان اعلیٰ اُصولوں کے تحت اُمت کی اجتماعی تصدیق سے قرآن کا ایک نسخہ وجود میں آیا، اگر ہم اس نسخے کی تیاری کے سلسلہ میں برتی جانے والی غیر معمولی احتیاط اور محفوظ طریق کار کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کا مقصد صرف قرآنی آیات کو ایک جگہ اکٹھا کرنا نہیں تھا، کیوں کہ اس طرح کے تو بے شمار نسخے صحابہ کرام کے پاس موجود تھے، بلکہ اس کا مقصد ایک ایسا نسخہ تیار کرنا تھا جو اُمت کی اجتماعی تصدیق کے ذریعہ تیار شدہ ہو اور جس کی موجودگی میں آگے چل کر کسی فتنہ و اختلاف کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

عہد صدیقی میں مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق قرآن کا جو نسخہ تیار ہوا، وہ درج ذیل خصوصیات کا حامل تھا :

☆ قرآن کا یہ نسخہ نہایت اعلیٰ تحقیقی اُصولوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا تھا اور اس میں اُمت کی اجتماعی تصدیق شامل تھی۔

☆ اس نسخہ میں تمام آیات آنحضرت کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، البتہ ہر سورہ علاحدہ علاحدہ لکھی گئی تھی۔

☆ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

☆ اس میں صرف وہی آیتیں شامل تھیں، جو حضرت جبرئیل نے آپ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری رمضان المبارک میں آپ کو پورا قرآن سناتے وقت پڑھی تھیں اور اسی ترتیب کے مطابق تھیں۔

حضرت ابوبکر کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر کے پاس رہے، حضرت عمر کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت حفصہؓ کے پاس رہے اور حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد مروان بن الحکیم نے اپنے عہد حکومت میں اسے اس خیال سے نذر آتش کر دیا کہ اب حضرت عثمان کے دور میں جمع کردہ مصاحف کے رسم الخط پر اُمت کا اجماع منعقد ہو چکا تھا، چنانچہ مناسب نہ تھا کہ کوئی ایسا نسخہ باقی رہے جو رسم الخط میں عثمانی مصاحف سے مختلف ہو۔

5.9 جمع قرآن عہد عثمانی میں

حضرت عثمان کے عہد میں جمع قرآن کی نوعیت جاننے سے قبل ایک بنیادی نکتہ سے واقف ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم نے قرآن کریم مختلف طریقوں سے پڑھا ہے، ان مختلف طریقوں کو قرآن کی قراءتیں کہا جاتا ہے اور قرآن میں ان تمام قرأتوں کی گنجائش ہے جو نبی کریم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، نبی کریم نے مختلف صحابہ کو مختلف قرأتوں کے مطابق قرآن کی تعلیم دی تھی۔

جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو اس وقت تک اسلام کی سرحدیں بہت وسیع ہو چکی تھیں اور اسلام دور دراز کے علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ ان ہی صحابہ سے قرآن سیکھتے جو ان کے علاقہ میں موجود تھے، اس طرح مختلف صحابہ سے قرآن سیکھنے کی وجہ سے مختلف علاقوں میں مختلف قراءتیں رائج ہوگئیں، اب جب وہ لوگ کبھی آپس میں ملتے تو اپنی قراءت کو درست اور دوسرے کی قراءت کو غلط سمجھتے، اس طرح ان میں اختلاف پیدا ہوتا اور بعض مرتبہ نوبت ایک دوسرے کو کافر قرار دینے تک پہنچ جاتی، ظاہر ہے کہ حضرت عثمان جیسا دوراندیش خلیفہ اس اہم معاملہ کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا، انھیں متعدد ذرائع سے اس طرح کے واقعات کی اطلاع مل چکی تھی اور خود مدینہ میں بھی اس قسم کے بعض واقعات پیش آئے تھے، چنانچہ انھوں نے جلیل القدر صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور بالآخر وہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمام اُمت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ پھر کوئی اختلاف و افتراق پیش نہ آئے۔

حضرت عثمان نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی، جو حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام پر مشتمل تھی، بعد میں چند اور صحابہ کو بھی اس میں شامل کیا گیا، یہاں تک کہ ان کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، اس کمیٹی نے اس کام کے لئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کیا :

1۔ اس مصحف کی تیاری کے لیے انھوں نے بنیادی طور پر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تیار کردہ صحیفہ کو سامنے رکھا، یہ صحیفہ اس وقت حضرت حفصہؓ کی تحویل میں تھا اور حضرت عثمان نے اس کام کے لیے ان سے حاصل کیا تھا۔

2۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جو صحیفہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب شکل میں نہ تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ جز میں لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے ایک نسخہ میں آنحضرت کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق سورتوں کو مرتب شکل میں تحریر کیا۔

3۔ اس مرحلہ کا سب سے اہم کام یہ تھا کہ ان حضرات نے قرآن کریم کو لکھنے کے لیے ایسا رسم الخط منتخب کیا، جس میں قرآن کی تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی غرض سے نہ تو ان پر نقطے لگائے گئے اور نہ ہی اعراب، تا کہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، یہی وہ اصل کام تھا، جس کے لیے عہد عثمانی میں جمع قرآن کی ضرورت پیش آئی تھی۔

اس طریق کار کے مطابق قرآن کریم کا جو نسخہ تیار ہوا، اس کی موجودگی میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی، کیوں کہ اس نسخہ میں تمام قراءتیں شامل تھیں اور ہر شخص اپنی قراءت کے مطابق ان سے تلاوت کر سکتا تھا۔

اس کمیٹی نے اس نئے مرتب کردہ مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت عثمان نے کل پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن معروف عالم ابوحاتم سجستانیؒ کی رائے ہے کہ کل سات مصاحف تیار کرائے گئے تھے، ان میں سے ایک مصحف مکہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ میں محفوظ رکھا گیا، اس طرح پوری اسلامی سلطنت میں ایک ہی نسخہ کو رائج کر دیا گیا۔

قرآن کریم کے یہ معیاری نسخے تیار کرانے اور انھیں پوری اسلامی مملکت میں پھیلا دینے کے بعد حضرت عثمان نے وہ تمام ذاتی نسخے جلا دینے کا حکم دیا جو مختلف صحابہ کے پاس موجود تھے، تا کہ مصحف تیار کرانے کا ان کا مقصد حاصل ہو سکے اور ساری اُمت ایک ہی مصحف پر جمع ہو جائے اور پھر کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک وہی رسم الخط رائج ہے جو حضرت عثمان نے اختیار کیا، اسی لئے اسے ''رسمِ عثمانی'' کہا جاتا ہے اور مصاحف کو اسی رسم الخط میں لکھنا ضروری ہے۔

5.10 تسہیل تلاوت کی کوششیں

عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جمع قرآن کے ذریعہ اُمت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ حفاظت قرآن کا کام بھی مکمل ہو گیا اور اسلامی ممالک میں اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت بھی عمل میں آئی، اس طرح سے قرآن اپنی مکمل اور محفوظ صورت میں ہر شخص کے پاس پہنچ گیا، لیکن جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام ان لوگوں تک پہنچا جو عربی زبان سے ناواقف تھے، تو انھیں قرآن پڑھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک قرآن میں نہ تو نقطے لگائے گئے تھے اور نہ ہی حرکات کی ضرورت محسوس کی گئی تھی، اسی طرح قراءت قرآن کے درمیان آسانی کے لیے قرآن میں مختلف حصوں کی تقسیم بھی عمل میں نہیں آئی تھی، چنانچہ بعد کے ادوار میں جیسے جیسے ضرورت محسوس کی گئی، قراءت قرآن میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے، جن کے نتیجے میں ہر شخص خواہ وہ عربی زبان سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو اس قابل ہو گیا کہ قرآن کو آسانی سے پڑھ سکے،---تسہیل تلاوت کے یہ اقدامات درج ذیل ہیں :

5.10.1 قرآن مجید پر نقطے

شروع میں اہل عرب میں نقطے لگانے کا رواج نہ تھا، بلکہ وہ بغیر نقطوں کے لکھنے اور پڑھنے کے عادی تھے، چنانچہ مصاحف عثمانی بھی نقطوں سے خالی تھے، ان مصاحف کے نقطوں سے خالی ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس طرح اس میں تمام متواتر قراءتیں سما سکیں، لیکن جب اسلام غیر عربوں تک پہنچا، تو انھیں بغیر نقطوں کے قرآن پڑھنے میں مشکل پیش آنے لگی، لہٰذا ان کی آسانی کے لئے قرآن پر نقطے لگائے گئے۔

قرآن پر نقطے لگانے کا یہ کام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں انجام پایا، عبدالملک بن مروان نے یہ اہم کام حجاج بن یوسف کے سپرد کیا تھا اور حجاج بن یوسف نے اسے نصر بن عاصم لیثی اور یحیٰی بن یعمر عدوانی کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر نقطے لگانے کا کام سب سے پہلے ابوالاسود دوئلیؒ نے انجام دیا اور یہ کہ عبدالملک بن مروان سے پہلے ابن سیرین کے پاس بھی ایک نقطوں والا قرآن موجود تھا، ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابوالاسود دوئلیؒ نے قرآن پر سب سے پہلے نقطے لگائے، لیکن یہ ایک انفرادی عمل تھا اور ان کے ذاتی نسخے تک محدود تھا، پھر اس کے بعد ابن سیرین نے بھی اپنے ذاتی مصحف پر نقطے لگائے، پھر عبدالملک بن مروان کے دور میں یہ کام سرکاری سطح پر انجام پایا، جسے قبولِ عام حاصل ہوا اور اس سے عرب وعجم سب مستفید ہوئے۔

5.10.2 قرآن مجید پر اعراب

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) بھی نہیں تھیں، کیوں کہ عربوں میں اس کا رواج نہ تھا اور وہ بغیر حرکات کے لکھنے پڑھنے کے عادی تھے، لیکن جب غیر عرب لوگ قرآن پڑھنے میں غلطیاں کرنے لگے تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن پر حرکات لگائی جائیں، چنانچہ سب سے پہلے ابوالاسود دوئلیؒ نے حرکات وضع کیں، لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ، پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ اور تنوین کے لئے دو نقطے لگائے گئے، بعد میں خلیل بن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں۔

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے یحییٰ بن یعمرؒ، نصر بن عاصمؒ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآن پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی، اس موقعہ پر نقطوں اور حرکات میں التباس کے خوف سے ان حضرات نے وہ حرکات وضع کیں جو آج بھی معروف ہیں۔

5.10.3 منزلیں، پارے اور رُکوع

صحابہ کرام کا عام معمول تھا کہ وہ ہفتے میں ایک بار قرآن ختم کرلیا کرتے تھے، انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار متعین کی ہوئی تھی اور قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کیا تھا، ان میں سے ہر حصہ کو حزب یا منزل کہا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ یہ سات احزاب کسی معنی اور مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے نہیں بنائے گئے تھے، بلکہ محض اس لیے بنائے گئے تھے کہ ہر حصہ ایک دن میں ختم ہوجائے اور اس طرح سات دنوں میں پورا قرآن ختم ہوسکے، ان احزاب کی تقسیم اس طرح تھی کہ پہلا حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا، چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا، چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری سورہ ''ق'' سے آخر قرآن تک کا تھا۔

پورے قرآن کو برابر کے تیس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یہ حصے ''اجزا'' یا ''پارے'' کہلاتے ہیں، یہ تقسیم من جانب اللہ نہیں ہے اور عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں اس کا وجود بھی نہ تھا، حجاج بن یوسف کی امارت (73ھ تا 95ھ) میں یہ تقسیم عمل میں آئی، چنانچہ اس تقسیم کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اس تقسیم میں قرآن کے معانی ومطالب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ قرآن کو پڑھنے، حفظ کرنے اور قرآن کی تعلیم میں آسانی کی غرض سے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی ہے، بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم نے صحابہ کرام کے لیے یہ بات پسند فرمائی تھی کہ وہ مہینے میں ایک بار قرآن ختم کرلیا کریں، چنانچہ اسی ہدایت کے پیش نظر یہ تقسیم کی گئی تا کہ ہر مسلمان روزانہ ایک جز پڑھ کر مہینے میں ایک قرآن ختم کرنے کا شرف حاصل کرسکے۔

جس طرح پورے قرآن کو تیس مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اسی طرح ہر حصے کو مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یہ

حصے رکوع کہلاتے ہیں، یہ تقسیم معنی کے اعتبار سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام مکمل ہوا وہاں رکوع مکمل ہوگیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ عربی زبان سے ناواقف لوگ ازخود یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کس جگہ تلاوت کا سلسلہ ختم کردینا مناسب ہوگا، چنانچہ ان کی سہولت کے لیے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی، تعیین رکوع کے سلسلہ میں ایک اور بات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور وہ یہ کہ تقسیم میں آیتوں کی ایک مناسب تعداد کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس طرح ایک پارہ عموماً پندرہ بیس رکوعوں میں منقسم ہے، اس کا مقصد آیات کی ایک ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے، جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے اور اس کو رکوع اسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، ظاہر ہے کہ اس تقسیم کو بھی کوئی شرعی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

5.10.4 رموزِ اوقاف

قرآن مجید کی تلاوت میں سہولت کے لیے ایک اہم اور مفید کام یہ کیا گیا کہ آیات کے درمیان ایسی علامتیں مقرر کردی گئیں، جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ رکنا یا ٹھہرنا کیسا ہے؟ ان علامتوں کو ''رموزِ اوقاف'' کہتے ہیں، ان کی مدد سے ایک عربی سے ناواقف انسان بھی درست طریقہ سے تلاوت کرسکتا ہے اور صحیح جگہ پر ٹھہر سکتا ہے، ان علامات کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ غلط جگہ پر وقف کرنے سے معنی میں بسااوقات غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے، معنی کی اسی تبدیلی سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ علامات وضع کی گئی ہیں، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندیؒ نے وضع فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ اہم رموز درج ذیل ہیں :

- ط : اس کا مطلب ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لیے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔
- ج : اس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔
- ز : اس کا مطلب ہے کہ یہاں وقف کرنا تو درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔
- م : یہ وقفِ لازم کا مخفف ہے، یعنی یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا ضروری ہے۔
- لا : اس کا مطلب ہے کہ یہاں نہ ٹھہرا جائے اور اگر اس مقام پر وقف کیا جائے تو بہتر ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے۔
- قف : اس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ، یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

5.11 قرآن مجید پریس پر

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا، قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے اور ہر دور میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے کتابتِ قرآن کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا، پھر جب پریس ایجاد ہوا، تو سب سے پہلے 1113ھ میں ہیمبرگ کے مقام پر قرآن کریم طبع ہوا، جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے، لیکن یہ نسخے اسلامی دنیا میں مقبول نہ ہوسکے، مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں 1887ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا، 1828ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا اور پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہوگئے۔

5.12 قرآن مجید سے متعلق ضروری اعداد و شمار

- قرآن مجید کی کل سورتوں کی تعداد : 114

- مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعداد	:	86
- مدنی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعداد	:	28
- قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد	:	6236
- قرآن مجید کے کل کلمات کی تعداد	:	77932
- قرآن مجید کے کل حروف کی تعداد	:	332015
- قرآن مجید کے کل اجزا (پارے) کی تعداد	:	30
- قرآن مجید کے کل احزاب کی تعداد	:	7
- قرآن مجید میں سجدوں کی تعداد	:	15 (جن میں سے ایک کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہاں سجدہ کیا جائے گا یا نہیں؟)۔
- قرآن مجید کی سب سے بڑی سورۃ	:	سورہ بقرہ
- قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورۃ	:	سورہ کوثر
- قرآن مجید کتنے سال کی مدت میں نازل ہوا	:	تقریباً 22 سال 5 ماہ 14 دن
- پہلی وحی	:	سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات
- آخری وحی	:	سورہ توبہ کی آخری دو آیات
- عہد نبوی میں قرآن مجید کے ان حفاظ کی تعداد، جن کے ناموں کی صراحت ملتی ہے	:	42
- کاتبین وحی کی تعداد	:	40

5.13 مکی و مدنی سورتیں

قرآن کریم کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی، آخر سورتوں کے مدنی اور مکی ہونے کا مفہوم کیا ہے؟ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں، لیکن حقیقتاً یہ تقسیم زمانۂ نزول کے اعتبار سے ہے، یعنی نبی کی مدینہ ہجرت سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ وہ کسی بھی جگہ نازل ہوئی ہوں۔ اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ کسی مقام پر نازل ہوئی ہوں، آیات اور سورتوں کے درمیان مکی اور مدنی کی یہ تقسیم اگر چہ نبی کریم سے مروی نہیں، لیکن بعد میں صحابہ اور تابعین نے آیات اور سورتوں کے بارے میں وضاحت کی کہ فلاں سورہ یا آیت مکی ہے اور فلاں مدنی، اس کے علاوہ بعض دیگر شواہد کی بنیاد پر بھی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی سورہ یا آیت مکی ہے یا مدنی؟ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

مکی اور مدنی سورتیں چوں کہ مختلف حالات اور ماحول میں نازل ہوئیں اور ان کے مخاطب بھی مختلف تھے، اسی لیے ان کے انداز اور اُسلوب میں فرق پایا جاتا ہے، مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چوں کہ زیادہ تر عرب کے بُت پرستوں سے تھا اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں

آئی تھی، اس لیے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بُت پرستوں کی مدلل تردید، مظاہر فطرت پر غور وفکر کی دعوت اور قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا۔

5.13.1 مکی سورتوں کی خصوصیات

مکی سورتوں کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں :

1۔ مکی سورتوں میں عام طور سے مشرکین اور بُت پرستوں کو خطاب کیا گیا ہے اور اہل کتاب اور منافقین کو مخاطب نہیں بنایا گیا ہے۔

2۔ مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت کو صبر وتسلی کی تلقین اور پچھلی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، ان سورتوں میں احکام وقوانین بہت کم بیان ہوئے ہیں۔

3۔ مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں اور ان کا اُسلوب بیان زیادہ پرشکوہ ہے، ان میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں اور ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے۔

اس کے علاوہ مکی سورتوں کی پہچان کے لیے بعض علما کے نزدیک چند مخصوص علامات بھی ہیں جو درج ذیل ہیں :

1۔ مکی سورتوں میں عموماً ''**یا ایھا الناس** '' (اے لوگو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

2۔ ہر وہ سورہ جس میں لفظ ''**کلا**'' (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں 33 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

3۔ ہر وہ سورہ جس میں کوئی سجدے کی آیت آئی ہے، مکی ہے۔

4۔ سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورہ جس میں آدم وابلیس کا واقعہ آیا ہے وہ مکی ہے۔

5.13.2 مدنی سورتوں کی خصوصیات

مدینہ طیبہ میں چوں کہ ایک اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے، بُت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا، اس لیے یہاں احکام وقوانین اور حدود وفرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی اور اسی کے مناسب اُسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

مدنی آیات اور سورتوں کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں :

1۔ مدنی سورتوں میں زیادہ تر خطاب اہل کتاب اور منافقین سے ہے۔

2۔ مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کیے گئے ہیں۔

3۔ مدنی آیات اور سورتیں طویل اور مفصل ہیں اور ان کا اُسلوبِ بیان مکی سورتوں کی بہ نسبت سادہ ہے اور ان کا ذخیرۂ الفاظ مکی سورتوں کی طرح وسیع نہیں۔

اس کے علاوہ مدنی سورتوں کی بعض علامات درج ذیل ہیں :

1۔ مدنی سورتوں میں عموماً ''**یا ایھا الذین آمنوا** '' (اے ایمان والو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

2۔ ہر وہ سورہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

3۔ ہر وہ سورہ جس میں منافقین کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔

5.14 اکتسابی نتائج

- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام معجز ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور بغیر شبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے۔
- قرآن مجید ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے اور اس کی سورتیں اور آیتیں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائی ہیں۔
- نزولِ قرآن کا آغاز اگست 610ء میں ہوا، اور تقریباً 23 سال کی مدت میں پورا قرآن نازل ہوا۔
- عہد نبوی ہی میں بہت سے صحابہ وصحابیات قرآن مجید کے حافظ تھے اور تحریری طور پر بھی قرآن جمع ہو چکا تھا۔
- عہد صدیقی میں حافظوں کے علاوہ قرآنی نوشتوں کی مدد سے ایک جگہ پورا مصحف مرتب کیا گیا، البتہ اس میں ہر سورہ الگ الگ دفتروں میں تھی۔
- حضرت عثمان غنی نے دوبارہ قرآن مجید کو حفاظ اور صحابہ کے نوشتوں سے جمع کیا اور اس انداز پر کتابت کرائی کہ وہ مختلف قرأتوں کو شامل ہو۔
- عبدالملک بن مروان کے عہد میں قرآن پر نقطے لگوائے گئے اور حرکتیں دی گئیں اور ابوالاسود دوئلی کو اس خدمت کا اعزاز حاصل ہوا۔
- صحابہ کے دور میں قرآن کو سات احزاب اور حجاج بن یوسف کے عہد میں 30 پاروں میں تقسیم کیا گیا، اور بعد کے لوگوں نے رکوع مقرر کیے، نیز ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی نے رموز اوقاف متعین کیے۔ قرآن کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی۔ اور مضامین واُسلوب کے اعتبار سے دونوں کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔

5.15 نمونۂ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ قرآن کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کے موضوع کی وضاحت کیجیے۔

2۔ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تقسیم کی وضاحت کے ساتھ اس کی پہلی اور آخری آیت پر روشنی ڈالیے۔

3۔ عہد عثمانی میں جمع قرآن کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔

4۔ قرآن کریم کی منزلیں، پارے اور رکوع پر گفتگو کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ عہد نبوی میں جمع قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالیے۔

2۔ عہد صدیقی میں جمع قرآن پر ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ قرأت قرآن میں آسانی پیدا کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟ مفصل لکھیے۔

4۔ مکی اور مدنی سورتوں میں کیا فرق ہے؟ ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

5.16 تجویز کردہ کتابیں

1۔	علوم القرآن	:	مولانا محمد تقی عثمانی
2۔	علوم القرآن	:	ڈاکٹر صبحی صالح (ترجمہ: غلام احمد حریری)
3۔	مناھل العرفان فی علوم القرآن	:	دکتور عبدالعظیم زرقانی
4۔	الإتقان فی علوم القرآن	:	جلال الدین سیوطی
5۔	جمع قرآن	:	مولانا عبداللطیف رحمانی

۔:oOo:۔

اکائی 6 : قرآنی تعلیمات

اکائی کی ساخت

6.1 تمہید

6.2 مقصد

6.3 قرآن کی معاشی تعلیمات

6.4 قرآن کی معاشرتی تعلیمات

6.5 قرآن کی سیاسی تعلیمات

6.6 قرآن اور بین قومی تعلقات

6.7 قرآن کی اخلاقی تعلیمات

6.7.1 اچھے اخلاق

6.7.2 بُرے اخلاق

6.8 اکتسابی نتائج

6.9 نمونہ امتحانی سوالات

6.10 تجویز کردہ کتابیں

6.1 تمہید

قرآن مجید اس زمین پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور بندوں کی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ انسانیت کے لئے ایک جامع ترین ہدایت نامہ اور زندگی کے ہر گوشے سے متعلق تعلیمات پر مشتمل ایک مکمل دستور ہے، اس کی تعلیمات میں الٰہیات کے ضروری حقائق اور دین کے اُصول وقواعد کی تفصیل بھی ہے اور انسانی آداب واخلاق کی تشریح بھی، فرد کی تربیت کے خطوط بھی ہیں اور معاشرہ کی تعمیر کے اُصول بھی، خاندانی، معاشرتی، تمدنی، معاشی اور سیاسی احکام بھی ہیں اور صلح وجنگ کے آداب وقوانین بھی، ان تعلیمات میں غایت درجہ اعتدال، عقلیت اور فطرت سے ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اسی لیے یہ ہر قوم، ہر زمانہ اور ہر ملک کے لیے یکساں طور پر موزوں ہیں، یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود آج بھی یہ تعلیمات حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا صحیح حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

زیر نظر اکائی میں قرآن کریم کی چند اہم تعلیمات درج کی گئی ہیں۔ اس میں سب سے پہلے قرآن کی معاشی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، پھر

سماجی زندگی سے متعلق احکام وآداب کو معاشرتی تعلیمات کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔سیاسی تعلیمات کے ضمن میں انسانی حقوق کی بابت اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قرآن کی ہدایات ذکر کی گئی ہیں۔آخر میں اخلاقی تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے فضائل کو پھر بری عادتوں اور رذائل کو بیان کیا گیا ہے۔

6.2 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس بات سے واقف ہوں گے کہ قرآن کریم میں کس طرح کی تعلیمات ذکر کی گئی ہیں۔زندگی کے مختلف میدانوں کے بارے میں قرآن کی اصولی ہدایات سے انھیں آگاہی ہوگی، اور وہ جان سکیں گے کہ قرآن کے پیش کردہ معاشی تصورات کیا ہیں؟ معاشرتی زندگی کے تعلق سے کن حقوق واحکام کا تذکرہ قرآن میں کیا گیا ہے، سیاسی زندگی اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں قرآن کی ہدایات کیا ہیں اور قرآن کریم انسانوں کو کن اخلاقی اوصاف وفضائل سے آراستہ کرنا اور کن بری باتوں سے بچانا چاہتا ہے؟

6.3 قرآن کی معاشی تعلیمات

اس روئے زمین پر انسان کی فطری اور لازمی ضرورتوں میں سے ایک معاشی ضرورت بھی ہے، چنانچہ قرآن نے انسان کے معاشی مسئلہ سے بھی بحث کی ہے، اس نے انسان کے معاشی نظام پر قدغن نہیں لگائی، بلکہ اس کے لیے صحیح خطوط فراہم کیے ہیں، قرآن کی اہم معاشی تعلیمات درج ذیل ہیں :

☆ خرید وفروخت درست ہے اور یہ حلال طریقہ پر ہونی چاہیے، غلط طریقوں سے مال کمانا جائز نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ . (29:4)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

☆ تجارت اور معاش میں کھو کر انسان کو اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا چاہیے۔

''رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ''۔(37:24)

کامیاب وہ لوگ ہیں جنھیں خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر دیتی۔

☆ اُجرت پر کام کرنا درست ہے اور انبیا نے بھی اسے ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا ہے۔

''قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمَانِيَ حِجَجٍ''۔(27:28)

انھوں نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔

دوسری جگہ ہے : ''قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا''۔(77:18)

(موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت ہی لے لیتے۔

☆ رہن کے معاملات درست ہیں اور رہن رکھی جانے والی چیز پر جب تک مرتہن کا قبضہ نہیں ہو جاتا، رہن منعقد نہیں ہوتا۔

''وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِباً فَرِهٰنٌ مَقْبُوْضَةٌ''۔(283:2)

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔

☆ جس شخص کے پاس کوئی امانت ہو، اس کی ذمہ داری ہے کہ بحفاظت امانت واپس کرے۔

''اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا''۔(58:4)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچاؤ۔

''فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضاً فَلْیُؤَدِّ الَّذِیْ اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ''۔(283:2)

اگر تم ایک دوسرے کے پاس امانت رکھو، تو جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ اسے ادا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔

☆ امانت میں خیانت کرنا قبیح فعل ہے اور ممنوع ہے۔

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''۔(27:8)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔

☆ قرآن ناپ تول میں ایمانداری کی تعلیم دیتا ہے اور کم تولنے کو زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔

''فَاَوْفُوْا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلاَ تَبْخَسُوْا النَّاسَ اَشْیَاءَ ھُمْ وَلاَ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاحِھَا''۔(85:7)

ناپ تول میں کمی نہ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ برپا کرو۔

☆ ترازو یا پیمانہ بالکل درست ہونا چاہیے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے۔

''وَاَوْفُوْا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْم''۔(35:17)

جب تم تولو تو پورا تولو اور صحیح ترازو سے وزن کرو۔

☆ دوسروں کو کم دینے والے اور ان سے پورا لینے والے تباہی سے دوچار ہوں گے اور انجام کار گھاٹے میں رہیں گے۔

''وَیْلٌ لِلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ، وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْوَزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ''۔(83:1-3)

تباہی و بربادی ہے کم کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے تول کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

''اَوْفُوْا الْکَیْلَ وَلاَ تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ''۔(181:26)

پورا پورا تولو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بنو۔

☆ قرآن قرض کے لین دین سے متعلق اہم ہدایات دیتا ہے، اس میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ قرض لوٹانے کی مدت متعین ہو۔

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنُ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ''۔(282:2)

اے ایمان والو! جب تم قرض کا معاملہ کرو ایک متعینہ مدت تک، تو اسے لکھ لو۔

☆ اس سلسلہ میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ قرض چھوٹا ہو یا بڑا اسے لکھنے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنُ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلاَ تَسْئَمُوْا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْراً اَوْ کَبِیْراً اِلٰی اَجَلِہٖ''۔
(282:2)

اے ایمان والو! جب تم قرض کا معاملہ کرو، ایک متعینہ مدت تک، تو اسے لکھ لو اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو اس کی متعین مدت تک۔

☆ اس سلسلہ کی ایک اور ہدایت یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو اس معاملہ کا گواہ بنالیا جائے۔

"وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَءَ تَانِ "۔(282:2)

اور مردوں میں سے دو لوگوں کو اس کا گواہ بنالو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔

☆ ان ہدایات کا مقصد یہ ہے کہ اس طریقہ سے ثبوت پختہ ہو جاتے ہیں اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، نتیجتاً تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

"ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوْا "۔(282:2)

یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی راہ ہے اور شہادت کی بہترین صورت ہے اور اس سے تمہارے شک وشبہ میں پڑنے کے مواقع باقی نہیں رہتے۔

☆ قرآن صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور انبیا کو صنعتوں کی جو تعلیم دی گئی اسے خدا کی جانب سے فضل وانعام شمار کرتا ہے۔

"وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ "۔(8:21)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے جنگی لباس بنانے کا طریقہ بتایا تاکہ تمہیں تمہاری جنگوں سے محفوظ رکھ سکے۔

"وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلاً يٰجِبَالُ أَوِّبِيْ مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا "۔(۳۴:۱۰-۱۱)

اور ہم نے داؤد کو اپنے خاص فضل سے نوازا، (ہم نے کہا) اے پہاڑ اور پرندو! اس کے ساتھ پڑھو، اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ اس سے کشادہ زرہیں بناؤ اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں بناؤ اور بھلائی کے کام کرو۔

☆ سود حرام ہے اور تمام سودی کاروبار ناجائز ہیں۔

"اَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا "۔(275:2)

اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ "۔(278:2)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو ذرا بھی سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔

☆ سود کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور بسا اوقات اصل مال سے کئی گناہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً "۔(13:3)

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ کئی کئی گنا۔

☆ ہر مال جو غلط طریقہ سے کمایا جائے حرام ہے، خواہ وہ غصب کے ذریعہ کمایا گیا ہو، یا رشوت لے اور دے کر حاصل کیا گیا ہو۔

" وَلاَ تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوْا فَرِيْقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ "۔ (188:2)

آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے نہ کھاؤ اور حاکموں تک مال اس غرض سے نہ پہنچاؤ کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کا مال گناہ کرتے ہوئے کھاسکو دراں حالاں کہ تم اس سے واقف ہو۔

☆ قرآن ذخیرہ اندوزی کو نا قابل معافی جرم قرار دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سناتا ہے۔

" وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ''۔(34:9)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خبر سنادو۔

"وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ O اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ''۔(104:1-2)

تباہی ہے ہر غیبت کرنے والے اور عیب لگانے والے کی جس نے دولت اکٹھی کی اور اس کو گن گن کر رکھا، سمجھتا ہے کہ اس کی دولت اس کو ہمیشہ رکھے گی۔

☆ قرآن دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا، دولت کے ارتکاز ہی کو روکنے کے لیے اس نے صدقہ وخیرات کا نظام پیش کیا ہے۔

"كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ''۔(7:59)

تا کہ یہ دولت صرف تمہارے دولت مندوں ہی تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

☆ اسلام ضرورت مندوں کے درمیان مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو اپنا مال محتاجوں میں خرچ کرتے ہیں۔

" وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ''۔(19:51)

اور ان کے مال میں سائلوں اور محتاجوں کا حصہ ہے۔

☆ قرآن انفاق پر اُبھارتے ہوئے اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، کہ انسان کا سارا مال اسی دنیا میں رہ جانے والا ہے، اور اسے بالآخر ایک ایسے دن کا سامنا کرنا ہے جب کوئی مال اور دولت کام آنے والی نہیں۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّاتِیَ يَوْمٌ لا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ''۔(2:254)

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی فروخت ہوگی، نہ دوستی اور نہ ہی کوئی سفارش۔

☆ قرآن انفاق یعنی ضرورت مندوں پر خرچ کرنے میں بھی اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔

"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً ''۔(17:26)

قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو اور بہت زیادہ فضول خرچی نہ کرو۔

"وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَلاَ تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ''۔(2:195)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

☆ قرآن ان لوگوں کو اللہ کے حقیقی فرمانبردار بندوں میں شمار کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، نہ تو کنجوسی کرتے ہیں اور نہ ہی بہت

زیادہ اسراف کرتے ہیں، بلکہ میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں۔

"وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَاماً "۔(25: 67)

وہ لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں، تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی کنجوسی کرتے ہیں، وہ میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں۔

☆ قرآن فضول خرچی کو ناپسند کرتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کا معاون قرار دیتا ہے۔

"اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ "۔(27:17)

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

☆ قرآن والدین، اعزہ واقربا، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

"قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ "۔(215:2)

کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو تو وہ والدین کے لیے، قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے۔

☆ قرآن اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ معاشی و رزقی اعتبار سے مراتب و مدارج کا اختلاف قدرتی تقسیم ہے اور معاشی نظام کے جاری رہنے کے لیے ضروری ہے۔

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَعِیْشَتَهُمْ فِیْ الحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِیًّا "۔ (32:43)

ہم نے ان کی دنیوی زندگی کی روزی ان میں تقسیم کردی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے، تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کرلے۔

☆ ایمان وتقویٰ، توبہ واستغفار اور شکر سے آسمانی برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

"وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ یُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِدْرَاراً وَیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ "۔(52:11)

اے قوم کے لوگو! اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل کرے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔

"وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ "۔(7:14)

اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

☆ کفر واعراض کی روش اختیار کرنے کا نتیجہ معاشی تنگی و بدحالی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا "۔(124:20)

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی۔

6.4 قرآن مجید کی معاشرتی تعلیمات

☆ سارے انسان برابر ہیں، مرد کو عورت پر یا کسی گروہ کو دوسرے گروہ پر پیدائشی بنیاد پر فضیلت حاصل نہیں۔

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ "۔

(13:49)

اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

☆ عمل کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں۔

”أَنِّیْ لاَ أُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ “۔(195:3)

میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔

☆ قرآن نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور محض معاشی پس ماندگی کے خیال سے نکاح میں تاخیر کو پسند نہیں کرتا۔

”وَأَنْكِحُوا الاَیَامیٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِینَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ إِنْ یَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ “۔ (32:24)

اور تم میں سے جو کنوارے ہوں اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں، ان کا نکاح کر دو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا۔

☆ جو لوگ کسی وجہ سے نکاح نہ کر سکتے ہوں، انھیں چاہیے کہ وہ صبر وضبط کا دامن تھامے رہیں۔

”وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لاَ یَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰی یُغْنِیَهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ “۔(33:24)

اور اپنے آپ کو بچاتے رہیں وہ لوگ جو نکاح نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے بے نیاز کر دے۔

☆ قرآن زیادہ سے زیادہ چار نکاح کی اجازت دیتا ہے، لیکن اگر بیویوں کے درمیان انصاف ممکن نہ ہو تو ایک ہی نکاح کی تلقین کرتا ہے۔

”فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً “۔(3:4)

تمھیں جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کر لو، دو، تین، چار، لیکن اگر تمھیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔

☆ قرآن نکاح کے سلسلے میں عورتوں کی رائے کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور انھیں اس بات کا حق دیتا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق نکاح کریں۔

”فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ “۔(232:2)

تو اب ان کو نہ روکو کہ وہ اپنی پسند کے شوہر سے نکاح کر لیں، جب وہ آپس میں راضی ہو جائیں دستور و رواج کے مطابق۔

”فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ “۔(234:2)

جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو رواج کے مطابق اپنے حق میں جو بھی کریں، تم پر کوئی گناہ نہیں۔

☆ اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے۔

”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُوْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ “۔(5:5)

تمہارے لیے حلال ہیں، پاکباز مسلمان عورتیں اور وہ پاکباز عورتیں جن کے پاس تم سے پہلے کتاب آ چکی ہے، جب کہ تم انھیں ان کے مہر ادا

کردو۔

☆ وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا ممنوع ہے، قرآن کی ان آیتوں میں بیان ہوئی ہیں۔

”وَلاَ تَنْكِحُوا مَانَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتاً وَسَآءَ سَبِيْلاً ، حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالاَتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِي فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللاَّتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلآئِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلاَبِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ إِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً رَّحِيْماً “۔(4:22-23)

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، انھیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ، مگر جو ہو چکا ہے، یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بدترین راہ ہے، تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھائی اور بہن کی بیٹیاں، تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، کہ اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو کوئی حرج نہیں، تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا، مگر جو ہو چکا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

☆ مسلمان مردوں کا مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح مسلمان عورتوں کا مشرک مردوں سے نکاح بھی ناجائز ہے۔

”وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا“۔ (2:221)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور مومن باندی مشرکہ سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں اچھی لگے اور مشرک مردوں سے نکاح مت کرو جب تک ایمان نہ لے آئیں۔

☆ نکاح کے بعد عورت کی عصمت وآبرو کے احترام کے طور پر مہر واجب ہوتا ہے، جو شوہر کو ادا کرنا ضروری ہے۔

”فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ “۔(4:24)

تم نے جو ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا ہے، تو ان کو ان کے مقرر کردہ حق (مہر) دو اور مقرر کرنے کے بعد تم باہمی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں کوئی حرج نہیں۔

”وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً “۔(4:4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دے دو۔

☆ قرآن مردوں کو عورتوں کے ساتھ معاشرت بالمعروف کی ہدایت دیتا ہے اور اگر کوئی چیز ناگوار گزرے تو اسے نظر انداز کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

”وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً “۔(4:19)

اور ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو اور اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اسے خوب خیر کا ذریعہ

بنادے۔

☆ اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے کہ میاں بیوی دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہ ہو، تو قرآن ایسے موقع کے لیے شوہر کو طلاق کا حق دیتا ہے، لیکن اس وقت بھی اسے حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَامْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ "۔(231:2)

جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں تو ان کو بھلے طریقے سے روک لو یا اچھے طریقے سے رخصت کردو۔

☆ بعض صورتوں میں عورت کو بھی یہ اختیار ہے کہ وہ کچھ دے دلا کر شوہر سے الگ ہوجائے، اسے خلع کہتے ہیں۔

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ "۔(229:2)

اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حدود کی پاسداری نہ کرسکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس میں جو عورت بدلے میں دے کر الگ ہوجائے۔

☆ عورت اور مرد میں سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں، لیکن ایک خاندان کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے ایک ذمہ دار کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ذمہ داری مرد کو سونپی گئی ہے۔

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ "۔(228:2)

اور عورتوں کو بھی حق حاصل ہے جیسے کہ ان پر حقوق عائد ہوتے ہیں، دستور کے مطابق البتہ مردوں کو ان پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

"اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ "۔(34:4)

مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

☆ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے رہنے، کھانے، پہننے کا انتظام کرے اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی ضروریات پوری کرے۔

"اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلاَ تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولاَتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى O لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللهُ"۔(6:65-7)

ان کو رہنے کے لئے گھر دو جہاں تم خود رہو اپنے مقدور کے مطابق اور انھیں تکلیف نہ پہنچاؤ تا کہ ان پر گرفت رکھو، اور اگر وہ حمل سے ہوں تو ان پر خرچ کرو جب تک بچہ نہ جن دیں، پھر اگر وہ تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو انھیں ان کی مزدوری دو اور آپس میں بھلے طریقے کی تعلیم دو، اور اگر تم آپس میں ضد کرو تو کوئی اور عورت اسے دودھ پلائے، چاہیے کہ دولت مند شخص اسی لحاظ سے خرچ کرے، اور جس کی روزی محدود ہے وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔

☆ اگر شوہر بیوی کی جانب سے نافرمانی محسوس کرے تو وہ اسے سمجھائے، اگر پھر بھی نہ مانے تو بستر الگ کردے اور اگر کوئی طریقہ کارگر نہ ہو تو اخیر میں ہلکی پھلکی مار کی بغرض اصلاح گنجائش ہے۔

"وَاللاَّتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً "۔(34:4)

اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی (نُشُوز) کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ اور ان کے بستر الگ کردو اور مارو (اضْرِبُوهُنّ)، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام کی راہ مت تلاش کرو۔ (نشوز اور ضرب کو نبی کریمؐ کے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ خطبہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیادیں تشکیل کرتا ہے)

☆ اگر شوہر و بیوی میں رنجش ہو جائے اور وہ آپس میں اسے حل نہ کر سکیں تو چاہیے کہ دونوں کی جانب سے ایک ایک حَکَم متعین کیے جائیں، جو ان کے درمیان صلح کرادیں۔

”وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهُمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ اَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَاَ اِصْلَاحاً يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا “۔(35:4)

اگر تمھیں ان کے درمیان رنجش کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کی جانب سے اور ایک حکم عورت کی جانب سے متعین کرو، اگر وہ صلح چاہیں گے تو اللہ انھیں اس کی توفیق دے گا۔

☆ عورتوں کی اصل جگہ ان کا اپنا گھر ہے اور ان کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا بہتر نہیں۔

”وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى “۔(33:33)

اپنے گھروں میں رہو اور اس طرح نہ دکھاتی پھرو جیسا کہ پہلے نادانی کے وقت دستور تھا۔

☆ اگر ضرورت کے تحت انھیں باہر نکلنا پڑے تو انھیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہیے، اپنا بدن چادر سے ڈھک لینا چاہیے اور زیب و زینت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

”وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ “۔(31:24)

مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی ستر تھامتی رہیں اور اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے اور اپنے گریبان پر اپنی چادر ڈال لیں۔

اس پردے کا فائدہ یہ ہے کہ جب لوگ انھیں دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ پاکدامن عورتیں ہیں اور ان کی طرف غلط نظر نہ ڈالیں۔

”يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلاَ يُؤْذَيْنَ “۔(59:33)

اے نبی ﷺ! اپنی عورتوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں۔

☆ عورتیں اپنی زینت کچھ لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں، جن سے ہمیشہ واسطہ رہتا ہے اور جن سے مکمل پردہ باعث مشقت ہے، وہ لوگ درج ذیل ہیں :

”وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَائِهِنَّ اَوْ اٰبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِىْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْبَنِىْ اَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءِ هِنَّ أَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُوْلِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلاَ يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ “۔(31:24)

اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ کے یا شوہر کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے، یا خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے، یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں اور باندیوں کے یا بے غرض ملازموں کے، یا لڑکوں کے سامنے جو ابھی سن شعور کو پہنچے، اور وہ اپنے پیروں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی پوشیدہ زینتیں ظاہر ہو جائیں۔

☆ اہل خانہ اور اولاد کی صحیح تربیت کرنا اور انھیں غلط راستے سے روکنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَاراً "۔(6:66)

اے ایمان والو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

☆ قرآن والدین سے حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر وہ خدا کی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے، اگر وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو جھڑکنے حتیٰ کہ اُف تک کہنے سے منع کرتا ہے اور ان کی اطاعت کی ہدایت دیتا ہے۔

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِکُوْا بِهِ شَیْئاً وَبِالْوَالِدِیْنَ اِحْسَاناً "۔(36:4)

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو۔

"قَضٰی رَبُّکَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً کَرِیْماً ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراً"۔ (۲۴:۱۷)

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "اُف" نہ کہو اور انھیں نہ جھڑکو اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرو، اور ان کے سامنے عاجزی سے جھک جاؤ اور پیار کا سلوک کرو اور کہو کہ اے رب! ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

☆ قرآن صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔

"وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهِ وَالْاَرْحَامَ "۔(1:4)

اللہ سے ڈرتے رہو جس کا تم آپس میں واسطہ دیتے ہو اور رشتوں ناتوں کا خیال رکھو۔

"اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِیْ الْقُرْبٰی "۔(90:16)

اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا اور حسن سلوک کا اور قرابت داروں کو نوازنے کا۔

اسی طرح رشتے ناتے توڑنے کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو خدا کی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔

"فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَکُمْ ، اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ "۔(23،22:47)

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت ملے تو تم زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے ناتے توڑو گے، ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

☆ قرآن والدین اور قرابت داروں کے ساتھ ساتھ یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، سفر کے ساتھیوں اور مسافروں سے بھی حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

"وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ

وَابْنِ السَّبِيْلِ ''۔(36:4)

والدین، قرابت داروں، یتیموں، فقیروں، قریبی پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں، برابر کے رفیقوں اور راہ کے مسافروں سے حسن سلوک کرو۔

☆ دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینی ضروری ہے اور اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلا جانا بہتر ہے۔

''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَانِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا ذَالِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ، فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا فِیْهَا اَحَداً فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْکٰی لَکُم ''۔ (28-27:24)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو، جب تک تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو جائے اور تم انھیں سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، شاید کہ تم یاد رکھو، پھر اگر تم اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں نہ جاؤ جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے، اور اگر تم سے واپس ہونے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ، یہی تمہارے لیے صاف ستھری بات ہے۔

☆ یہ بات مجلس کے آداب میں سے ہے کہ مجلس میں نئے آنے والوں کو جگہ دی جائے۔

''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَکُمْ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ''۔ (11:58)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادہ ہو کر بیٹھو تو کشادہ ہو جاؤ، اللہ تمہیں کشادگی عطا کرے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ کھڑے ہو۔

☆ قرآن خودکشی کو حرام قرار دیتا ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ''۔ (29:4)

☆ مفلسی کے خوف سے اولاد کو مار ڈالنا بہت بڑا جرم ہے اور ایسا کرنے والے صریح نقصان میں ہیں، کیوں کہ وہی خدا جو انھیں روزی فراہم کرتا ہے، ان کے بچوں کے رزق کا انتظام بھی کرے گا۔

''وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْراً ''۔(31:17)

اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مارو، ہم انھیں روزی دیں گے اور تمہیں بھی، بے شک ان کو مارنا بہت بڑا جرم ہے۔

''قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهاً بِغَیْرِ عِلْمٍ ''۔(140:6)

وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو بلا سمجھے بوجھے نادانی سے مار ڈالا۔

☆ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے اور انھیں بے گھر کرنے کی کوششیں نہیں کرتے، ان سے حسن سلوک اور عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جائے گا۔

''لَا یَنْهَاکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ''۔(8:60)

وہ لوگ جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے بے گھر نہیں کیا، اللہ تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے منع نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے ساتھ عدل وانصاف سے روکتا ہے، اللہ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

☆ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کے دین کے معاملہ میں ان سے لڑائیاں کرتے اور زور زبردستی کرتے ہیں، انھیں ان کے گھروں سے بے گھر کرتے ہیں اور ان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں رکھے جائیں گے۔

"إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ "۔ (9:60)

اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے لوگوں کو دوست بنانے سے منع کرتا ہے، جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ کی ہے، تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے اور تمہیں نکالنے کے لیے آپس میں اتحاد کرلیا ہے۔

☆ قرآن مسلمانوں کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا کہیں۔

"وَلَا تَسُبُّوْا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوْا اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ "۔(109:6)

جنھیں (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں انھیں برا بھلا نہ کہو کہ کہیں وہ مخالفت میں نادانی کے ساتھ اللہ کو برا بھلا کہہ بیٹھیں۔

6.5 قرآن مجید کی سیاسی تعلیمات

☆ دین کے معاملے میں کوئی جبر اور زور زبردستی نہیں ہے، اور ہر کسی کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے، ہدایت خدا کی عطا کردہ نعمت ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ . (2: 256)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ، وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِأِذْنِ اللّٰهِ . (10: 99−100)

اگر تیرا رب چاہتا، تو روئے زمین پر بسنے والے سب لوگ ایمان لے آتے، کیا تم لوگوں کو اس بات پر مجبور کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں؟ کوئی بھی شخص اللہ کے حکم ہی سے ایمان لاتا ہے۔

☆ انسان کی جان محترم ہے اور اسے ناحق زندگی سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے، ایک انسان کا قتل سارے انسانوں کے قتل کے برابر ہے، ہر شخص کو اپنے نفس کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا . (33:17)

اور کسی نفس کو نہ مار ڈالو جس کے ناحق مارنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اور جو کوئی ظلم سے مار ڈالا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو بدلہ کا حق دیا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا . (32:5)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر مقرر کردیا کہ جو کوئی کسی جان کو مار ڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار دیا سوائے اس کے کہ مقتول

نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد مچایا ہو، اور جس نے ایک جان کی حفاظت کی تو گویا اس نے ساری انسانیت کی حفاظت کی۔

☆ ہر شخص کو اپنی املاک کے تحفظ کا حق حاصل ہے اور اس پر دست درازی کرنے والے کے لیے سخت سزا مقرر ہے، البتہ سزا دینے کا حق صرف حاکم کو ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ . (38:5)

چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ اس کے کرتوت کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور تنبیہ۔

''ایک حدیث میں ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے'' من قتل دون ماله فهو شهید۔ (ترمذی: 1418)

☆ ہر شخص کو عصمت و آبرو کی حفاظت کا حق حاصل ہے، کوئی بھی چیز جس سے کسی کی عصمت پر حرف آتا ہو خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، قرآن اس سے منع کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسىٰ اَنْ يَكُوْنُوْا خَيْراً مِنْهُمْ وَلاَ نِسَآءٌ مِنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْ بِالْاَلْقَابِ . (11:49)

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی بعض عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ لوگوں کو غلط ناموں سے پکارو۔

اسی طرح پاکباز عورتوں پر الزام تراشی کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصِنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ . (33:24)

جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکباز اور بے خبر مومن عورتوں پر ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور دردناک عذاب ہے۔

☆ ہر شخص کی نجی زندگی کو تحفظ حاصل ہے اور اس میں کوئی دخل اندازی درست نہیں ہے، خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے ہو، کسی کی جاسوسی کرنا، اس کے معاملات کی کھوج کرنا یا اس کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جانا، نجی زندگی کے تحفظ کے حق کو پامال کرنا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً . (12:49)

اے ایمان والو! بہت زیادہ ظن و گمان سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَدْخُلُوْ بُيُوْتاً غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَانِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا . (24: 27)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک نہ جاؤ جب تک اس گھر والوں کو تمہارے آنے کی اطلاع نہ ہو جائے اور تم انھیں سلام نہ کر لو۔

☆ مظلوم کو احتجاج کا حق حاصل ہے۔

لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ . (4 : 148)

اللہ تعالیٰ بری بات کے اعلان کو پسند نہیں کرتا، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

☆ اسلامی نظام سلطنت شورائیت پر مبنی ہے، جس میں ہر کام اہل رائے کے مشورہ سے انجام پا تا ہے، اس نظام میں امیر کا انتخاب اور اس جیسے دوسرے اہم اُمور مشورہ اور رائے عامہ کے ذریعہ عمل میں آتے ہیں، یہ نظام موجودہ جمہوریت سے بہت قریب اور اس کی جملہ خرابیوں سے محفوظ ہے، اس نظام میں خدا کے قوانین کو اس دنیا میں نافذ کرنے کے لیے ایک امیر کا انتخاب عمل میں آتا ہے، جس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُوۡلِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ . (4: 59)

اے ایمان والو! اللہ، اس کے رسول اور اپنے بااختیار لوگوں کی اطاعت کرو۔

☆ یہ امیر تمام فیصلے خدا کے قوانین کی روشنی میں اہل رائے کے مشورے سے کرتا ہے اور من مانی نہیں کرتا۔

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ . اور معاملات کے سلسلہ میں ان کا طریقہ کار آپسی مشورہ کا ہے۔

☆ ہر شہری کو حصول انصاف کا حق حاصل ہے اور کسی سے دشمنی انصاف کی راہ میں آڑے نہیں آنی چاہئے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوَّامِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَلاَ يَجۡرِ مَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا . (8:5)

اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو اٹھ کھڑے ہو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کی روش نہ چھوڑو، عدل وانصاف سے کام لو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ . (90:16) بے شک اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

☆ جو لوگ اپنے حقوق کی حفاظت خود بہتر طور پر نہیں کر سکتے، قرآن ایسے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے معاشرے کو ابھارتا ہے اور انھیں ان کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے۔

وَاٰتُوۡا الۡيَتَامٰى اَمۡوَالَهُمۡ ، وَلاَ تَتَبَدَّلُوۡا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَاۡكُلُوۡا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰى اَمۡوَالِكُمۡ ، اِنَّهُ كَانَ حُوۡباً كَبِيۡراً . (2:4)

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ان کے اچھے مال کو اپنے خراب مال سے نہ بدلو، اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، یہ بہت گناہ کی بات ہے۔

☆ حاکم اعلیٰ خدا کی ذات ہے، اسی کے بنائے ہوئے قوانین اس دنیا میں نافذ ہوں گے۔

قُلۡ اَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الۡكَافِرِيۡنَ . (32:3)

کہہ دو کہ اللہ کی اور رسول کی پیروی کرو، پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں کرتا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ . (59:4) اے ایمان والو! اللہ کی پیروی کرو۔

☆ لوگوں کے درمیان تنازع کی صورت میں فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کے نازل کردہ دستور وقوانین کی روشنی میں کیا جائے گا۔

فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَا اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلاَ تَتَّبِعۡ اَهۡوَاءَهُمۡ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الۡحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَمِنۡهَاجاً . (48:5)

ان کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (قوانین) کے مطابق فیصلہ کرو اور اپنے پاس آئے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور اور راہ عطا کی ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلاَ تَتَّبِعِ الْهَوٰى ۔ (26:38)

لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔

☆ خدا کے نازل کردہ حکم وقوانین کے مطابق کیے گئے فیصلہ کو جولوگ تسلیم نہ کریں اور جولوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم، فاسق اور نافرمان ہیں۔

وَمنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ۔ (44:5)

جولوگ خدا کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی حقیقتاً کافر ہیں۔

☆ ایسے ہی لوگوں کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے :

أُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۔ (5 :45) وہی ظالم لوگ ہیں۔

أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۔ (5 :47) وہی حقیقتاً نافرمان ہیں۔

☆ قرآن نے لوگوں کی جان، مال، عزت وآبرو اور عقل کی حفاظت کے لیے قتل، چوری، ڈاکہ زنی، زنا اور شراب نوشی جیسے جرائم کو حرام قرار دیا ہے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سزائیں متعین کی ہیں، جنھیں حدود کہا جاتا ہے۔

☆ قرآن نے کسی کی جان لینے کو حرام قرار دیا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۔ (6: 152)

اس جان کو زندگی سے ناحق محروم نہ کرو، جسے مارنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

☆ جو قتل جان بوجھ کر کیا جائے اس کی وجہ سے سزا کے طور پر قصاص واجب ہوتا ہے، البتہ اگر مقتول کے ورثا دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں، تو دیت واجب ہوتی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِیَ لَهُ مِنْ أَخِيْهِ شَيْئٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۔ (2: 178)

اے ایمان والو! مقتولین کے معاملہ میں تم پر قصاص واجب ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے، تو چاہیے کہ دستور کے مطابق عمل کرے اور بھلے طریقہ سے اسے ادا کردے۔

☆ یہ قصاص کی سزا یعنی جان کے بدلے جان لینا کوئی ظلم وتعدی نہیں، بلکہ قرآن کے الفاظ میں اسی سزا میں بنی نوع انسانی کی حیات مضمر ہے، کیوں کہ یہی سزا معاشرے میں قتل کے جرم کو عام ہونے سے روک سکتی ہے اور قاتلوں کو لگام دے سکتی ہے۔

وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَأُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (2: 179)

اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے، تا کہ تم بچے رہو۔

☆ جو قتل بے قصد وارادہ ہو جائے اور اس میں قاتل کے منشا کا دخل نہ ہو، وہ قتل خطا کہلاتا ہے، اس کی سزا کے طور پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ دیت بھی واجب ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِناً إِلَّا خَطأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا . (92:4)

کسی مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو مار ڈالے مگر غلطی سے، اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے مار ڈالا تو بدلے میں ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے گھر والوں کو دیت ادا کرنا ہوگا، البتہ اگر وہ معاف کردیں (تو کوئی بات نہیں)۔

☆ انسان کی عقل کی حفاظت کے لیے قرآن نے شراب نوشی کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ ، لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . (90:5)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بُت اور پانسے شیطان کے گندے کام ہیں، تو ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہوسکو۔

☆ شراب نوشی کی ممانعت کا سبب بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا . (219:2)

وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں بہت زیادہ گناہ ہے اور لوگوں کا کچھ فائدہ بھی ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

☆ شراب کے ان نقصانات پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ . (91:5)

شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ونفرت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔

☆ زنا ایک گھناؤنا جرم ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلاً . (32:17)

زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے۔

اس کی سزا شادی شدہ کے لیے یہ ہے کہ اسے پتھروں سے مار کر ہلاک کردیا جائے اور غیر شادی شدہ لوگوں کو سو کوڑے لگائے جائیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيُ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ . (2:24)

زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

☆ مال کے تحفظ کے لیے چوری کو بڑا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ . (5: 38)

چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو اس کے کرتوت کے بدلے، اللہ کی جانب سے بطور تنبیہ۔

☆ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرنے والوں، ڈاکہ زنی اور روئے زمین پر فساد برپا کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کردیا جائے یا

سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے، گویا جس درجے کا جرم ہو اس کے مطابق انھیں سزا دی جائے، البتہ اگر وہ توبہ کرلیں تو انھیں معاف کر دیا جائے۔

إِنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعُوْنَ فِيْ الْأَرْضِ فَسَاداً اَنْ يُقَتَّلُوْا اَوْيُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذَالِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ . (5: 33–34)

ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں (مقابل کے) کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے، یہی دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تمہارے ہاتھ آنے سے پہلے ہی توبہ کرلی ہو۔

☆ کسی غیر یقینی خبر کی جب تک تصدیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کے ردعمل میں کوئی اقدام کرنا درست نہیں، بلکہ پہلے اس کی تحقیق کر لینی ضروری ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ . (6:49)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم پر جا پڑو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

6.6 قرآن مجید اور بین قومی تعلقات

☆ قرآن امن کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

لاَ تُفْسِدُوْا فِيْ الْاَرْضَ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا . (7: 85) زمین میں امن قائم ہونے کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔

قریش مکہ کو یہ نعمت خاص طور سے یاد دلاتا ہے کہ خدا نے انھیں امن جیسی دولت سے نوازا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ، الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَّآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ . (106: 3–5)

تو انھیں چاہیے کہ رب کعبہ کی پیروی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور حالت خوف میں امن عطا کیا۔

قرآن کی نظر میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس آیت سے بھی ہوتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِيْ الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا . (32:5)

جس نے کسی نفس کو مار ڈالا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار دیا، سوائے اس کے کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، اور جس نے کسی ایک نفس کی حفاظت کی تو گویا اس نے ساری انسانیت کی حفاظت کی۔

☆ عہد و میثاق کی بڑی اہمیت ہے اور معاہدہ کے بعد عہد کو پورا کرنا ضروری ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلاَ تَنْقُضُوْا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً . (91:16)

جب تم آپس میں معاہدہ کرو تو اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو اور قسمیں پختہ کر لینے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔

☆ جو لوگ اپنا عہد پورا کریں اور کسی قسم کی عہد شکنی نہ کریں، ان سے کیے گئے عہد کو پورا کرنا ضروری ہے اور جب تک عہد کی مدت ختم نہ ہو جائے یا دوسرا فریق عہد کی خلاف ورزی نہ کرے، عہد شکنی کرنا جائز نہیں۔

إِلَّا الَّـذِيْـنَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئاً وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَداً فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلٰى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ (4:9)

مگر جن مشرکوں سے تمہارا معاہدہ ہے، پھر انھوں نے تمہارے ساتھ کچھ قصور نہ کیا اور نہ ہی تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، تو ان کا عہد مدت پوری ہونے تک نبھاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ عہد کی پاسداری کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

☆ اگر مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں مدد چاہیں تو ان کی مدد کی جائے گی، لیکن اگر وہ ایسے ملک کے خلاف مدد چاہیں، جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو، تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ ۔ (72:8)

اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہیں ان کی مدد کرنی ہے، البتہ جب وہ ایسی قوم کے خلاف مدد چاہیں، جن سے تمہارا معاہدہ ہے، تو مدد کرنا درست نہیں۔

☆ اگر دشمن بھی ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے، تو ان سے بھی جنگ نہیں کی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ ۔ (90:4)

سوائے ان لوگوں کے جو ان لوگوں سے مل جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے۔

☆ عہد صرف اسی صورت میں توڑا جا سکتا ہے، جب دوسرا فریق عہد کی خلاف ورزی کرے اور عہد کو توڑ ڈالے، ایسی صورت میں معاہدہ ختم کر دینا درست ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۔ (12:9)

اور اگر وہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب لگائیں تو ان کفر کے سرداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کی کوئی حیثیت نہیں، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۔ (8: 58)

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو یکساں طور پر ان کا عہد ان پر دے مارو، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

☆ جو لوگ بار بار عہد شکنی کریں ان کے خلاف جنگ کی جائے گی اور بار بار عہد کی خلاف ورزی کا مزہ چکھایا جائے گا، تاکہ آئندہ ایسی حرکتوں سے باز آ جائیں۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ، فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِيْ الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔ (8: 56–57)

جن سے آپ نے عہد و پیمان کرلیا، پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پاسداری نہیں کرتے تو جب بھی آپ ان پر لڑائی میں غالب آ جائیں تو انھیں ایسی مار ماریں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

☆ قرآن مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھانے اور سرحدوں کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا . (4: 200)

اے ایمان والو! ثابت قدم رہو، مقابلے میں مضبوطی دکھاؤ اور سرحدوں کی حفاظت کرو۔

☆ اسلام امن کو پسند کرتا ہے اور کسی صورت فساد کو پنپتے نہیں دیکھ سکتا، امن کو برقرار رکھنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ کوئی طاقت ہو جو ان لوگوں کا ہاتھ روک سکے جو معاشرے میں بدامنی پھیلانے کے درپے ہوں، چنانچہ اسی طاقت کے استعمال کے لیے اسلام مظلوموں کو اجازت دیتا ہے کہ ظالموں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں، وہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ ظالموں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کے خلاف متحد ہو جائیں اور انھیں بزور قوت ان حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں، ظلم و جبر کے خلاف اسی کوشش اور جدوجہد کا نام جہاد ہے، قرآن کے الفاظ میں:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ، الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَ صَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْراً . (22: 39-40)

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لوگ اس وجہ سے لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ جن کو ان کے گھروں سے ناحق نکال باہر کیا گیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے ہٹایا نہ کرتا تو بہت سارے گرجا، کنیسے، عبادت خانے اور مسجدیں ڈھا دیئے جاتے، جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ اسی مقصد سے مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ . (2: 216)

تم پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے، جب کہ یہ تمہیں ناگوار گزرتا ہے، ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو جب کہ وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔

☆ قرآن یہ تصور دیتا ہے کہ بذاتِ خود قتال کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز نہیں، لیکن وہ فتنہ جسے ختم کرنے کے لیے قتال کا حکم ہوا ہے، قتال سے کہیں بڑھ کر سنگین ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ . (2:217) اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

چنانچہ اسی فتنہ کو ختم کرنا جہاد کا اصل مقصد ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلاَ عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظَّالِمِيْنَ . (2:193)

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورا حکم اللہ کا ہو جائے، اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی دشمنی نہیں ہے سوائے ظالموں کے۔

وہ ''فتنہ'' جسے ختم کرنے کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، اس کوشش کا نام ہے جو مسلمانوں کو زبردستی ان کے دین سے پھیرنے کے لیے کی جاتی ہے اور بزور قوت بازو ظلم کے ذریعہ انھیں دین پر عمل کرنے سے روکا جاتا ہے۔

وَلاَ یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔ (2: 217)

اور اگر ان کا بس چلے تو وہ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمہیں اپنے دین سے پھیر دیں۔

☆ ظلم سے روکنے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو ظالموں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّکُمْ وَآخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۔ (8:60)

اور جس قدر ممکن ہو سکے، ان سے مقابلے کے لئے قوت پیدا کرو اور گھوڑے تیار کرو، جس سے کہ اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر رعب پڑے اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی۔

☆ قرآن دورانِ جنگ صلح کی پیشکش قبول کر لینے کی ہدایت دیتا ہے، اگر دشمن صلح کی پیشکش کرے تو پھر ان سے جنگ درست نہیں۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلاً ۔ (4:90)

اگر وہ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہیں صلح کی پیشکش کریں، تو پھر اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف لڑنے کی کوئی راہ نہیں کھولی۔

☆ اگر دشمنوں کی طرف سے صلح کی پیشکش کو قبول کرنے میں کسی خطرہ کا اندیشہ ہو تو بھی خطرہ مول لے کر، اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے، اسے قبول کیا جائے گا اور صلح کر لی جائے گی۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ۔ (8: 61)

اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تم بھی جھک پڑو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔

☆ جنگی قیدیوں کو یا تو بلا فدیہ لیے چھوڑ دیا جائے گا، یا ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کیا جائے گا۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ۔ (4:47)

پھر بعد میں یا تو احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لے کر (انھیں رہا کیا جائے گا)۔

☆ جنگی قیدی جب تک قید میں رہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا، قرآن ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے، جو ان سے حسن سلوک کرتے ہیں۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْناً وَّیَتِیْماً وَّاَسِیْراً ۔ (8:76)

اور وہ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

☆ وہ مال جو کافروں سے جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، مالِ غنیمت کہلاتا ہے، اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس کے کل پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ، آپ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا اور بقیہ چار حصے لشکر میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ (8:41)

اور جان لو کہ جو کچھ بھی تم مالِ غنیمت حاصل کرو، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول ﷺ، رسول ﷺ کے قرابت داروں، یتیموں،

مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

☆ جو مال کافروں سے بغیر جنگ کئے ہوئے حاصل ہو جاتا ہے وہ فئی کہلاتا ہے، یہ مال پورا کا پورا اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اسے لشکر میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ . (59: 7)

اور جو اللہ نے کافروں سے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا، تم نے نہ تو اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو کچھ اللہ بستی والوں سے اپنے رسول کے ہاتھ لگائے تو وہ اللہ، اس کے رسول ﷺ، رسول کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

☆ اسلامی سلطنت اپنے تمام شہریوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے، غیر مسلموں کی حفاظت کی غرض سے اسلامی سلطنت ان سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے وہ جزیہ کہلاتا ہے، قرآن نے جزیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے، بلکہ یہ وقت اور حالات کے مطابق لیا جاتا ہے۔

قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ . (9: 29)

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور سچا دین قبول نہیں کرتے، ان لوگوں میں جو اہل کتاب ہیں، یہاں تک کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہو کر اور بے قدر ہو کر جزیہ ادا کریں۔

6.7 قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات

6.7.1 اچھے اخلاق

☆ قرآن سچائی اور راست بازی کی تعلیم دیتا ہے اور اسے بڑے وسیع معنی میں استعمال کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ . (9:119)

اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

☆ قرآن جن لوگوں کو خدا کی مغفرت اور اجر عظیم کی خوشخبری سناتا ہے، ان میں اسلام و ایمان اور خدا کی فرماں برداری کے بعد پہلا درجہ سچوں اور راست بازوں کا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ --- اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيْماً . (33 :35)

اسلام قبول کرنے والے مرد اور عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور عورتیں اور فرماں بردار مرد اور عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں--- خدا

نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر رکھا ہے۔

☆ قرآن کی ایک اہم اخلاقی تعلیم سخاوت ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (3:2)

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَاتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۔ (254:2)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اس میں سے کچھ خرچ کو، جو ہم نے تم کو دیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ خرید وفروخت ہے، نہ دوستی اور نہ کوئی سفارش۔

قرآن اس سخاوت وفیاضی کو قرض قرار دیتا ہے جو بندہ اپنے خدا کو دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے یہ قرض کئی گنا واپس کرے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَناً فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۔ (57 :11)

کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تو وہ اس کو اس کے لیے دوگنا کر دے، اور اس کے لیے باعزت بدلہ ہے۔

وہ خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ. (3 : 134)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی وسعت آسمان وزمین کو محیط ہے اور جو ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں خرچ کرتے ہیں۔

☆ قرآن خدا کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور احسان جتانے کو ناپسند کرتا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ ۔ (2 :271)

اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ کی رضا کے لیے۔

☆ قرآن وہی چیز خرچ کرنے اور دوسروں کو دینے کی ہدایت دیتا ہے جو خود اپنے لیے بھی ناپسندیدہ نہ ہو، اور بہترین چیزیں خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوْا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيْهِ ۔ (2: 267)

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو زمین سے ہم نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے، اس میں سے اچھی چیزیں خرچ کرو، اس میں سے بری چیز دینے کا ارادہ نہ کرو، کہ تم دیتے تو ہو، جب کہ تم اس کو لینے والے نہیں۔

☆ عفت وپاکبازی ساری اخلاقی خوبیوں کی جان ہے، چنانچہ قرآن مومنوں کے امتیازی اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

فَأُولٰٓئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ . (23 :5)

(کامیاب ہوگئے وہ لوگ) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں سے، تو ان پر کچھ الزام نہیں، لیکن جو اس سے تجاوز کریں تو وہی لوگ حد سے باہر نکلنے والے ہیں۔

☆ اسی غرض سے قرآن مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰالِکَ اَزْکٰی لَهُمْ.(30:24)

مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کی راہ ہے۔

اسی طرح عورتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے روک دیا گیا، جس سے مردوں کو شہ ملے، چنانچہ انھیں درج ذیل ہدایات دی گئیں :

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ . (31:24)

اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نظریں جھکائے رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔

☆ لین دین کے معاملات میں دیانت داری اور امانت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، قرآن اس اہم اخلاقی صفت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس کے حاملین کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ . (8:23)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس حکم کی منادی کرتا ہے۔

اِنَّ اللهَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰی أَهْلِهَا . (4: 57)

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دیا کرو۔

☆ شرم وحیا انسان کا فطری وصف ہے جس سے بہت سی اخلاقی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں اور انسان اس کے ذریعہ بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے، قرآن نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہتا ہے :

اِنَّ ذٰالِکُمْ کَانَ یُؤْذِیْ النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ . (33 : 53)

اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے۔

قرآن حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا ذکر مدح وستائش کے ساتھ کرتا ہے :

فَجَآءَ تْهُ اِحْدَا هُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَاءِ . (28 :25)

ان میں سے ایک لڑکی ان کے پاس شرماتی ہوئی آئی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''الحیاء لا یأتی إلا بخیر ''یعنی حیا سے صرف بھلائی پہنچتی ہے، دوسری جگہ فرمایا: ''ان مما ادرک

الـنـاس مـن كـلام النبوة الاولى اذا لم تستحى فاصنع ماشئت ''یعنی لوگوں نے پرانے پیغمبروں سے جو باتیں پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تم میں شرم وحیا نہیں ہے تو جو چاہو کرو۔

☆ قرآن عدل وانصاف کے قیام پر زور دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ . (16 :90)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ کسی سے دشمنی عدل وانصاف کی راہ میں نہ آنے پائے اور انسان عدل کو چھوڑ نہ بیٹھے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی. (8:5)

اے ایمان والو! خدا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے تیار رہو اور لوگوں کی عداوت کی وجہ سے کہیں تم یہ جرم نہ کر بیٹھو کہ انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

قرآن فیصلہ میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ . (58:4)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

☆ بندوں کی خوبیوں میں سے ایک بڑی اخلاقی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی سے جو وعدہ کریں، اسے پورا کریں اور جو قول وقرار کریں، اس کے پابند رہیں، چنانچہ قرآن ایسے لوگوں کو کامیابی کی بشارت سناتا ہے، جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

اَلْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا . (177:2)

اور جب بھی عہد کریں تو اپنے عہد کو نبھانے والے۔

دوسری جگہ انھیں جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ . (70 :32)

وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

☆ دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور بھلائی کرنا ایک عظیم اخلاقی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے، اس کی بہت ساری صورتیں ہیں، قرآن تمام معاملات میں احسان یعنی دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ . (90:16)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ . (237:2)

آپس میں فضل (بھلائی) کو مت بھولو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

☆ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے والے خدا کے محبوب بندے ہیں۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ . (3 :148)

☆ قرآن کافر ومسلم سب کے ساتھ بھلائی اور اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے، چنانچہ کافروں کے متعلق کہتا ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ . (8:60)

جولوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

☆ نیکی کا بدلہ بھی نیکی ہی ہے۔

ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ . (60:55)

بھلائی کا بدلہ تو صرف بھلائی ہی ہے۔

☆ عفوو درگزر ایک عظیم اخلاقی صفت ہے، خصوصاً غصہ کی حالت میں جب کہ انسان کو اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا معاف کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مومنوں کی امتیازی صفت بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں:

وَ إِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ . (37:42)

قرآن اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر بندہ کسی کے قصور کو معاف کر دیتا ہے تو خدا بھی اس کے قصوروں سے درگزر کرتا ہے۔

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ . (22:24)

اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے، اور اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

قرآن اس موقع پر بھی عفوو درگذر سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے، جب مخالف جماعتیں حق کی راہ میں روڑے اٹکائیں اور اپنے بغض وحسد کا مظاہرہ کریں :

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ . (199:7)

عفوو درگزر سے کام لو اور نیک کاموں کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

قرآن معاف کر دینے کو بڑی ہمت کا کام بتاتا ہے اور اسے عظیم اخلاقی صفت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ . (42:43)

اور جو شخص صبر کرے اور دوسرے کو بخش دے، تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

☆ قرآن رفق ولطف اور معاملات میں نرمی برتنے کو ایک اخلاقی صفت کے طور پر پیش کرتا ہے، وہ اسے انبیا کی صفت بتاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے :

اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ . (114:9)

بے شک ابراہیم علیہ السلام نیک دل بُردبار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں بھیجتے وقت جو ہدایت دی گئی اس کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَقُوْلاَ لَهُ قَوْلاً لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى . (20 :44)

اور اس سے نرم لہجہ میں بات کرو تا کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈرے۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صفت ایک عظیم نعمت کے طور پر عطا کی گئی تھی، جس کا تذکرہ قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ . (159:3)

اللہ کی رحمت سے تم ان کے لیے نرم دل ہو گئے، اگر تم تیز مزاج اور سخت گیر ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔

☆ قرآن بندوں کو تواضع وخاکساری اور عاجزی کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ خود نبی ﷺ کو مومنوں سے محبت اور تواضع کی ہدایت دی گئی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (215:26)

اور جو تیرے پیروکار ایمان والے ہیں، ان سے محبت اور عاجزی سے پیش آؤ۔

اور خدا اپنے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً . (63:25)

اور خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

قرآن حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ، وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ . (18:31)

اور لوگوں سے بے رُخی نہ برتو اور زمین پر اترا کر نہ چلو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز نیچی رکھو۔

☆ قرآن ایثار کی تعلیم دیتا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو ایثار کرتے ہوئے اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام فراہم کرتے ہیں۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . (59 :9)

اور جو دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود تنگی میں کیوں نہ ہوں، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

☆ خودداری اور عزت نفس وہ اخلاقی وصف ہے، جس سے انسان اپنی عزت، اپنی شان، اپنے مرتبہ اور اپنی حیثیت کی حفاظت کرتا ہے، چنانچہ قرآن مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کو ان کے بلند مقام کی یاددہانی کراتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ . (3 :110)

تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہو۔

☆ قرآن ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے، جو فقر وفاقہ کی حالت میں ہونے کے باجود اپنی خودداری اور عزت نفس پر آنچ نہیں آنے دیتے اور اس

کی حفاظت کرتے ہیں۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْباً فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً . (2: 273)

(صدقات) ان حاجت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، علاقہ میں کہیں جا نہیں سکتے، بے خبر ان کی خودداری کی وجہ سے انھیں غنی سمجھتا ہے، تم ان کو ان کے اوصاف سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

☆ قرآن حق گوئی کی تعلیم دیتا ہے، یہ اخلاقی وصف حق و باطل کی کشمکش میں نکھر کر سامنے آتا ہے کہ اس وقت برملا حق کا اظہار کیا جائے اور حق کی حمایت میں آواز بلند کی جائے، قرآن نبی کریم ﷺ کو اس کی ہدایت دیتے ہوئے کہتا ہے :

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ . (94:49)

تم کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے کھول کر سنا دو اور مشرکین کی مطلق پروانہ کرو۔

حق گوئی کی راہ میں کسی ملامت کی پروانہ کرنے کو مسلمانوں کا ایک ممتاز اخلاقی وصف قرار دیا گیا ہے۔

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ . (54:5)

اور لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

☆ قرآن کی ایک اخلاقی تعلیم استغنا یعنی بے نیازی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کی ذات کے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو اور اسے جو کچھ بھی ملا ہے، اس پر مطمئن رہے، قرآن کے الفاظ میں:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ . (32:4)

اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، اس کی ہوس مت کرو۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجاً مِّنْهُمْ . (20: 131)

اور اپنی آنکھیں نہ پھیلاؤ اس طرف جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو سامان دیا ہے۔

6.7.2 برے اخلاق

بعض برے اخلاق جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے، ان سے بچنے کا حکم اس نے اپنے بندوں کو دیا ہے، یہ وہ اخلاقی خرابیاں ہیں، جن کے باعث انسانی افراد اور جماعتوں کو روحانی، مادی اور معاشرتی نقصان پہنچتا ہے اور ہر عقل مند انسان انھیں فطرتاً ناپسند کرتا ہے، قرآن عموماً ان اخلاقی خرابیوں کے لئے فحشا، منکر اور بغی کے الفاظ استعمال کرتا ہے، چند اخلاقی خرابیاں جن سے قرآن منع کرتا ہے، درج ذیل ہیں :

☆ جھوٹ ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے، چنانچہ قرآن نے جھوٹ بولنے والوں کے لیے خطرناک وعید سنائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ . (3: 39)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور احسان فراموش ہے۔

جھوٹا شخص خدا کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

اَنَّ لَعْنَةَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ . (7: 24)

اوراگر وہ جھوٹوں میں سے ہو،تو اس پراللہ کی لعنت ہو۔

☆ قرآن خیانت اور بددیانتی سے سختی سے منع کرتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوْا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . (27:8)

اے ایمان والو!اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو۔

قرآن اس بات سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہری ہی نہیں، بلکہ باطنی خیانتوں سے بھی واقف ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِيُ الصُّدُوْرِ . (19:40)

اللہ آنکھوں کی خیانت سے واقف ہے اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے اس سے بھی۔

☆ بہتان تراشی ایک اخلاقی جرم ہے،جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف کوئی نا کردہ گناہ منسوب کر دیا جائے، قرآن نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيْئَةً أَوْ إِثْماً ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيْئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُبِيْناً.(112:4)

اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے پھر وہ اس کی تہمت کسی بے گناہ پر دھر دے،تو اس نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِيْناً . (58:33)

اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ان گناہوں کی تہمت لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں، جو انھوں نے نہیں کیے ہیں،تو انھوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

☆ قرآن چغل خوری کو عیب قرار دیتا ہے،اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ ایسے لوگوں کی بات نہ مانی جائے۔

وَلا تُطِعْ كُلَّ حَلاَّفٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ . (11:68)

آپ ایسے لوگوں کا کہا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھاتے ہیں،آبرو باختہ ہیں،آوازے کستے ہیں اور چغلیاں لگاتے پھرتے ہیں۔

خود نبی کریم انے ارشاد فرمایا:''لا يدخل الجنة قتات ''(ابوداؤد: کتاب الأدب باب فی القتات)یعنی جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔

☆ قرآن غیبت اور بدگوئی سے بھی منع کرتا ہے اور اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیتا ہے۔

وَلا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ . (12:40)

اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے (یعنی اسے پیٹھ پیچھے برا بھلا نہ کہے)، بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارہ کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے،تو اس سے تو تمہیں گھن آئے گی۔

☆ قرآن دورخے پن کو بھی اخلاقی برائی قرار دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں منافق قرار دیتا ہے، وہ ان کے متعلق کہتا ہے:

وَإِذَا لَقُوْا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ . (14:2)

وہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مسلمانوں کو بناتے ہیں۔

☆ قرآن بدگمانی سے بھی منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض اوقات یہ بدگمانی گناہ کا سبب بنتی ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ .(12:49)

اے ایمان والو! قِسم قِسم کے گمان سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

☆ بخل بھی ایک اخلاقی برائی ہے اور بہت ساری برائیوں کا سبب بنتا ہے، قرآن جہنمیوں سے سوال و جواب کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے بخل کی مذمت کرتا ہے، اور اسے جہنم رسید ہونے کا سبب بتاتا ہے :

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ، وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ . (42:74)

(پوچھا جائے گا) تم کو دوزخ میں کیا چیز لے گئی؟ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

قرآن ایسے لوگوں کو وعید سناتے ہوئے کہتا ہے :

وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (3 :180)

اور جو لوگ اس مال کو، جو خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو دیا ہے، روکے رکھتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے، جس مال میں وہ بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنایا جائے گا۔

☆ قرآن رشوت کو اخلاقی جرم قرار دیتا ہے اور اس کی ہر صورت کی مذمت کرتا ہے :

وَلاَ تَاكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَاكُلُوْا فَرِيْقاً مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ . (188:2)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ اور نہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے جان بوجھ کر کھا جاؤ۔

اہل کتاب علما اپنی کتابوں میں مال و دولت کے بدلے جو تحریفات کیا کرتے تھے، ان کی مذمت قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً اُوْلٰٓئِكَ مَا يَاكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلاَّ النَّارَ . (174:2)

وہ لوگ جو خدا کے ذریعہ نازل کردہ احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے حقیر معاوضہ حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں۔

☆ دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کو پالنا بغض و کینہ کہلاتا ہے، قرآن اس کی مذمت کرتا ہے اور اہل ایمان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہنے کی دُعا مانگیں :

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلاَ تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ .

(10:59)

اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے کینہ کو جگہ نہ دے، اے رب تو بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

جنت کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ وہاں بغض و کینہ کا گزر نہ ہوگا :

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَاناً عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ . (47:49)

اور ہم نے ان کے سینوں سے جو کینہ تھا نکال لیا کہ اب بھائی ہو تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے۔

☆ قرآن ظلم کو حرام قرار دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ . (33:7)

کہہ دو کہ میرے رب نے بے حیائی کے کاموں کو کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ کو اور ناحق ظلم و سرکشی کو حرام قرار دیا ہے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ . (90:16)

اور خدا بے حیائی کے کام، ناپسندیدہ کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

قرآن ظلم کرنے والوں کے خلاف لڑائی کا حکم دیتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں دردناک عذاب کی وعید سناتا ہے :

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ . (42:42)

راہ ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرىٰ فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰى اَمْرِ اللهِ. (9:49)

اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے گروہ سے سب مل کر جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

☆ قرآن فخر و غرور اور تکبر کو ناپسند کرتا ہے اور اسے شیطان کی روش قرار دیتا ہے :

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِيْنَ.(7 :13)

یہاں سے اُتر جا یہاں تو غرور نہیں کر سکتا، نکل جا تو ذلیل اور حقیر ہے۔

قرآن متکبرین کا ٹھکانہ جہنم کو قرار دیتا ہے:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِيْنَ . (60:39)

کیا جہنم مغروروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟

قرآن غرور و تکبر کی ہر صورت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے :

وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا . (18:31)

اور لوگوں سے بے رُخی نہ برتو اور زمین پر اترا کر نہ چلو۔

☆ قرآن ریا اور نمائش کو سخت ناپسند کرتا ہے، کہ یہ برائی انسان کے نیک اعمال کو بھی بے ثمر بنا دیتی ہے، چنانچہ مسلمانوں کو جہاد میں نکلتے وقت حکم

دیا گیا کہ تمہارا مقصد محض حق کی حمایت ہو نہ کہ نمود و نمائش :

وَلا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَراً وَرِئَاءَ النَّاسِ . (47:8)

اوران کافروں جیسے نہ بنو جو شیخی کے مارے لوگوں کو دکھلانے کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

قرآن صدقات اور نماز کے سلسلے میں خصوصاً اس بات کی ہدایت دیتا ہے کہ اس میں نمائش کا کوئی پہلو داخل نہ ہونے پائے اور ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے، جو محض لوگوں کو دکھانے کے لیے یہ کام انجام دیتے ہیں، وہ بتاتا ہے کہ جو لوگ نمود و نمائش کے لیے صدقات دیتے ہیں انھیں اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا :

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلا يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ . (264:2)

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور سائل کو طعنہ دے کر ضائع مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔

☆ حسد یعنی دوسرے کی نعمت کو پسند نہ کرنا اور خواہش کرنا کہ وہ اس سے چھن جائے ایک عظیم اخلاقی بیماری ہے، قرآن اسے یہود اور کفار و منافقین کی صفت قرار دیتا ہے :

وَدَّ كَثِيْرٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ . (109:2)

بہت سے اہل کتاب اپنے دلی حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا دیں۔

قرآن اپنے ماننے والوں کو نہایت بلند اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، وہ صرف حسد سے ہی منع نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کو ملی نعمت کی خواہش کرنے سے بھی منع کرتا ہے :

وَلا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ . (32:4)

اور خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو برتری دے رکھی ہے اس کا ارمان نہ کرو۔

6.8 اکتسابی نتائج

- قرآن کریم کے اندر دین کے حقائق اور اصول و قواعد کے علاوہ اخلاق و آداب کی تعلیم دی گئی ہے اور زندگی گذارنے کا پورا دستور العمل بتایا گیا ہے۔
- یہاں درج اکائی میں معاشی تعلیمات کے اندر سود اور دھوکہ کو حرام بتا کر، مال کو گردش میں رکھنے اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔
- معاشرتی تعلیمات کے تحت نکاح و طلاق کے احکام، پردہ کی اہمیت، نان نفقہ کے حقوق، والدین اور دوسرے کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہے۔
- سیاسی تعلیمات میں بتایا گیا ہے دین میں زور زبردستی نہیں ہے، ناحق قتل حرام ہے، مال، آبرو اور عزت کو تحفظ حاصل ہے اور چوری و زنا جیسے سنگن

جرائم پر سزا مقرر ہے۔

- بین قومی تعلقات میں عدل وانصاف، امن عالم، مذہبی رواداری اور معاہدہ کی پاسداری جیسے امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

- اخلاقی تعلیمات میں صداقت و دیانت، حیا، صبر، عدل اور حکم پر آمادہ کرنے کے ساتھ جھوٹ، ظلم، کینہ وحسد، چغلی، بدگمانی، بخل، غرور اور بے حیائی کے کاموں سے روکا گیا ہے۔

6.9 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ قرض کے لین دین، سود اور غلط طریقہ سے کمائے گئے مال کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔

2۔ نکاح سے متعلق قرآنی تعلیمات پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ قرآن مجید بین قومی تعلقات سے متعلق کیا تعلیمات فراہم کرتا ہے؟ تحریر کیجیے۔

4۔ اچھے اخلاق سے متعلق قرآنی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ قرآن مجید کی معاشی تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔

2۔ قرآن مجید کی معاشرتی تعلیمات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ قرآن مجید کی سیاسی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

6.10 تجویز کردہ کتابیں

1۔ قرآنی تعلیمات	:	مولانا محمد یوسف اصلاحی
2۔ قرآن کیا کہتا ہے؟	:	مولانا محمد منظور نعمانی
3۔ مضامین قرآن مجید (دو جلدیں)	:	
4۔ الفہرس الموضوعی لآیات القرآن الکریم	:	

۔:oOo:۔

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 3 : تفسیر (حصہ اول)

اکائی 7 : تفسیر-معنی اور مآخذ

اکائی کی ساخت

7.1 تمہید
7.2 مقصد
7.3 ضرورت واہمیت
7.4 لغوی و اصطلاحی معنی
7.5 تفسیر قرآن کے مآخذ
7.5.1 قرآن سے قرآن کی تفسیر
7.5.2 حدیث سے تفسیر
7.5.3 تفسیر اور آثارِ صحابہ
7.5.4 تفسیر اور عربی زبان و لغت
7.5.5 تفسیر اور عقل سلیم
7.5.6 اسرائیلی روایات
7.5.7 تفسیر بالرائے
7.6 اکتسابی نتائج
7.7 نمونہ امتحانی سوالات
7.8 فرہنگ
7.9 تجویز کردہ کتابیں

7.1 تمہید

اس اکائی میں یہ بات واضح کی جائیگی کہ تفسیر قرآن کی ضرورت کیوں ہے؟ اس کی کیا اہمیت و فضیلت ہے؟ نیز تفسیر کے لغوی و اصطلاحی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے تفسیر و تاویل کا فرق واضح کیا جائے گا، پھر تفسیر قرآن مجید کے مآخذ ---قرآن مجید، حدیث، آثار صحابہ، عربی زبان اور عقل و قیاس--- سے استفادہ کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جائے گا، نیز تفسیر میں اسرائیلی روایات اور رائے کی حیثیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

7.2 مقصد

اس اکائی کے ذریعہ طلبہ تفسیر قرآن مجید کے معانی ومفاہیم سے واقف ہوں گے، اس کی ضرورت واہمیت سے بھی آگاہی ہوگی، اس کے اُصول وماخذ اور مختلف مناہج تفاسیر سے بھی واقفیت حاصل ہوگی۔

7.3 ضرورت واہمیت

اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ قرآن مجید خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری کتاب ہے، اور اللہ تعالی نے اعلان کردیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک بے آمیز طریقہ پر محفوظ رہے گی، یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے، زبان وادب کے حسن کا ایک پہلو یہ ہے کہ بعض باتوں کو کھلے ہوئے الفاظ میں کہا جائے اور بعض باتیں استعارہ اور کنایہ کے پردہ میں ذکر کی جائیں، جیسے ہر لفظ کا مبہم ہونا ایک عیب ہے، اسی طرح ہر لفظ کا کنایہ وتشبیہ سے عاری ہونا بھی زبان کی خوبصورتی اور کشش کو مجروح کردیتا ہے، نیز بعض دفعہ کلام میں ابہام سے اس کی معنویت دوبالا ہوجاتی ہے، یہ کچھ عربی زبان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زبان کے ادب میں اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی جہاں ایسی آیات ہیں، جن کا مفہوم بالکل واضح ہے اور جن کو خود قرآن میں ''محکمات'' سے تعبیر کیا گیا ہے، وہیں ایسی آیات بھی ہیں، جن میں تشبیہ وتمثیل سے کام لیا گیا ہے، یا جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے اور یہ احتمال وابہام بھی معنوی اعتبار سے فائدہ سے خالی نہیں ہے، مثال کے طور پر قرآن نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس سے تعبیر کیا ہے، لباس میں کئی خصوصیات ہیں :

- لباس انسان کے لئے زینت اور وقار کا سبب ہے۔
- لباس کے ذریعہ خارجی اثرات سے انسان کی حفاظت ہوتی ہے۔
- لباس جسم کے عیوب کو ڈھانک دیتا ہے۔
- لباس انسان کے جسم کا سب سے قریبی رازدار ہوتا ہے۔
- لباس انسان کے وجود سے سب سے قریب تر شئے ہوتی ہے۔

اب غور کیجئے! کہ اس ایک تشبیہ میں ازدواجی رشتہ کے کتنے تقاضوں کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے اور پھر تعبیر کی خوبصورتی اور اہل ذوق کے لئے اس کا لطف الگ رہا۔

اسی طرح اللہ تعالی نے وضو کے افعال پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: ''**وامسحوا برؤسکم**'' (المائدۃ:٦) آیت کے اس ٹکڑے میں سر پر مسح کرنے کا حکم ہے، اس میں ''رؤس'' پر ''ب'' داخل ہے، ''ب'' کے معنی عربی میں ''بعض'' کے آتے ہیں اور بعض صورتوں میں یہ زائد بھی ہوتی ہے، جس کا مقصد دو کلمات کو باہم مربوط کرنا ہوتا ہے، اس کا کوئی مستقل اور علاحدہ معنی نہیں ہوتا، اگر ''ب'' پہلے معنی میں ہو تو مقصد ہوگا کہ سر کے کچھ حصہ کا مسح کرلو اور دوسری صورت میں پورے سر کا مسح مراد ہوگا، اب اس لفظ کی مناسب تشریح کے لئے لغت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے روشنی حاصل کرنی پڑتی ہے۔

پس قرآن مجید کی کچھ آیات تو بالکل واضح ہیں کہ عربی زبان سے واقفیت ان کو سمجھنے کے لئے کافی ہے؛ لیکن قرآن کی بہت سی تعبیرات

میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال بھی ہے، ایسے کلمات اور فقروں کی تشریح وتوضیح کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی کے لئے علم تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن اللہ کی زمین پر اللہ کا دسترخوان ہے، اس سے جس قدر ہو سکے علم حاصل کرلو، (الترغیب والترہیب: ۲/۳۵۴، عن ابن مسعود) ---اس سے معلوم ہوا کہ علم تفسیر گویا اللہ تعالیٰ کے دسترخوان سے فائدہ اُٹھانا ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل قرآن اہل اللہ اور اللہ کے خاص بندے ہیں، علماء کے نزدیک یہاں ''اہل اللہ'' سے مراد مفسرین قرآن ہیں، اس سے علم تفسیر کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی فن کی اہمیت تین پہلوؤں سے متعین ہوتی ہے، اس بات سے کہ اس کا موضوع کیا ہے؟ اس بات سے کہ اس علم کے حاصل کرنے کی غرض کیا ہے؟ اور اس بات سے کہ اس کی ضرورت کس درجہ ہے؟ ---علم تفسیر کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام سے بڑھ کر فضیلت وشرف والی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ---فن تفسیر کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہے، جو انسان کے لئے دنیا وآخرت میں فلاح ونجات کی کلید ہے---اور ضرورت اس فن کی تمام علوم سے بڑھ کر ہے؛ کیوں کہ عقیدہ ہو یا عبادت، معاشرت ہو یا معیشت، اخلاق ہو یا سیاسی واجتماعی مسائل اور بین قومی تعلقات، زندگی کے تمام ہی شعبوں میں قرآن مجید سے روشنی حاصل کرنا انسانیت کے لئے بہت بڑی ضرورت ہے؛ اس لئے اجر وثواب کے لحاظ سے بھی اور اپنے موضوع، غرض وغایت اور ضرورت کے اعتبار سے بھی تفسیر بہت ہی اہم فن ہے۔

7.4 لغوی واصطلاحی معنی

تفسیر کا مادہ ''ف، س، ر'' ہے، جس کے معنی واضح کرنے اور کھولنے کے ہیں، علم تفسیر سے معانی قرآن کی وضاحت ہوتی ہے، اسی لئے اسے ''تفسیر'' کہتے ہیں۔

تفسیر کی فنی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف باتیں لکھی ہیں، لیکن ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے، اس سلسلہ میں علامہ بدرالدین زرکشی کی تعریف بہت واضح ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں :

''علم يفهم به كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه''۔

وہ علم جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے، اس کی مرادات کو واضح کیا جائے اور اس سے احکام اور حکمتوں کا استخراج کیا جائے۔

اس تعریف میں قرآن سے متعلق سارے علوم شامل ہیں، علم قرأت، اسباب نزول کا علم، مفردات القرآن کا علم، قرآن کی ترکیبی حیثیت کا علم، جو نحو وصرف اور معانی وبیان کے جاننے پر موقوف ہے اور قرآن سے احکام کا اخذ واستنباط اور اس کے قصص وواقعات اور آیاتِ منسوخہ سے آگہی؛ کیوں کہ ان سب کو جانے بغیر معانی قرآن کو سمجھا نہیں جاسکتا۔

تفسیر سے قریب ایک اور لفظ ''تاویل'' ہے، ''اَوّل'' کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، جب کسی کلام کی وضاحت کرنی ہوتی ہے تو الفاظ کے راستہ سے معانی کی طرف رُجوع کیا جاتا ہے، اسی مناسبت سے تشریح قرآنی کے لئے تاویل کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے تفسیر اور تاویل ایک ہی ہے یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟ --- ابتدائی دور میں تو تفسیر اور تاویل کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھا جاتا تھا؛ لیکن بعد کے ادوار میں ان دونوں اصطلاحات کے درمیان تھوڑا سا فرق کیا جانے لگا، ---تفسیر و تاویل کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ اگر تشریح روایت کی بنیاد پر ہو تو تفسیر ہے اور اگر درایت یعنی فہم کی بنیاد پر ہو تو تاویل ہے، ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ عبارت سے جو مفہوم صراحتاً سمجھا جائے وہ تفسیر ہے اور جو بات اشارہ سے ثابت ہوتی ہو وہ تاویل ہے، اس طرح کے اور بھی اقوال ہیں، مگر اس سلسلہ میں زیادہ تر اہل علم کا رجحان امام ابوالمنصور ماتُرِیدی کے قول کی طرف ہے کہ آیات کے متبادر معنی کو بیان کرنا اور واضح مفہوم کو نقل کرنا 'تفسیر' ہے اور آیت سے دلیل کی بنیاد پر ایسا معنی مراد لینا، جس کی طرف بلا تأمل ذہن کا تبادر نہ ہوتا ہو یا جس میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو، ان میں سے ایک معنی کو متعین کرنا 'تاویل' ہے، ---- ویسے یہ محض تعبیری اختلاف ہے، قرآن کی تشریح و توضیح پر اس اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

7.5 تفسیر قرآن کے مآخذ

قرآن مجید چوں کہ اللہ کا کلام ہے، اس لئے اس کی تشریح و توضیح میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے؛ اسی لئے وہ مأخذ متعین ہیں، جن کی مدد سے قرآن مجید کی تفسیر کی جاسکتی ہے، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر ہر شخص کو اپنی رائے اور قیاس پر توضیحِ قرآن کا حق دے دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ اس سے قرآن مجید میں معنوی تحریف کا راستہ کھل جائے اور لوگ دور از کار تاویلات کے ذریعہ اپنی چاہت کو خدا کی چاہت کا رنگ دینے لگیں؛ اسی لئے ان مراجع اور مأخذ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جن کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے گی، یہ مأخذ پانچ ہیں :

1- قرآن مجید

2- حدیث نبوی

3- آثارِ صحابہ

4- عربی زبان

5- عقل سلیم

7.5.1 قرآن سے قرآن کی تفسیر

پہلا درجہ ظاہر ہے کہ قرآن کا ہے، یعنی قرآن کی تشریح خود قرآن سے کی جائے، جو لوگ قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن پر ان کی وسیع نظر ہوگئی ہے، ان کو اس کا خوب اندازہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیتیں ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح ہیں، پس قرآن مجید کی ایک آیت کی وہ تشریح سب سے اہم ہے جس کو دوسری آیت بیان کرتی ہے، قرآن مجید کی ایک آیت سے دوسری آیت کی تفسیر و تشریح کی مختلف صورتیں ہیں:

1- قرآن کی ایک آیت میں کوئی بات اجمال کے ساتھ کہی گئی، دوسری آیت نے اس کو واضح کر دیا، جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه** ۔(بقرہ:37)

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

یہ کلمات جو حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے، کیا تھے؟ اس آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے؛ لیکن دوسری آیت اس کو واضح کرتی ہے، چنانچہ ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**قالا ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين** ''۔(اعراف:23)

آدم وحوا نے کہا: پروردگارا! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کر لیا ہے اور اگر آپ نے معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہیں فرمایا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

----اس آیت نے واضح کر دیا کہ پہلی آیت میں کلمات سے یہی دُعاء مراد ہے۔

☆ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دُعاء کرائی ہے :

''**إهدنا الصراط المستقيم ، صراط الذين أنعمت عليهم**''۔(الفاتحہ:7-6)

ہمیں سیدھا راستہ دکھایئے، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام کیا۔

----اب سوال یہ ہے کہ انعام یافتہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں اور اس انعام سے مادی انعام مراد ہے یا روحانی انعام؟ اس آیت میں یہ بات واضح نہیں ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''**أولئک الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين**''۔(نساء:69)

یہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

----اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہاں انعام سے روحانی انعام مراد ہے اور انعام یافتہ لوگوں سے اس آیت میں مذکورہ چار گروہ مراد ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''**و أنفقوا مما رزقناكم**''۔ (منافقون:10)

ہم نے جو کچھ عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے '' کچھ حصہ '' خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ لیکن کتنا حصہ خرچ کیا جائے؟ یہ واضح نہیں ہے،---دوسری جگہ ارشاد ہے :

''**ويسألونك ماذا ينفقون قل العفو**''۔ (بقرہ:219)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے: بچا ہوا۔

اس دوسری آیت نے واضح کر دیا کہ ''کچھ حصہ'' سے بچا ہوا حصہ مراد ہے۔

2- کبھی ایک جگہ مشترک لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، دوسری آیت واضح کرتی ہے کہ یہاں لفظ مشترک کا کونسا معنی مراد ہے؟---- جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''**وليطوفوا بالبيت العتيق**''۔ (الحج:29)

اور چاہئے کہ ''بیت عتیق'' کا طواف کریں۔

''عتیق'' کے معنی قدیم اور پرانے کے ہیں، اس طرح اس آیت کے معنی ہوئے کہ'' قدیم گھر کا طواف کرنا چاہئے''---- قدیم گھر متعدد ہو سکتے ہیں اور کسی بھی گھر کا نام ''بیت عتیق'' رکھا جا سکتا ہے، قرآن مجید کی ایک اور آیت ''بیت عتیق'' کی مراد کو واضح کرتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''**إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا**''۔ (آلِ عمران: 96)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (عبادت کی غرض سے بنایا گیا) مکہ میں ہے، جو برکت والا ہے

معلوم ہوا کہ بیت عتیق---جس کے طواف کا حکم دیا گیا ہے،--- سے مراد مکہ میں تعمیر ہونے والا ''کعبۃ اللہ'' ہے، جو عبادت الٰہی کے لئے تعمیر ہونے والا سب سے قدیم گھر ہے۔

☆ اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا:''**والليل اذا عسعس**''۔(تکویر:17)

آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی ہے اور اس کی کیفیت ''**عسعس**'' کے ذریعہ بیان کی ہے، **عسعس** کے معنی رات کے ''آنے کے'' بھی ہیں اور ''جانے کے'' بھی، قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا:''**والليل اذا سجىٰ** ''(ضحیٰ:3)''رات کی قسم! جب وہ چھا جائے''---اس سے معلوم ہوا کہ رات کا آنا مراد ہے۔

3- بعض دفعہ ایک جگہ کوئی حکم کسی قید کے بغیر مطلقاً مذکور ہوتا ہے، دوسری جگہ وہی حکم قید کے ساتھ مذکور ہوتا ہے، اس سے وضاحت ہوتی ہے کہ یہ حکم قید کے ساتھ ہے بلا قید کے نہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**ومن يكفر بالايمان فقد حبط عمله**''۔(المائدہ:5)

جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے، اس کا عمل رائیگاں ہو جائے گا۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا :

’’**ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فأولئك حبطت اعمالهم**‘‘۔ (البقرۃ:217)

اور تم میں سے جو دین سے مرتد ہو جائے اور کفر کی حالت میں مرے، اس کے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اس دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کے نیک اعمال اس وقت حبط ہوں گے، جب کہ کفر ہی پر اس کی موت ہوئی ہو، اگر اس نے ارتداد سے توبہ کر لی اور دوبارہ اسلام کے دائرہ میں آ گیا، تو اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔

☆ قرآن مجید میں حرام غذاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا : **حرمت عليكم الميتة والدم** .(مائدہ:3)

تم پر مردار اور خون حرام کئے گئے ہیں۔

---دوسری جگہ حرام اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ’’**أو دماً مسفوحاً** ‘‘(انعام:145)’’......یا بہتا ہوا خون‘‘---معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں بھی مطلق خون مراد نہیں ہے؛ بلکہ بہتا ہوا خون مراد ہے۔

4- بعض دفعہ ایک آیت میں کوئی نامانوس لفظ استعمال ہوتا ہے، دوسری آیت میں اس مفہوم کو معروف و متداول لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس طرح ایک لفظ سے دوسرے لفظ کی تشریح ہو جاتی ہے، جیسے :

’’**وأمطرنا عليهم حجارة من سجيل**‘‘۔ (الحجر:74)

اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔

---اس میں ’’**سجیل**‘‘ سے گاڑے سے بنا ہوا کنکر مراد ہے، یہ بات ’’ **لنرسل عليهم حجارة من طين** ‘‘(ذاریات: 33) سے واضح ہوتی ہے۔

5- کبھی ایک جگہ کسی واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، جیسے :

’’**وإذ واعدنا موسىٰ اربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده**‘‘۔ (بقرہ:51)

اور وہ وقت بھی یاد کئے جانے کے لائق ہے، جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

دوسری جگہ چالیس راتوں کی تفصیل ہے کہ پہلے تیس راتوں کے اعتکاف کا حکم دیا گیا، پھر اس پر دس راتوں کا اضافہ کیا گیا:

’’**وواعدنا موسىٰ ثلاثين ليلة واتممنا ها بعشر فتم ميقات ربه اربعين ليلة**‘‘۔(اعراف:142)

قرآن مجید میں انبیاء اور مختلف فرقوں کے واقعات عام طور پر اسی طرح ذکر کئے گئے ہیں، کہیں مختصر اور مبہم، کہیں مفصل اور وضاحت کے ساتھ۔

6- کبھی ایک جگہ کوئی حکم عموم کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تخصیص کی جاتی ہے، جیسے :

’’**الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة**‘‘۔ (النور:2)

زنا کرنے والے مرد وعورت میں سے ہرایک کوسوکوڑے لگاؤ۔

دوسری جگہ فرمایا گیاہے :

’’**فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب**‘‘۔ (النساء:25)

باندیوں کے لئے شادی شدہ کے مقابلہ نصف سزاہے۔

معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں جوسوکوڑے کی سزاہے،اس کا تعلق آزادمردوں اورعورتوں سے ہے،غلاموں اور باندیوں کی سزااس کے مقابلہ میں نصف ہے،یعنی پچاس کوڑے۔

7- قرآن سے قرآن کی تفسیر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بعض کلماتِ قرآن کے سلسلہ میں ایک سے زیادہ قراءتیں منقول ہیں،ان میں ایک قرأت دوسری قرأت کی مراد متعین کرنے میں معاون ہوتی ہے،جیسے :

☆ کفارۂ قسم کے سلسلہ میں فرمایا گیا:’’**فصيام ثلاثة ايام** ‘‘۔ (مائدہ:88) یعنی:پس تین دن روزہ رکھنا ہے---حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں’’**فصيام ثلاثة ايام متتابعات**‘‘ ہے۔یعنی:پس تین دن لگاتارروزہ رکھنا ہے،اس سے یہ بات اخذ کی گئی ہے کہ کفارہ کے یہ تین روزے مسلسل رکھے جانے ضروری ہیں۔

اسی طرح قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں،جوایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔

7.5.2 حدیث سے تفسیر

تفسیر کا دوسرا ماخذ حدیث نبوی ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ آپ اپنے قول وعمل کے ذریعہ قرآن مجید کی توضیح فرمائیں،چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

’’**وأنزلنا إليک الذكر لتبين للناس مانزل إليهم**‘‘۔ (نحل:44)

اورہم نے آپ پرقرآن اس لئے نازل فرمایاہے کہ جوباتیں ان کی طرف نازل کی گئی ہیں،انھیں آپ ان پرواضح فرمادیں۔

----اس لئے حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کا سب سے بڑا ماخذ’حدیث‘ ہےاورجن کتابوں کو’تفسیر بالماثور‘ کی کتابیں کہا جاتا ہے،انھیں دیکھا جائےتواندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کی تشریح وتوضیح میں حدیث کا کتنا اہم کردار ہے؟

حدیث سے قرآن کی توضیح کی چند بنیادی صورتیں یہ ہیں :

1- قرآن میں بہت سے احکام نہایت اجمال کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اوران کی کیفیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے،حدیث اس اجمال کی توضیح کرتی ہے،جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**أقیموا الصلوٰة وآتوا الزکوٰة** ''۔نماز قائم کرواور زکوٰۃ دو،لیکن کیفیاتِ نماز اوراحکام زکوٰۃ کی تفصیل حدیث کے بغیر متعین نہیں ہوسکتی۔

☆ طواف کاحکم دیا گیا، ''**ولیطوفوا بالبیت العتیق**''۔ (الحج:29)لیکن طواف کا طریقہ ہمیں حدیث میں ہی ملتا ہے۔

☆ ارشادہوا کہ زمین کی حلال وطیب چیزوں کوکھاؤ، **کلوا مما فی الأرض حلالا طیباً**(البقرۃ:168)؛لیکن حلال وطیب میں کونسی چیزیں داخل ہیں اورکونسی چیزیں اس سے باہر ہیں؟ یہ ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

2- قرآن مجید میں بعض اشیاء کا بھی مبہم ذکر فرمایا گیا ہے، جیسے :

☆ ''**إنا اعطیناک الکوثر**''۔ (کوثر:1)

ہم نے آپ کوکوثر عطا کیا ہے۔

اب اس آیت میں ''کوثر'' سے کیا مراد ہے؟اس کی وضاحت حدیث سے ہوتی ہے، کہ یہ ایک خاص حوض ہے، جس سے میدان حشر میں آپ ﷺ اپنی اُمت کو پانی عنایت فرمائیں گے۔

☆ اسی طرح ارشاد ہے: ''**لمسجد اسس علی التقوی** ''۔(توبہ:108)اس سے کونسی مسجد مراد ہے؟---یہ ہمیں حدیث وسیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ 'مسجد قبا' اس کا مصداق ہے۔

3- قرآن میں بہت سے عددی اشارات ہیں،ان کی توضیح ہمیں حدیث کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی، مثلاً :

☆ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:''**ثانی اثنین إذ هما فی الغار**''۔ (توبہ:40)

دو میں کا دوسرا جب وہ دونوں غار میں تھے۔

----اب یہ بات کہ ثانی اثنین سے حضرت ابوبکر ؓ مراد تھے، حدیث ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:''**وعلی الثلاثة الذین خلفوا** ''،(توبہ:118)یعنی ''پیچھے رہ جانے والے تین لوگوں پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی تھی'' ---اب تین لوگوں سے کون صحابہ مراد ہیں؟اس کا علم حدیث ہی سے ہوسکتا ہے، کہ یہ تین کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ؓ تھے، جوغزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے---یہ چند مثالیں ہیں، ان کے علاوہ بھی قرآن میں بہت سے عددی اشارات ہیں، جن کی توضیح وتشریح حدیث کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

4- قرآن میں بعض واقعات کی طرف مبہم اشارہ کیا گیا ہے، حدیثیں یہ بتاتی ہیں کہ اس کی مراد کیا ہے اورصاحب واقعہ کون ہیں؟

☆ جیسے ارشاد ہے:''**عبس وتولیٰ أن جائه الأعمی**''۔(عبس:2-1)

پیشانی شکن آلود ہوگئی اور چہرہ پھیرلیا کہ ان کے پاس نابینا آ گئے۔

----اب یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر شکن آ گیا اور آنے والے نابینا حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، ہمیں حدیث ہی سے معلوم ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح ارشاد ربانی ہے: ''**وإذ أسرّ النبي إلى بعض أزواجه حديثاً**''۔(تحریم:3)

اور جب نبی نے اپنی بعض بیویوں سے ایک بات راز داری کے ساتھ کہی۔

راز داری والی بات کیا تھی؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ بات کس زوجہ سے فرمائی تھی؟ اسے حدیث کے بغیر نہیں جانا جا سکتا، حدیث بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کو راز دار بنایا تھا۔

5- قرآن مجید کے بعض الفاظ ایسے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، حدیث اس احتمال کو متعین کرتی ہے، جیسے ارشاد ہے :

''**حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى**''۔(بقرہ:238)

نمازوں اور (خاص کر) درمیانی نماز کی پابندی کرو۔

چوں کہ نمازیں پانچ ہیں، اس لئے ہر نماز بقیہ نمازوں کی نسبت سے درمیانی نماز ہے، اب سوال یہ ہے کہ 'صلاۃ وسطیٰ' سے کونسی نماز مراد ہے؟ حدیث نے بتایا کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔

6- اسی طرح قرآن مجید کے بعض مشکل مقامات کی توضیح حدیث کے بغیر نہیں ہوسکتی، جیسے قرآن میں فرمایا گیا :

''**الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون**''۔(انعام:83)

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، ان ہی کے لئے (آخرت کا) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

----قرآن کی زبان میں ہر گناہ ظلم ہے، تو بظاہر اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو ایمان کے ساتھ کسی بھی گناہ کا مرتکب ہو، وہ آخرت کے امن کو نہیں پا سکتا، ظاہر ہے یہ ایسی بات ہے کہ اس کے بعد کسی بھی انسان کی نجات دشوار ہے، اس لئے صحابہ کو اس سے بہت گرانی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مراد واضح فرمائی کہ یہاں ظلم سے شرک مراد ہے، جو سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے لئے قرآن مجید ہی کی آیت پیش فرمائی:
''**إن الشرك لظلم عظيم**''۔(لقمان:13)

7- کبھی قرآن مجید میں کوئی حکم عموم واطلاق کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمومی حکم سے بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں یا یہ کہ یہ حکم بلا قید نہیں ہے، جیسے :

☆ آیت میراث (نساء:11) بہ ظاہر عام ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جن رشتہ داروں کا ذکر آیا ہے، وہ بہر حال اس کے ترکہ میں وارث ہوں گے؛ لیکن حدیث واضح کرتی ہے کہ قاتل اور غیر مسلم اپنے مقتول اور مسلمان رشتہ دار سے وارث نہیں ہوں گے۔

8- کبھی قرآن مجید میں وارد ہونے والا کوئی لفظ اپنی مراد کے اعتبار سے نامانوس ہوتا ہے، حدیث سے اس کا مصداق متعین ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:''**وکذالک جعلناکم امۃ وسطا**''۔ (بقرہ:114) ہم نے تم لوگوں کو اُمت وسط بنایا۔

یہاں ''وسط'' سے کیا مراد ہے؟ یہ وضاحت طلب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح ''عدل'' سے فرمائی، یعنی اُمت محمدیہ عدل واعتدال کی حامل اُمت ہے۔

9- بعض واقعات کی طرف قرآن مجید میں محض اشارہ کر دیا گیا ہے، حدیث کے ذریعہ ہمیں ان واقعات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، جیسے ''واقعۂ اسراء ومعراج، اصحابِ اخدود کا قصہ''۔

7.5.3 تفسیر اور آثارِ صحابہ

تفسیر کا تیسرا ماخذ، صحابہ کے اقوال وارشادات ہیں، جس شخص نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت ہوئی ہو، اس کو'' صحابی'' کہتے ہیں---صحابہ نے چوں کہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سیکھا اور سمجھا ہے؛ اس لئے قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح میں ان کی وضاحتوں اور اقوال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے اور جن آیات کی تفسیر میں قرآن وحدیث سے روشنی نہیں ملتی ہو، ان میں صحابہ کے اقوال تفسیر کا سب سے اہم ماخذ ہیں۔

صحابہ کے تفسیری اقوال تین طرح کے ہیں :

(الف) ایسے اقوال جن میں ذاتی قیاس واجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور غالب گمان ہو کہ انھوں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی نقل کیا ہوگا۔

(ب) وہ اقوال جن میں ذاتی اجتہاد وقیاس کی گنجائش ہو۔

(ج) وہ اقوال جو پچھلی اقوام سے متعلق ہوں اور اس بات کا امکان ہو کہ انھیں اہل کتاب سے سنا گیا ہوگا۔

(الف) پہلی قسم کے تفسیری اقوال معتبر ہیں اور حدیث کے درجہ میں ہیں، اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت ''**لقد رأی من آیات ربہ الکبری** ''(نجم:18) یعنی: تحقیق کہ انھوں نے اپنے رب کی بڑی نشانی دیکھی ہے۔ کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس سے ''سفید رفرف'' مراد ہے، جو پورے اُفق پر چھا گیا تھا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر:4858)

☆ ''**فکان قاب قوسین أو ادنی فأوحی الی عبدہ ما اوحی** ''(نجم:10-9) یعنی: پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک۔ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اس سے حضرت جبرئیل مراد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اصل شکل میں دیکھا؛ جب کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ (بخاری: کتاب التفسیر، حدیث نمبر:4856)

☆ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جن صاحب کا ذکر ہے، ان کے نام کی صراحت نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ (بخاری: کتاب الانبیاء، حدیث نمبر:2400)

☆ سورۂ طور میں ''سقف مرفوع'' (بلند چھت) کا ذکر آیا ہے، (طور: 5) ---حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ اس سے آسمان مراد ہے (طبری:18/27)

اس طرح کے بہت سے تفسیری اقوال ہیں، جن میں اجتہاد کو دخل نہیں اور بہ ظاہر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی انھوں نے فرمایا ہوگا، ایسے اقوال اگر مستند طور پر ثابت ہوں تو وہ حدیث کے درجہ میں ہیں اور حجت ہیں۔

صحابہ کی تفسیر مختلف جہتوں سے قرآن مجید کے سمجھنے میں معاون بنتی ہے۔

1- کبھی اس سے مبہم و مجمل مضامین کی وضاحت ہوتی ہے، جیسے :

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**هذان خصمان اختصموا فی ربهم**''۔(الحج:19)

یہ دو فریق ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔

حضرت ابوذر ﷺ نے فرمایا: یہ آیت غزوۂ بدر میں حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث ﷺ کے عقبہ، شیبہ اور ولید کے مقابلہ نکلنے کے سلسلہ میں ہے۔

☆ آیت قرآنی : ''**إدفع بالتی هی احسن**''۔(فصلت:34)

برائی کا بھلائی سے دفاع کرو۔

میں بہتر طریقہ پر دفاع سے کیا مراد ہے؟ ---حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا: غصہ کے وقت صبر سے کام لے اور فریق مخالف کی طرف سے بدسلوکی و بدکلامی پر معاف کردے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر**''۔ (سجدہ:21)

بالیقین ہم انھیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے۔

حضرت ابی بن کعب ﷺ نے فرمایا: قریبی عذاب سے مراد دنیا کے مصائب ہیں۔

2- مضامین قرآن کو سمجھنے میں ان واقعات کی بڑی اہمیت ہے، جن کے پس منظر میں آیات نازل ہوئی ہیں، اس سلسلہ میں آثار صحابہ سے بڑی روشنی ملتی ہے، مثلاً :

☆ ''**إذ جاء وكم من فوقكم ومن اسفل منكم واذا زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر**''۔ (احزاب:10)

جب کہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منھ کو آ گئے

اس آیت میں کس موقع کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟ ---یہ ہمیں حضرت عائشہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں غزوۂ خندق کے زمانہ کا

ذکر ہے۔

☆ زمانۂ جاہلیت میں جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی، ان میں ایک کا نام ''لات'' تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے، (نجم: 19) ---حضرت عبداللہ بن عباس کے قول سے وضاحت ہوتی ہے کہ ایک شخص حاجیوں کے لئے ستو گوندھنے کی خدمت انجام دیتا تھا، یہ بت اسی کی یادگار کے طور پر تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر: 4859)

☆ قرآن مجید میں حج کے افعال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''**ثم افیضوا من حیث افاض الناس**''۔ (بقرہ: 199)

پھر تم اس جگہ سے (جاکر) لوٹو، جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔

''لوگ'' کہاں جاکر لوٹتے تھے اور حاجیوں کو کہاں جانے کا حکم ہے؟ ---قرآن میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس کی وضاحت حضرت عائشہؓ کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ قریش حج میں مزدلفہ تک جاتے تھے اور عرفات چوں کہ حرم سے باہر ہے، اس لئے وہاں نہیں جاتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز خیال کرتے تھے، دوسرے حجاج عرفات بھی جاتے تھے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہل مکہ کو حکم دیا گیا ہے، کہ جیسے دوسرے لوگ عرفات جاتے ہیں، اہل مکہ کو بھی عرفات جانا چاہئے۔

3- قرآن مجید کی بہت سی آیات کسی خاص واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں، اگر چہ ان آیات میں دیئے گئے احکام عام ہیں اور انھیں واقعات کے ساتھ خاص نہیں ہیں، تاہم ان واقعات سے آیت کا مفہوم سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے، ان کو اصطلاح میں ''اسبابِ نزول'' یا ''شانِ نزول'' کہا جاتا ہے، ان کی بھی تفسیر میں خاص اہمیت ہے، زیادہ تر اسبابِ نزول صحابہ ہی سے منقول ہیں۔

4- قرآن مجید میں بعض احکام اس طرح ذکر کئے گئے ہیں کہ بہ ظاہر وہ عام معلوم ہوتے ہیں، صحابہ کے تفسیری اقوال سے وضاحت ہوتی ہے کہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ بھی ہیں، جیسے عدت وفات کے سلسلہ میں قرآن مجید کا بیان ہے :

''**والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن أربعة اشھر وعشراً**''۔ (بقرہ: 234)

اور تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس روز رکی رہیں۔

بہ ظاہر اس آیت میں حاملہ اور غیر حاملہ تمام بیوہ عورتوں کی عدت چار ماہ دس دن بتائی گئی ہے؛ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ حکم ان عورتوں کے لئے ہے، جو حاملہ نہ ہوں، حاملہ کی عدت بچہ کی ولادت تک ہی ہے، خواہ ولادت چار ماہ دس دنوں کے بعد ہو یا اس سے پہلے ہی ہو جائے؛ کیوں کہ حاملہ کی عدت قرآن مجید کی ایک اور آیت میں یہی بیان کی گئی ہے: ''**وأولات الاحمال أجلھن أن یضعن حملھن**''۔ (طلاق: 4)

5- اسی طرح صحابہ کی تفسیر سے بعض آیات کے بارے میں وضاحت ہوتی ہے کہ ان آیات کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جیسے:

☆ ''**وعلی الذین یطیقونه ، فدیة طعام مسکین**''۔ (بقرہ: 184)

اور جولوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں، وہ ایک مسکین کے کھانے کے ذریعہ فدیہ بھی دے سکتے ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ "**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**"۔ (البقرۃ: 185) "جس پر بھی ماہ رمضان آئے، اسے روزہ رکھنا چاہئے" سے منسوخ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "**وإن تبدو مافى انفسكم أو تخفوه يحاسبكم به الله**"۔ (بقرہ:284)

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، تم اسے ظاہر کر دو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

غرض کہ آثار صحابہ تفسیر قرآن کے لئے ایک اہم ماخذ ہے، اسی لئے جو کتابیں 'تفسیر بالماثور' کے منہج پر لکھی گئی ہیں، ان میں کثرت سے صحابہ کے آثار نقل کئے گئے ہیں اور اگر صحابہ کے تفسیری اقوال معتبر سندوں سے نقل کئے گئے ہوں تو وہ تفسیر میں معتبر و مقبول ہیں۔

(ب) صحابہ کے بعض تفسیری اقوال ان اُمور سے متعلق ہیں، جن میں قیاس واجتہاد کی گنجائش ہے، یہ اقوال حجت نہیں ہیں، جیسے :

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ نصر کے بارے میں فرمایا کہ اس میں "فتح" سے فتح مکہ مراد ہے اور اشارہ ہے کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب آچکا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے۔

☆ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا کہ قرآن مجید میں ایک طرف کہا گیا ہے کہ قیامت میں کوئی رشتہ یاد نہیں رہے گا اور لوگ ایک دوسرے سے کچھ دریافت کرنے کا بھی یارانہ پائیں گے" **فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتسائلون**"۔ (مومنون:101) دوسری طرف فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے استفسار کریں گے" **وأقبل بعضهم على بعض يتساء لون** "۔ (صافات:27) ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟---عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلی آیت میں جو کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ قیامت میں دوسرا صور پھونکنے کے بعد ہوگی اور دوسری آیت کا تعلق تیسرے صور پھونکنے کے بعد سے ہے۔(بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر حم السجدہ)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی نے "**كـأسـا دهـاقـا**" (عم:34) کی تفسیر ایسے پیانوں سے کی ہے، جو بھرے ہوئے ہوں اور مسلسل دیئے جائیں، اور انھوں نے اس پر زمانۂ جاہلیت کے استعمال سے استدلال کیا ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ صحابہ نے کوئی بات پچھلی اقوام یا کتابوں سے متعلق کی ہو، یہ حجت نہیں ہے؛ البتہ اگر اس کا مضمون کتاب و سنت کے مغائر نہیں ہو تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی آیت :

"**فإنها محرمة عليهم أربعين سنة يتيهون فى الأرض**"۔ (المائدہ: 26)

......وہ (بیت المقدس) ان پر چالیس سال کے لئے حرام ہے، وہ زمین میں بھٹکتے رہیں گے۔

--- کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفصیل منقول ہے کہ اس وقت جن لوگوں کی عمر بیس سال تھی، ان لوگوں کا میدان

تیہ میں انتقال ہوگیا، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی بھی وفات ہوگئی اور حضرت یوشع نے بیت المقدس کو فتح کیا---اسی نوعیت کی روایت ہے، چوں کہ اس تفصیل کا کتاب وسنت سے تعارض نہیں ہے، اس لئے اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

7.5.4 تفسیر اور عربی زبان ولغت

تفسیر کا چوتھا ماخذ 'عربی زبان ولغت' ہے، قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، عربی لغت اور عربی قواعد کے محاورات کے بغیر قرآن مجید کو سمجھا نہیں جاسکتا؛ اس لئے ظاہر ہے کہ عربی زبان تفسیر قرآن کا ایک اہم ترین ماخذ ہے؛ لیکن اگر خود قرآن مجید کی کسی آیت سے یا حدیث اور صحابہ کے متفقہ قول سے معلوم ہو کہ کوئی لفظ اپنے معنی لغوی میں استعمال نہیں ہوا ہے، تو وہاں لغوی معنی پر وہ تشریح مقدم ہوگی، جو قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہو۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''**اِنها بقرة صفراء فاقع لونها**''۔ (البقرہ:69)

اہل علم نے ''صفراء'' کا ترجمہ نہایت زرد رنگ سے کیا ہے؛ لیکن بعض حضرات نے نہایت سیاہ سے بھی اس کا ترجمہ کردیا ہے، یہ عربی زبان سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہے، علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ کے لئے ''صفراء'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے سیاہ اونٹ مراد ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اس کی سیاہی زردی مائل ہوا کرتی ہے، برخلاف بقرہ (گائے) کے، کہ اس کی صفت ''صفراء'' لائی جائے تو زرد رنگ ہی مراد ہوتا ہے۔

عربی زبان سے کما حقہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ مضحکہ خیز غلطی ہوجاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''**یوم ندعوا کل اناس بامامهم**''۔ (اسراء:71)

یہاں 'امام' کے معنی سردار کے ہیں؛ لیکن بعض لوگوں نے 'امام' کو اُم (ماں) کی جمع مان لیا اور اس آیت کا مطلب یہ سمجھا کہ قیامت میں لوگوں کو ماؤں کی نسبت سے بلایا جائے گا؛ حالاں کہ ''ام'' کی جمع ''امہات'' آتی ہے نہ کہ امام۔

اسی طرح قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''**فقلنا اضرب بعصاک الحجر**''۔ (البقرۃ:7) ---یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی سے ماریں، اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑیں گے،---بعض لوگوں نے یہاں ''ضرب'' کے معنی مارنے کے بجائے چلنے کے کئے ہیں، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چڑھ جائیں، مگر یہ تفسیر درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں ضرب کا صلہ ''ب'' آیا ہے اور جب صلہ ''ب'' ہو تو اس کے معنی مارنے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ ''فی'' ہو تب چلنے کے معنی آتے ہیں۔

7.5.5 تفسیر اور عقل سلیم

تفسیر قرآن کا پانچواں ماخذ 'عقل سلیم' ہے، بہت سی آیات کا مفہوم عقل اور اہل عقل کی تحقیق سے متعین ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بچہ کے رحم مادر میں ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''**فی ظلمات ثلاث**''۔ (زمر:6) یعنی ''جنین تین تاریک پردوں کے اندر ہوتا ہے''۔ حیرت انگیز طور پر آج کی سائنس یہ بتاتی ہے کہ جنین واقعی تین پردوں میں ہوتا ہے، پیٹ کی دیوار، رحم مادر کا پردہ اور بچہ دانی کی اندرونی جھلی،

اس طرح کے بہت سے سائنسی حقائق ہیں، جنھوں نے قرآن کی بعض آیات کے سمجھنے کو آسان کر دیا ہے؛ لیکن اس میں دو باتیں نہایت اہم ہیں:

اول: یہ کہ ہر عقل، عقل سلیم نہیں ہوتی، اس لئے جو شخص جو کچھ سمجھ لے قرآن مجید کے الفاظ کو اس پر منطبق کرنے لگے، یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان کی عقل ٹھوکر کھاتی رہتی ہے۔

دوسرے: قرآن کا اصل موضوع ہدایت ہے، یعنی انسان کو خدا سے جوڑنا اور اسے خدا کی مرضیات اور منہیات کے بارے میں بتانا؛ اس لئے بہ تکلف قرآن سے عقلی تصورات کو ثابت کرنا درست نہیں، ورنہ مستقبل میں اگر نظریات بدل جائیں اور گذشتہ فکر غلط ثابت ہو، تو قرآن مجید کی حقانیت کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔

تفسیر قرآن کے دو ایسے مأخذ کا ذکر بھی ضروری ہے، جو نا معتبر ہیں:

7.5.6 اسرائیلی روایات

اول: اسرائیلی روایات، اس سے مراد بائبل کے بیانات ہیں، چوں کہ قرن اول ہی میں بہت سے علماء اہل کتاب نے اسلام قبول کیا تھا اور قرآن مجید میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں، جن کا ذکر تورات و انجیل میں بھی ہے، اس لئے بعض علماء اسلام نے تفسیر میں معلومات میں اضافہ کے لئے اسرائیلی روایات کو شامل کر دیا اور بتدریج یہ غیر معتبر روایتیں تسلیم شدہ اقوال کے طور پر نقل ہوتی گئیں، اس سے تفسیر کے صاف و شفاف مواد کو بہت نقصان پہنچا اور بعض ایسی باتیں تفسیر کا حصہ بن گئیں، جو اسلامی تعلیمات کے بالکل مغائر ہیں، یا جن میں انبیاء کرام کی عظمت کو مجروح کیا گیا ہے، یا وہ عقل و مشاہدہ کے خلاف ہیں، اس لئے اسرائیلیات کے سلسلے میں علماء کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ یہ روایات تین طرح کی ہیں :

ایک: وہ جن کا درست ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے،---ان کو قبول کیا جائے گا۔

دوسرے: وہ جو قرآن وحدیث سے متعارض ہوں یا عقل کے خلاف ہوں،---ان کا اعتبار نہیں اور ان کو بلا تنقید نقل کرنا بھی درست نہیں۔

تیسرے: وہ اسرائیلی روایات ہیں جو نہ پہلی قسم میں داخل ہیں اور نہ دوسری قسم میں، ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے گا، نہ ہم اس کی تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب، اسرائیلیات کے بارے میں اس اُصول کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہے :

''لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوه وقولوا آمنا بالله وما انزل الينا''۔

(بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرۃ، حدیث نمبر: 4485)

اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ انھیں جھٹلاؤ، اور کہو ہم اللہ پر اور اللہ کی طرف سے ہم پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس پر ایمان لائے۔

7.5.7 تفسیر بالرائ

دوسرے: محض اپنی رائے کی بناء پر قرآن مجید کی تفسیر کی اجازت نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''**من قال فی القرآن برأیه فأصاب فقد أخطأ**''۔

(ترمذی: باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ، حدیث نمبر:2952)

جو شخص قرآن مجید میں اپنی رائے سے کلام کرے، اگر وہ صحیح بات بھی کہے، تب بھی اس نے غلطی کی۔

----اس حدیث میں ہر رائے کی مذمت کرنا مقصود نہیں ہے، جو رائے قرآن وحدیث کے مطالعہ، قواعد شرعیہ اور علم وتحقیق پر مبنی ہو، وہ تو مطلوب ہے، یہاں رائے سے مراد ''خود رائی'' ہے، یعنی کوئی شخص پہلے سے کوئی رائے قائم کرلے اور بہ تکلف اسے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے؛ حالاں کہ قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ اور عربی زبان ولغت اس رائے کے خلاف جاتے ہوں۔

یہاں اس کی چند مثال ذکر کی جاتی ہے :

☆ ''**وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة**''۔ (القیامۃ:22)

اس دن چہرے تر وتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

چوں کہ معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ہوسکتا ہے نہ آخرت میں، اور اس آیت سے جنت میں دیدار الٰہی کا ثبوت مل رہا ہے؛ اس لئے انھوں نے ''**ناظرة**'' کا مفہوم بیان کیا کہ وہ اللہ کی طرف اُمید لگائے ہوں گے، یہ ظاہر ہے عربی لغت کے خلاف ہے۔

☆ ''**وکلم الله موسیٰ تکلیماً**''۔ (النساء:164)

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے گفتگو کی۔

چوں کہ بعض لوگ اللہ کے انسان سے گفتگو کرنے کو محال سمجھتے ہیں؛ اس لئے انھوں نے یہاں ''**کَلَّمَ**'' کو ''**کَلَمَ**'' سے ماخوذ مانا ہے جس کے معنی زخم کے آتے ہیں، پھر اس آیت کی تشریح اس طرح سے کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو مصائب کے ناخنوں اور فتنوں کے پنجوں سے زخمی کیا۔

☆ اسی طرح روافض نے بہت سی آیات کی تشریح کی اور اس کے ظاہری معنی سے ہٹ کر اپنی فکر کی تائید کے لئے حسبِ خواہش تشریح کی، جیسے:

☆ ''...... **ولا تقربا هذه الشجرة**''۔ (البقرۃ:35)

(اے آدم وحوا!) تم دونوں اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔

اس آیت میں جنت کے ممنوعہ درخت کا ذکر ہے؛ لیکن بعض شیعہ مفسرین کے نزدیک اس درخت کا نام ''شجرۂ علم'' ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لئے مخصوص ہے، دوسروں کو اس میں سے کھانے کی اجازت نہیں، یہ تفسیر حسن عسکری کی طرف منسوب ہے، ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں یا حدیثوں میں کہیں اس کا کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔

☆ اسی طرح علامہ طبرسی نے قرآن مجید کی آیت:

''انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون''۔

(المائدہ:55)

بے شک تمہارے دوست اللہ، اس کے رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں۔

---کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ''**الذین آمنوا**'' سے سیدنا حضرت علیؓ مراد ہیں اور اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل ہیں---ظاہر ہے کہ اس دعویٰ پر قرآن مجید کے الفاظ میں کوئی دلیل نہیں؛ کیوں کہ ''الذین آمنوا'' جمع کا صیغہ ہے اور تمام مومنوں کو شامل ہے، اگر حضرت علیؓ مراد ہوتے تو اللہ نے وضاحت کے ساتھ ان کا نام ذکر فرمایا ہوتا۔

جہاں قرآن مجید کے حفاظ اور قراء کے ذریعہ قرآن مجید کے الفاظ کی حفاظت ہوئی ہے، وہیں تفسیر کے سلسلہ میں مفسرین نے اخذ واستنباط کے جو اُصول مقرر کئے ہیں، ان سے قرآن مجید کے معانی کی حفاظت ہوئی ہے اور تحریف معنوی کا راستہ بند ہوا ہے۔

7.6 اکتسابی نتائج

- قرآن مجید کی بعض عبارتیں مجمل اور قابل وضاحت ہیں، ان کی تشریح کو تفسیر کہتے ہیں۔
- تفسیر سے قریب ایک اور لفظ ''تاویل'' ہے، اگر قرآن مجید کے معنی تک پہنچنے میں غور واستنباط کی ضرورت نہ پیش آتی ہو تو زیادہ تر اسے تفسیر کہا جاتا ہے اور اگر غور واستنباط کے ذریعہ معنی اخذ کیا جائے، تو اس کو ''تاویل'' کہا جاتا ہے۔
- قرآنی آیات کی مراد کو سمجھنے کے لئے دوسری آیاتِ قرآنی، احادیث، صحابہ کے اقوال، عربی لغت اور عقل سلیم سے مدد لی جاتی ہے؛ البتہ ایسی اسرائیلی روایات---جو قرآن مجید کی تعلیمات اور اسلام کی فکر سے متصادم ہوں---غیر معتبر ہیں۔
- اسی طرح ایسی رائے کا بھی اعتبار نہیں، جس پر کوئی معتبر دلیل موجود نہ ہو۔

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ تفسیر کی لغوی واصطلاحی تعریف کرتے ہوئے تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق واضح کیجیے۔

2۔ تفسیر کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالیے۔

3۔ تفسیر میں عربی زبان ولغت جاننے کی کیا اہمیت ہے؟ مثالوں سے واضح کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ تفسیر قرآن مجید کے مآخذ (قرآن، حدیثِ نبوی، آثارِ صحابہ) سے تفسیر میں کس کس طرح مدد ملتی ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔

2۔ تفسیر میں عقل سلیم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اسرائیلی روایات سے متعلق مفسرین کے نقطۂ نظر سے بحث کیجیے؟

3۔ تفسیر میں رائے کی کیا حیثیت ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔

7.8 فرہنگ

ادوار : (دور کی جمع) زمانہ۔

اسراء : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے بیت المقدس کی طرف معجزاتی سفر۔

اصحابِ اخدود : گڑھے والے، ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا قرآن مجید کی سورہ نمبر: ۸۵ میں ذکر آیا ہے۔

اعتدال : میانہ روی۔

اولین : سب سے پہلا/ پہلی۔

بے آمیز : ملاوٹ سے پاک۔

بیتِ عتیق : پرانا گھر (کعبۃ اللہ شریف مراد ہے)۔

تحریف معنوی : معنی میں اُلٹ پھیر۔

تعلیقاً : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث وآثار کو نقل کرنا اور سند ذکر نہ کرنا۔

تکذیب : جھٹلانا

تنقید : جانچنا، پرکھنا

جاہلیت : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا زمانہ۔

جبریہ : ایک فرقہ جو انسان کو اپنے افعال میں مجبور محض خیال کرتا تھا۔

حبط : بیکار، ضائع۔

حجت : دلیل۔

خود رائی : اپنی ہی رائے کو درست اور کافی سمجھنا۔

سند : روایت نقل کرنے والوں کا سلسلہ۔

شانِ نزول : وہ واقعہ جس کی وجہ سے کوئی آیت اُتری ہو۔

شواہد	:	گواہیاں، دلیلیں۔
صَرف	:	عربی زبان (گرامر) سے متعلق ایک فن۔
صلہ	:	(حرف) لغت کی اصطلاح میں وہ حرف جو کسی فعل کو اسم سے مربوط کرنے کے لئے آتا ہے۔
طَیِّب	:	پاکیزہ، حلال
عدت	:	شوہر سے علیحدگی یا اس کی وفات کے بعد ایک مخصوص مدت، جس میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔
عدل	:	انصاف۔
فدیہ	:	عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے سے واجب ہونے والا مال، یعنی: ایک روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا
قدریہ	:	ایک فرقہ، جو انسان کو اپنے افعال کے بارے میں قادرِ مطلق مانتا ہے کہ اس میں اللہ کی مشیت کا کوئی دخل نہیں۔
قرنِ اول	:	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا زمانہ
ماخذ	:	جس سے کوئی علمی مواد حاصل کیا جائے۔
مبہم	:	جو بات واضح نہ ہو۔
متبادر	:	جس بات کی طرف بلا سوچے ذہن منتقل ہو جائے۔
مرویات	:	روایتیں۔
معراج	:	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس سے آسمانوں تک کا معجزاتی سفر۔
مفردات القرآن	:	قرآن مجید کے مشکل یا کم استعمال ہونے والے الفاظ۔
منسوخ	:	وہ آیت یا حدیث، جس کا حکم باقی نہیں ہو۔
موضوع	:	جس علم میں جس چیز سے بحث کی جاتی ہے وہ اس کا موضوع ہوتا ہے، جیسے: میڈیکل سائنس کا موضوع ’انسانی جسم اور دوائیں‘ ہیں۔
نحو	:	(عربی گرامر سے متعلق ایک فن)، جس سے زبر، زیر اور پیش وغیرہ کی تعیین کی جاتی ہے۔
واضع (حدیث)	:	(حدیث) گھڑنے والا۔

7.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تدوین قرآن	:	مولانا سید مناظر احسن گیلانی
2۔ تاریخ القرآن	:	ڈاکٹر عبد الصمد صارم ازہری
3۔ جمع قرآن	:	مولانا تمنا عمادی
4۔ علوم القرآن (اُردو ترجمہ)	:	ڈاکٹر صبحی محمصانی
5۔ علوم القرآن	:	مولانا محمد تقی عثمانی
6۔ علوم القرآن	:	ڈاکٹر احسن الدین
7۔ منازل العرفان فی علوم القرآن	:	مولانا محمد مالک کاندھلوی
8۔ مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی	:	مولانا ابوالحسن علی ندوی
9۔ تفسیر میں اسرائیلی روایات	:	مولانا اسیر ادروی

۔:oOo:۔

اکائی 8 : تفسیر کی تاریخ

اکائی کی ساخت

8.1 تمہید
8.2 مقصد
8.3 تفسیر: عہد نبوی وعہد صحابہ میں
8.4 تفسیر: عہد تابعین میں
8.5 تدوینی مراحل
8.5.1 معانی القرآن
8.6 اکتسابی نتائج
8.7 نمونہ امتحانی سوالات
8.8 فرہنگ
8.9 تجویز کردہ کتابیں

8.1 تمہید

اس اکائی میں تفسیر قرآن کا تاریخی جائزہ لیا جائے گا، اور عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں تفسیر کے ارتقاء اور ماقبل تدوین تفسیر کی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی، اور تدوینی مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے اولین تفسیر کا تعارف بھی پیش کیا جائے گا۔

8.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد تفسیر قرآن مجید کے تاریخی ارتقاء اور مختلف ادوار میں اس سے متعلق خدمات اور مفسرین کی کوششوں سے طلبہ کو واقف کرانا ہے۔

8.3 تفسیر: عہد نبوی وعہد صحابہ میں

رسول اللہ ﷺ کے ذمہ صرف قرآن مجید کو پہنچانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی تشریح بھی آپ کی ذمہ داری تھی، اس لئے تفسیر قرآن کا آغاز آپ

ﷺ کی ذاتِ والاصفات سے ہوتا ہے، چنانچہ کتبِ حدیث میں تفسیر سے متعلق مستقل ابواب قائم کئے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں کتنی ہی حدیثیں حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہیں، بلکہ پورا ذخیرۂ حدیث ہی الفاظِ قرآنی کی تشریح یا اس کے مجمل احکام کی توضیح ہے۔

حضور ﷺ سے براہِ راست قرآن مجید کو صحابہ ﷺ نے سمجھا ہے، اس لئے صحابہ ﷺ میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے، جن سے قرآن مجید کی تشریح وتوضیح منقول ہے، لیکن دس صحابہ وہ ہیں، جن کو اس فن میں امتیازی حیثیت حاصل تھی، ان کے نام یہ ہیں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	(2) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
(3) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	(4) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	(6) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(7) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	(8) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
(9) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	(10) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

پھر ان صحابہ ﷺ میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابی بن کعب ﷺ سے زیادہ تفسیری روایات منقول ہیں، خاص کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تو خود حضور ﷺ نے ''ترجمان القرآن'' کا خطاب دیا ہے، اور ان کی تفسیری مرویات سب سے زیادہ تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک ان میں سے بہت کم روایتیں قابل اعتبار ہیں۔

ان صحابہ ﷺ سے زیادہ تر جو تفسیری روایات منقول ہیں ان کی سند مختصر طور پر ذکر کی جاتی ہیں؛ تاکہ ان کی تفسیری روایات میں سے معتبر اور نامعتبر مرویات کا ایک حد تک اندازہ ہو سکے :

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات

1- عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

2- عن قیس بن مسلم کوفی عن عطاء بن السائب عن سعید ابن جبیر عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

3- عن محمد ابن اسحاق عن محمد بن ابی محمد مولیٰ آلِ زید بن ثابت عن عکرمہ عن سعید بن جبیر عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

4- عن اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدّی کبیر عن ابو مالک عن ابوصالح عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

5- عن عبدالملک بن جُریج عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

6- عن ضحاک بن مُزاحم ہلالی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

7- عن عطیہ عوفی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

8- عن مُقاتِل بن سلیمان خراسانی عن مجاہد عن ضحاک عن عبداللہ بن عباسؓ۔

9- عن محمد بن سائب کلبی عن ابوصالح عن عبداللہ بن عباسؓ۔

ان میں سے پہلی سند حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات میں سب سے قوی سمجھی گئی ہے اور امام بخاری نے بھی اسی سند کی مرویات کو اپنی کتاب میں تعلیقاً نقل کیا ہے، دوسری سند بھی معتبر ہے، جسے بخاری و مسلم کے معیار پر مانا گیا ہے، تیسری سند حسن کے درجہ کی ہے؛ البتہ پہلی دو سندوں سے کم تر سمجھی گئی ہے، چوتھی اور پانچویں سندیں قابل تحقیق ہیں، نہ اِن اَسناد کی تمام مرویات معتبر ہیں اور نہ تمام مرویات نامعتبر ہیں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور نویں سندیں ضعیف اور نامعتبر سمجھی گئی ہیں --- یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیری مرویات کو علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی مصنف: ''القاموس المحیط'' نے ''تنویر المقیاس'' کے نام سے جمع کیا ہے، یہ روایتیں محمد بن سائب کلبی کے واسطے سے ہیں، جن کو محدثین نے نہ صرف ضعیف مانا ہے؛ بلکہ ان کو واضع حدیث بھی قرار دیا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیری مرویات

1- عن اَعمش عن ابوالضحیٰ عن مَسروق عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

2- عن مجاہد عن ابومَعْمر عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

3- عن اعمش عن ابووائل عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

4- عن سُدِّی کبیر عن مُرّہ ہمدانی عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

5- عن ابوروق عن ضحاک عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

ان میں سے پہلی، دوسری اور تیسری سندیں نہایت قوی ہیں اور خود امام بخاری نے ان سندوں سے روایت لی ہے، روایت کا چوتھا سلسلہ مختلف فیہ ہے؛ کیوں کہ سدی کبیر کو بعض اہل علم نے معتبر مانا ہے اور بعض نے نہیں، اور پانچویں سند معتبر نہیں ہے؛ اس لئے کہ ضحاک کی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

☆ حضرت علیؓ کی مرویات

سیدنا حضرت علیؓ کی طرف چوں کہ بہت سی روایتیں غلط طور پر منسوب کردی گئیں ہیں؛ اس لئے زیادہ تر مرویات محدثین کے نزدیک معتبر نہیں مانی گئی ہیں، عام طور پر ان سندوں کو قابل اعتبار سمجھا گیا ہے، جو اہل بیت کے ثقہ راویوں سے ہیں یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے سلسلہ سے مروی ہیں، چنانچہ حسب ذیل تین اَسناد حضرت علیؓ کی تفسیری مرویات کے سلسلے میں معتبر مانی گئی ہیں :

1- عن ہِشام عن محمد بن سیرین عن عُبیدہ سَلمانی عن علی بن ابی طالبؓ۔

2- عن ابن ابی حسین عن ابوطفیل عن علی بن ابی طالبؓ۔

3- عن ابن شہاب زہری عن علی زین العابدین عن حسین بن علی ! علی بن ابی طالبؓ۔

ان میں سے تیسری سند نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کا شمار اصح الاسانید یعنی صحیح ترین سندوں میں ہے، پہلی سند سے امام بخاری نے اپنی کتاب میں روایت نقل کی ہے، اور دوسری سند بھی معتبر مانی گئی ہے۔

☆ حضرت ابی بن کعب کی مرویات

حضرت ابی بن کعبؓ کی تفسیری مرویات بھی مختلف سندوں سے منقول ہیں، جن میں بعض معتبر اور اکثر نامعتبر ہیں، معتبر سندیں دو ہیں:

1- عن ابوجعفر رازی عن ربیع ابن انس عن ابی بن کعبؓ۔

2- عن وکیع عن سفیان ثوری عن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن طفیل بن ابی بن کعب عن ابی بن کعبؓ۔

دوسری سند میں عبداللہ بن محمد پر بعض محدثین کو کلام ہے؛ لیکن امام احمدؒ اور مختلف محدثین نے ان کی روایت کو مستند مانا ہے۔

ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی بہت سی آیات کی تفسیر نقل کی گئی ہے۔

8.4 تفسیر: عہد تابعین میں

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا دور آتا ہے، اس دور میں بھی تفسیری ذخیرہ کی تدریس اور نقل و روایت کے ذریعہ اشاعت عمل میں آئی، اس دور میں مکہ، مدینہ اور عراق تفسیر کے اہم مراکز تھے، مکہ میں امام مجاہدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، سعید بن جُبیرؒ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام عکرمہؒ اور طاؤسؒ فن تفسیر کے امام سمجھے جاتے تھے، یہ سب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خصوصی شاگردوں میں ہیں، مدینہ کے علماء میں حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام زید بن اسلمؒ، ابوالعالیہؒ اور محمد بن کعب قُرظیؒ نمایاں تھے، محمد بن کعب کو حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور ابوالعالیہ کو ان تینوں صحابہ کے علاوہ حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی استفادہ کا موقع ملا تھا اور زید بن اسلم نے اکابر صحابہ کو پایا تھا۔

عراق کی درسگاہِ تفسیر کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رکھی تھی اور یہاں کے ممتاز علمائے تفسیر میں علقمہ بن قَیس، مسروق بن اَجدَع، اَسوَد بن یزید، مُرّہ ہمدانی، عامر شَعبی، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، عہد تابعین کے ان مفسرین کے اقوال کثرت سے کتب تفسیر میں پائے جاتے ہیں۔

چند باتیں اس دور کو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ممتاز کرتی ہیں :

1- تابعین کے عہد میں مکی، مدنی اور عراقی مدارسِ تفسیر کی بنیاد پڑی، اہل مکہ عام طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی آراء کو اختیار کرتے تھے، اہل مدینہ اُبَیّ بن کعبؓ کی اور اہل عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی آراء کو ترجیح دیتے تھے۔

2- اس دور میں اسرائیلی روایات تفسیر میں بکثرت داخل ہوگئیں؛ کیوں کہ مختلف اہل کتاب علماء دامنِ اسلام میں آئے اور انھوں نے اپنی سابقہ

معلومات کو بھی قرآن مجید کے بیان وتشریح کے لئے استعمال کیا، اس سلسلے میں عہد صحابہ کے بعد ابواسحاق کعب احبار، (جو پہلے یہودی تھے اور حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کے عہد میں مسلمان ہوئے) وہب بن مُنَبِّہ (جو فارسی النسل تھے) اور عبدالملک بن عبدالعزیز بن جُرَیج (جو رومی عیسائی تھے، بعد کو مسلمان ہوئے) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

3- یوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی بعض آیات کی تشریح میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا؛ لیکن عہد تابعین میں اس طرح کا اختلاف نسبتاً بڑھ گیا۔

4- اسی عہد میں مختلف اعتقادی فرقے --- قدریہ اور جبریہ وغیرہ --- پیدا ہوئے، جن کے بعض عقائد اہل سنت والجماعت سے مختلف تھے۔

8.5 تدوینی مراحل

تفسیر کا تیسرا عہد تبع تابعین سے شروع ہوتا ہے، یہی عہد ہے جب اس فن کی تدوینی کوششوں کا آغاز ہوا اور یہ تدوین تین مراحل میں انجام پائی:

پہلا مرحلہ: محدثین نے احادیث کے مجموعوں میں احادیثِ تفسیر کا باب قائم کیا اور تفسیر قرآن کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات اور صحابہ وتابعین کے جو اقوال منقول تھے، انھیں جمع کر دیا، ان محدثین میں یزید بن ہارون سُلَمیؒ (متوفی: 117ھ)، شُعبہ بن حَجاج (متوفی: 170ھ)، وَکیع بن جَرَّاحؒ (متوفی: 197ھ)، سُفیان بن عُیَینہؒ (متوفی: 198ھ) عبدالرزاق بن ہُمامؒ (متوفی: 211ھ)، وغیرہ کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، اسی طریقہ کو بعد میں امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ وغیرہ نے بھی اختیار کیا۔

دوسرا مرحلہ: پورے قرآن مجید کی بالترتیب تفسیر کا تھا، اس سلسلہ میں ابن ماجہؒ (متوفی: 273ھ)، ابن جریر طبریؒ (متوفی: 310ھ)، ابوبکر بن مُنذِر نیساپوریؒ (متوفی: 358ھ)، ابن ابی حاتمؒ (متوفی: 327ھ)، امام حاکمؒ (متوفی: 405ھ)، وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان حضرات نے تفسیری روایات کو کتب حدیث کا جزء نہیں بنایا، بلکہ مستقل ایک فن کی حیثیت سے انھیں جمع کیا، گویا اس مرحلہ میں فن تفسیر نے فن حدیث سے الگ مستقل صورت اختیار کی، لیکن ان مجموعوں میں بھی تفسیری روایات کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا اور اس پر بحث ومناقشہ کی صورت عام طور پر اختیار نہیں کی گئی، اس سے ابن جریر طبریؒ کا استثناء ہے، جنھوں نے تفسیری اقوال نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دلائل بھی ذکر کئے، اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح بھی دی اور آیات سے احکام کا استنباط بھی کیا، چنانچہ ابن جریر طبری کو آئندہ آنے والے مفسرین کے لئے اساس وبنیاد ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے تفسیر میں اسی نہج کو اختیار کیا، جو طبری کا تھا؛ البتہ بعض نے تفسیری احادیث کو پوری سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بجائے اختصار اور آسانی کے لئے اسناد حذف کر دیں اور نقلِ اقوال پر اکتفاء کیا۔

تفسیر کی تدوین کا تیسرا مرحلہ: وہ ہے جس میں 'تفسیر بالمأثور' کے ساتھ ساتھ 'تفسیر عقلی' کو بھی شامل کیا گیا، یعنی صرف تفسیری احادیث اور صحابہ وتابعین کے تفسیری اقوال نقل کرنے کے علاوہ اجتہاد واستنباط کے ذریعہ قرآن مجید سے اخذ کئے جانے والے احکام واشارات کو بھی تفسیر کا جزء بنا دیا گیا، اس طرح فن تفسیر حدیث، لغت، قراءت، نحوی وصرفی ابحاث، معانی وبلاغت کے نکات، عقلی توجیہات، فقہی احکام، قصص وواقعات کے سلسلہ میں تاریخی شہادتوں وغیرہ کا ایک ایسا مجموعہ بن گیا، جس میں ہر جہت سے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تفسیر قرآن کے مستقل فنی شکل میں مدون ہونے کے بعد سب سے پہلی کتاب جو آج ہمارے درمیان ہے، وہ 'تفسیر طبری' ہے، لیکن ایسے شواہد موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے پہلے بھی قرآن کی مکمل تفسیر لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلہ میں جن چند شخصیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کے نام اس طرح ہیں :

- سعید بن جُبیر (شہید: 94/95ھ)----ان کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے عبدالملک بن مَروَان (متوفی:86ھ) کی خواہش پر اس کے لئے تفسیر لکھی تھی۔

- ممتاز معتزلی عالم عمرو بن عبید کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے حسن بصریؒ سے قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔

- ابن جُریج (متوفی:150ھ) کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے تین ضخیم جلدوں میں قرآن کی تفسیر تحریر کی تھی۔

8.5.1 معانی القرآن

اس وقت دنیا میں تفسیر کی جو پہلی کتاب مطبوعہ شکل میں موجود ہے، وہ شیخ ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فَرّاء (متوفی:207ھ) کی ہے، جس کو ابن ندیم نے ''کتاب الفہرست'' میں تفسیر کی پہلی کتاب مانا ہے، یہ 144ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، نحو میں ان کا بڑا بلند مقام مانا گیا ہے، مصنف نے متقدمین کے طریقہ کے مطابق اس تفسیر کو املاء کرایا تھا، ان املا نویسوں میں محمد بن جہم سَمَّری (متوفی:277ھ) بھی تھے، ان کا یہ نسخہ ماضی قریب تک مخطوطوں کی شکل میں تھا، اب یہ احمد یوسف نجاتی اور محمد علی نجار کی تحقیق کے ساتھ 'معانی القرآن' کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اس میں قرآن مجید کی حرفاً حرفاً تفسیر کا التزام نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ مصنف نے اہم الفاظ اور آیات کی تشریح کی ہے، اس مختصر تفسیر میں نحوی وصرفی قواعد پر بھی توجہ دی گئی ہے، مصنف کے سن وفات سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ تفسیر دوسری صدی کے اواخر میں لکھی گئی ہوگی، اس طرح جیسے دوسری صدی کے اوائل میں فنی ترتیب کے ساتھ احادیث کا مرتب کیا ہوا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، اسی طرح اس صدی کے اواخر کا یہ تفسیری خزانہ بھی اُمت کے سامنے ہے۔

8.6 اکتسابی نتائج

- بنیادی طور پر تفسیر قرآن مجید کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے ہو گیا۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے تربیت یافتہ صحابہ نے اس فن پر توجہ کی، دس صحابہ کو اس سلسلہ میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔
- تابعین کے عہد میں اسے مزید فروغ حاصل ہوا اور مکہ، مدینہ اور عراق علم تفسیر کے مراکز ہو گئے۔
- اس کے بعد تفسیر کی تدوین کا عمل شروع ہوا، جو تین مرحلوں میں انجام پایا، پہلے مرحلہ میں محدثین نے اپنی کتابوں میں ''کتاب التفسیر'' کا عنوان قائم کر کے تفسیری احادیث کو جمع کیا، دوسرے مرحلہ میں پورے قرآن مجید کی حدیث وآثار صحابہ سے تشریح کا سلسلہ شروع ہوا، اس سلسلہ کی پہلی کتاب شیخ ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء (متوفی:207ھ) کی ''معانی القرآن'' ہے اور پہلی مفصل ومکمل تفسیر ''تفسیر طبری'' ہے۔

- تیسرے مرحلہ میں تفسیر کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال کے علاوہ لغت، قراءت، نحوی وصرفی ابحاث، معانی و بلاغت، فقہی احکام اور عقلی استنباط کو بھی تفسیر میں شامل کیا گیا۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ مفسرین صحابہ میں کون کون شمار کئے جاتے ہیں؟ اختصار کے ساتھ تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیری روایات سے متعلق محدثین کی کیا رائے ہے؟

2۔ حضرت علی اور حضرت ابی ابن کعب کی تفسیری روایات پر روشنی ڈالئے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ تدوین تفسیر سے پہلے عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں علم تفسیر کے آغاز وارتقاء پر ایک نوٹ لکھئے۔

2۔ تدوین تفسیر کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالتے ہوئے بتائیے کہ اس وقت موجود تفسیر کی پہلی کتاب کونسی ہے اور اس کے مصنف کا نام کیا ہے؟

8.8 فرہنگ

اصحابِ اخدود	:	گڑھے والے، ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا قرآن مجید کی سورہ نمبر: ۸۵ میں ذکر آیا ہے۔
اولین	:	سب سے پہلا/ پہلی۔
بےآمیز	:	ملاوٹ سے پاک۔
بیتِ عتیق	:	پرانا گھر (کعبۃ اللہ شریف مراد ہے)۔
تعلیقاً	:	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث وآثار کو نقل کرنا اور سند ذکر نہ کرنا۔
تکذیب	:	جھٹلانا
تنقید	:	جانچنا، پرکھنا
جاہلیت	:	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا زمانہ۔
جبریہ	:	ایک فرقہ جو انسان کو اپنے افعال میں مجبور محض خیال کرتا تھا۔
حبط	:	بیکار، ضائع۔
حجت	:	دلیل۔

خودرائی	:	اپنی ہی رائے کو درست اور کافی سمجھنا۔
سند	:	روایت نقل کرنے والوں کا سلسلہ۔
شانِ نزول	:	وہ واقعہ جس کی وجہ سے کوئی آیت اُتری ہو۔
شواہد	:	گواہیاں، دلیلیں۔
صَرف	:	عربی زبان (گرامر) سے متعلق ایک فن۔
صلہ	:	(حرف) لغت کی اصطلاح میں وہ حرف جو کسی فعل کو اسم سے مربوط کرنے کے لئے آتا ہے۔
طَیِّب	:	پاکیزہ، حلال
عدت	:	شوہر سے علیحدگی یا اس کی وفات کے بعد ایک مخصوص مدت، جس میں عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔
عدل	:	انصاف۔
فدیہ	:	عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے سے واجب ہونے والا مال، یعنی: ایک روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا
قدریہ	:	ایک فرقہ، جو انسان کو اپنے افعال کے بارے میں قادرِ مطلق مانتا ہے کہ اس میں اللہ کی مشیت کا کوئی دخل نہیں۔
قرنِ اول	:	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا زمانہ
ماخذ	:	جس سے کوئی علمی مواد حاصل کیا جائے۔
مرویات	:	روایتیں۔
معراج	:	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس سے آسمانوں تک کا معجزاتی سفر۔
مفردات القرآن	:	قرآن مجید کے مشکل یا کم استعمال ہونے والے الفاظ۔
منسوخ	:	وہ آیت یا حدیث، جس کا حکم باقی نہیں ہو۔
موضوع	:	جس علم میں جس چیز سے بحث کی جاتی ہے وہ اس کا موضوع ہوتا ہے، جیسے: میڈیکل سائنس کا موضوع 'انسانی جسم اور دوائیں' ہیں۔
نحو	:	(عربی گرامر سے متعلق ایک فن)، جس سے زبر، زیر اور پیش وغیرہ کی تعیین کی جاتی ہے۔
واضع (حدیث)	:	(حدیث) گھڑنے والا۔

8.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔	تدوین قرآن	:	مولانا سید مناظر احسن گیلانی
2۔	تاریخ القرآن	:	ڈاکٹر عبدالصمد صارم ازہری
3۔	جمع قرآن	:	مولانا تمنا عمادی
4۔	علوم القرآن	:	ڈاکٹر صبحی محمصانی (اُردو ترجمہ)
5۔	علوم القرآن	:	مولانا محمد تقی عثمانی
6۔	علوم القرآن	:	ڈاکٹر احسن الدین
7۔	منازل العرفان فی علوم القرآن	:	مولانا محمد مالک کاندھلوی
8۔	مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی	:	مولانا ابوالحسن علی ندوی
9۔	تفسیر میں اسرائیلی روایات	:	مولانا اسیر ادروی

۔:oOo:۔

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 4 : تفسیر (حصہ دوم)

اکائی 9 : مشہور عربی تفسیریں اوران کے مناہج (حصہ اول)

اکائی کی ساخت

9.1 تمہید

9.2 مقصد

9.3 تفسیر بالماثور کی اہم کتابیں

9.3.1 تفسیر طبری

9.3.2 تفسیر ابن کثیر

9.3.3 فتح القدیر

9.3.4 کچھ اور اہم کتابیں

9.4 تفسیر بالرائے کی اہم کتابیں

9.4.1 تفسیر کبیر

9.4.2 مدارک التنزیل

9.4.3 تفسیر جلالین

9.4.4 روح المعانی

9.4.5 التفسیر المنیر

9.4.6 کچھ اور اہم تفسیریں

9.5 اکتسابی نتائج

9.6 نمونہ امتحانی سوالات

9.7 فرہنگ

9.8 تجویز کردہ کتابیں

9.1 تمہید

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کی خدمت سے بڑھ کر کسی مسلمان کے لئے کوئی سعادت نہیں ہوسکتی، نیز اس کے الفاظ میں معانی کا ایک سمندر چھپا ہوا ہے؛ اس لئے ہر دور میں علماء نے قرآن مجید کی تفسیر کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر آدمی کا فکری، علمی اور فقہی ذوق الگ الگ ہوتا ہے اور مختلف شخصیتوں کو مختلف علوم وفنون میں مہارت اور اختصاص حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے مختلف اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی ہے، کسی نے تفسیری مرویات اور آثار کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، تو کسی نے درایت کے پہلو کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے، بعض کے یہاں عربی لغت، نحو وصرف پر خصوصی توجہ ہے، بعض مفسرین نے قرآن کی فصاحت وبلاغت پر زور دیا ہے؛ کیوں کہ اس سے قرآن مجید کا اعجاز نمایاں ہوتا ہے، جن مفسرین پر فقہی رنگ غالب تھا، انھوں نے قرآن سے ثابت ہونے والے فقہی احکام پر زیادہ توجہ دی ہے، صوفیاء نے اپنے مزاج کے مطابق اشارات اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، متکلمین کے یہاں کلام وعقیدہ کی بحثیں زیادہ اہتمام سے ذکر کی گئی ہیں، اس طرح مختلف جہتوں سے قرآن مجید کی خدمت ہوئی ہے، ہر پہلو پر سیر حاصل بحثیں موجود ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ شاید کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب پر بمقابلہ قرآن مجید کے ایک فیصد کام بھی نہیں ہوا ہوگا۔

اگر مختلف پہلوؤں سے قرآن کی خدمات کا جائزہ لیا جائے؛ بلکہ اس کی ایک فہرست بنائی جائے، تب بھی وہ بہت طویل ہوگی۔ اس اکائی میں صرف تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائ کی اہم تفسیروں میں سے چند کا تعارف پیش کیا جاتا ہے :

9.2 مقصد

چوں کہ قرآن مجید کی تفسیریں ابتدائی دور میں عربی زبان ہی میں لکھی گئی ہیں اور قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے قرآن کے مضامین کو وہ لوگ زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، جو اس زبان سے واقف ہوں؛ اس لئے تفسیر میں ہر دور میں عرب علماء کی خدمات فائق رہی ہیں؛ چنانچہ اس اکائی کا مقصد عربی زبان کی اہم تفسیروں اور ان مفسرین کے منہج تفسیر کو پیش کرنا ہے؛ تا کہ ان کتابوں کی اہمیت اور ان کا امتیازی پہلو واضح ہوسکے۔

9.3 تفسیر بالماثور کی اہم کتابیں

جیسا کہ اس سے پہلے کی اکائی میں آچکا ہے، تفسیر کے بتدریج دو منہج بنتے چلے گئے، ایک منہج یہ تھا کہ تفسیر میں اجتہاد واستنباط کو زیادہ راہ نہ دی جائے اور رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین کی تفسیری روایات ہی کو اصل بنیاد بنایا جائے، اس نہج پر جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں چند اہم کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

9.3.1 تفسیر طبری

تفسیر بالماثور کی سب سے پہلی اور سب سے اہم کتاب 'تفسیر طبری' ہے، یہ مشہور محدث اور فقیہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (224-310ھ) کی تالیف ہے، یہ فقہ میں پہلے امام شافعی کی اتباع کرتے تھے، بعد میں خود اجتہاد کرنے لگے، کتاب کا اصل نام ''جامع البیان عن تأویل القرآن'' ہے، مصنف کا وطن ''طَبَرِستان'' تھا؛ اسی لئے ان کے نام کے ساتھ ''طبری'' لکھا جاتا ہے اور اسی نسبت سے یہ تفسیر بھی ''تفسیر طبری'' کے نام سے معروف ہے، یہ تفسیر اپنی جامعیت، احادیث وآثار کے احاطہ اور معلومات کی فراوانی کی وجہ سے بعد کے تمام ہی علماء تفسیر کے لئے مرجع رہی ہے، مصنف نے کتاب کے شروع میں ایک تفصیلی مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں قرآن مجید کے خالص عربی زبان میں ہونے، قرآن کے سات حروف پر نازل کئے جانے، تفسیر بالرائی کی مذمت، قرآن مجید کے اسماء وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، مصنف نے مقدمہ میں تفسیر کے سلسلہ میں اپنے بنیادی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے قرآن مجید کی تشریح کے سلسلہ میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک تو قرآن مجید کے وہ مضامین ہیں، جن کا علم اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نہیں دیا، ان کے بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہئے، --- دوسرے وہ مضامین ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، پوری اُمت کو براہ راست اس کا علم نہیں دیا گیا، اس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان وارشاد ہی سے سمجھی جاسکتی ہے، --- تیسرے قسم کے مضامین وہ ہیں جن کو عربی زبان کے واسطہ سے سمجھا جاسکتا ہے، ان کے بارے میں اہل زبان کے استعمال سے استفادہ کرنے کے سوا چارہ نہیں؛ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سلف سے منقول توضیحات نیز اہل زبان کے طریقۂ استعمال اور ان کے اُسلوب سے واقفیت کی حیثیت تفسیر میں اساس وبنیاد کی ہے۔

مصنف کا منہج یہ ہے کہ وہ مکمل آیت یا اس کے کسی اہم ٹکڑے کو ''**القول فی تأویل قوله تعالیٰ** ......'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور پھر آیت یا اس ٹکڑے کی توضیح کرتے ہیں، زیادہ تر تشریح میں احادیث اور صحابہ کے آثار کا تذکرہ کرتے ہیں اور چوں کہ مؤلف متقدمین میں ہیں؛ اس لئے عام طور پر روایت خود اپنی سند سے نقل کرتے ہیں، عصر حاضر کے مشہور محدث محمود محمد شاکر کے بقول طبری کی زیادہ تر روایات فنی اعتبار سے معتبر ومقبول ہیں، علامہ طبری نے اپنی تفسیر میں کَعب اَحبار اور وَہب بن مُنَبِّہ کے حوالہ سے کافی اسرائیلی روایات بھی نقل کی ہیں، جو محققین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں، یہ تفسیر چوبیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، تفسیر طبری پر ماضی قریب میں مصر کے دو ممتاز علماء --- جن کا فن حدیث میں بڑا اونچا درجہ ہے --- احمد محمد شاکر اور محمود محمد شاکر نے اپنی تعلیق اور تخریج حدیث کے ساتھ تحقیق کا کام شروع کیا تھا، جس میں طبری کی مرویات کا فرداً فرداً درجہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر افسوس کہ یہ کام سورۂ یوسف کے کچھ حصہ تک ہی مکمل ہو پایا، جو پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

9.3.2 تفسیر ابن کثیر

تفسیر بالماثور پر تفسیر طبری کے بعد یہ دوسری اہم کتاب ہے، حافظ ابوالفدا اءابن کثیر 700ھ یا اس کے کچھ بعد پیدا ہوئے اور ۷۷۴ھ میں وفات پائی، انھوں نے اپنے عہد کے ممتاز فقہاء --- جن میں علامہ ابن تیمیہؒ (661-728ھ) شامل ہیں --- نیز حافظ یوسف مزی (654-742ھ) اور حافظ محمد ذہبی (673-748ھ) جیسے عظیم محدثین وماہرین اسماء رجال سے استفادہ کیا ہے، علامہ ابن کثیر کی اس تفسیر کا نام ''تفسیر القرآن العظیم'' ہے، جو چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اور مصنف کی نسبت سے ''تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے معروف ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی اس تفسیر کے لئے احادیث وآثار کو بنیادی ماخذ بنایا ہے، آثار صحابہ کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کے ممتاز مفسرین

کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں، احکام فقہیہ میں فقہاء کے مسالک بھی نقل کرتے ہیں اور ترجیح بھی دیتے ہیں؛ چوں کہ فقہ شافعی کے متبع تھے؛ اس لئے زیادہ تر شافعی نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں، اسرائیلی روایات کو نقل کرتے ہوئے بعض اوقات ان کی بے اصل اور خلاف عقل باتوں پر تنقید بھی کرتے جاتے ہیں، علامہ ابن کثیر نے تفسیر القرآن بالقرآن پر بھی خصوصی توجہ دی ہے، اس تفسیر میں مصنف نے تفسیر طبری سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے، مصنف نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ روایتوں کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ فن حدیث کے اعتبار سے اس کے استناد اور سقم کو بھی واضح کردیا جائے؛ لیکن اس کا التزام نہیں کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ تفسیر طبری کے مقابلہ اس میں ضعیف روایتیں کم ہیں؛ تاہم یہ ضعیف روایتوں سے خالی بھی نہیں ہے، مصنف نے کتاب کے اخیر میں کتاب کا مقدمہ شامل کیا ہے، جو ''فضائل القرآن'' کے عنوان سے ہے، اس میں قرآن مجید کے فضائل، آغاز نزولِ وحی، عہد صدیقی میں جمع قرآن، عہد عثمانی میں مصحف کی ترتیب وکتابت، قرآن کے سات حروف پر نازل کئے جانے سے مراد وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے اور تلاوت کے آداب بیان کئے گئے ہیں، یہ تفسیر تشریح قرآن کے سلسلہ میں احادیث وآثار کے احتواء نیز تفسیر طبری کے مقابلہ مختصر ہونے کی وجہ سے اہل علم میں ہمیشہ مقبول رہی ہے اور عصر حاضر میں بعض اہل علم نے اس کی تلخیص بھی کی ہے، جو عالم عرب کی دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے۔

9.3.3 فتح القدیر

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی (1250-1173ھ) صنعاء (یمن) کے رہنے والے اور وہاں کے قاضی تھے، وہ پہلے ''زیدیہ'' فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں خود اجتہاد کرنے لگے، عقیدہ کے اعتبار سے انھیں 'سلفی' سمجھا جاتا ہے، فتح القدیر انھیں کی تفسیر ہے، جس کا پورا نام ''**فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير**'' ہے، اس کا ایک مخطوطہ ''**مطلع البدرين و مجمع البحرين في التفسير**'' کے نام سے ہے، اہل علم کا خیال ہے کہ اسی تفسیر کا نام شوکانی نے بعد میں ''فتح القدیر'' رکھ دیا ہے، شوکانی کثیر التصنیف علماء میں ہیں اور ان کی تصانیف میں حدیث میں ''نیل الاوطار'' اور تفسیر میں ''فتح القدیر'' کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، یہ تفسیر اس وقت پانچ ضخیم جلدوں میں مطبوعہ ہے، اور چھٹی جلد فہارس پر مشتمل ہے۔

اس تفسیر میں بنیادی منہج ''تفسیر بالماثور'' کا اختیار کیا گیا ہے اور احادیث وآثار کی مدد سے قرآن مجید کی شرح وتوضیح کی کوشش کی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیری مرویات زیادہ نقل کی گئی ہیں، نیز احادیث وآثار کے سلسلہ میں متقدمین میں سے تفسیر طبری، ابن ابی حاتم، عبدالرزاق اور عبد بن حمید اور متاخرین میں تفسیر ابن کثیر اور علامہ سیوطی کی 'درمنثور' اس تفسیر کے خصوصی مراجع ہیں، صحیح وشاذ قراءتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، علم بیان کے نکات بھی واضح کئے گئے ہیں، عربی زبان اور اس کے قواعد کے پہلو پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

البتہ مؤلف کے یہاں ضعیف وموضوع روایات بھی اچھی خاصی ہیں، اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مؤلف نے بعض آیات کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت سے متعلق شیعی روایات بلا جرح ونقد نقل کردی ہیں، جو محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع وبے اصل ہیں، بعض اہل علم نے ایسی روایات پر سکوت کو فتنہ سے بچنے کی کوشش قرار دیا ہے، مگر یہ محل نظر ہے؛ کیوں کہ ایسی روایات پر نقد تو موجب فتنہ ہوسکتا تھا؛ لیکن اس کا ذکر نہیں کرنے میں بہ ظاہر فتنہ کا اندیشہ نظر نہیں آتا، بہ ظاہر جو بات درست معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چوں کہ مصنف زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھتے

تھے؛اس لئے وہ اس فرقہ کے بعض افکار پر قائم تھے، دوسری طرف جہاں مشرکین کی ان کے آباء واجداد کی اندھی تقلید کی نسبت سے مذمت کی گئی ہے، وہاں مصنف ائمہ مجتہدین کے متبعین کو بھی اس کا مصداق قرار دینے سے نہیں چوکتے۔

یہ تفسیر خلیجی ممالک خاص کر سلفی مکتبۂ فکر میں بہت مقبول ہے اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ کی تحقیق وتخریج حدیث کے ساتھ طبع شدہ ہے۔

9.3.4 کچھ اور کتابیں

تفسیر بالماثور کی چند اور قابل ذکر کتابیں یہ ہیں :

- **بحر العلوم** : یہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندیؒ (متوفی:375ھ) کی تفسیر ہے، جو عرصہ تک مخطوطہ کی شکل میں تھی، ماضی قریب میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں اختصار کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور روایات وآثار کو بنیاد بنایا گیا ہے۔
- **الکشف والبیان عن تفسیر القرآن** : ابواسحاقؒ (متوفی:427ھ)----یہ تفسیر ابھی طبع نہیں ہوئی ہے۔
- **معالم التنزیل** : ابومحمد حسین بن مسعود فراء بغویؒ (متوفی:510ھ) کی تفسیر ہے، جو 'محی السنہ' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور بڑے پایہ کے محدث ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس تفسیر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ موضوع اور ضعیف روایات سے زیادہ محفوظ ہے، اس کتاب میں بغیر سند کے اختصار کے ساتھ تفسیری اقوال نقل کئے گئے ہیں۔
- **المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز** : یہ ابومحمد عبدالحق ابن عطیہ اندلسیؒ (481ھ--546ھ) کی تفسیر ہے، بعد کے مفسرین نے اس تفسیر سے استفادہ کیا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے، اس تفسیر میں عربی زبان کے نقطۂ نظر سے بھی بہت اچھی بحثیں پائی جاتی ہیں۔
- **الجواهر الحسان فی تفسیر القرآن** : یہ علامہ عبدالرحمٰن ثعالبیؒ (متوفی:776ھ) کی تالیف ہے، انھوں نے ابن عطیہ اور علامہ طبری کی تفسیر کو اپنا بنیادی ماخذ بنایا ہے۔
- **الدر المنثور فی التفسیر بالماثور** : علامہ جلال الدین سیوطیؒ (749ھ--911ھ) اس کتاب کے مؤلف ہیں، علامہ سیوطی ان چند ممتاز اہل علم میں ہیں، جنھوں نے تمام ہی اسلامی اور عربی علوم میں اپنی تصنیفات چھوڑی ہیں، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ احادیث وآثار کو جمع کردیا گیا ہے، البتہ مصنف کے یہاں صحیح وضعیف احادیث کی تنقیح عام طور پر نہیں ملتی اور بہ کثرت ضعیف روایتیں کتاب میں شامل ہیں۔

9.4 تفسیر بالرائے کی اہم کتابیں

تفسیر کا دوسرا منہج یہ ہے کہ احادیث وآثار کے ساتھ اجتہاد وقیاس اور عقلی، لسانی نیز تاریخی شواہد سے بھی پورا فائدہ اٹھایا جائے اور تشریح قرآن میں ہمہ جہت گفتگو کی جائے، اس پہلو سے چند اہم کتابوں کا مختصر تعارف ذکر کیا جاتا ہے :

9.4.1 تفسیر کبیر

چھٹی صدی ہجری کے اہل علم میں ایک اہم شخصیت علامہ محمد ابن عمر رازی کی ہے، جو'فخر الدین' کے لقب سے مشہور ہیں، امام فخر الدین رازی 544ھ میں پیدا ہوئے، اور 604ھ میں وفات پائی، ان کی تفسیر کا اصل نام''مفاتیح الغیب'' ہے؛لیکن اپنی ضخامت اور شرح وبسط کی وجہ سے اہل علم کے درمیان''تفسیر کبیر'' کے نام سے معروف ہے،کلام، منطق وفلسفہ اور فقہ واُصول فقہ امام رازی کا خاص موضوع تھا، نیز ان کا سابقہ اہل سنت کے مقابلہ شیعہ، معتزلہ، مرجیہ اور باطنیہ وغیرہ سے بھی رہا ہے، چنانچہ امام رازی کی اس تفسیر میں اپنے عہد کے مسائل اور اختلافات واضح طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں، اس تفسیر میں علم کلام، فقہ، قراءت اور لسانی بحثوں (نحو، صرف، بلاغت) کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مصنف کا نہج یہ ہے کہ کسی آیت کے ذیل میں آنے والی تمام بحثوں کو''المسألہ'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں، جیسے''**المسألة الأولى ، المسألة الثانية**'' اس طرح ہر جہت کا الگ الگ ذکر ہوجاتا ہے، اس تفسیر میں جہاں کلامی اور فقہی بحثیں ملتی ہیں، وہیں نحوی وصرفی مباحث اور حکماء وفلاسفہ کے اقوال بھی بہ کثرت ذکر کئے جاتے ہیں، مصنف نے قراءتوں کے اختلاف کو بھی نقل کرنے کا التزام کیا ہے، اشعار سے زبان وادب کے پہلو پر کثرت سے استشہاد کیا ہے، اس میں اسبابِ نزول کو بھی نقل کرنے کا اہتمام پایا جاتا ہے، احادیث وآثار نسبتاً کم ذکر کی گئی ہیں، یہاں تک کہ فقہی مسائل میں بھی منصوص مستدلات کو کم پیش کیا گیا ہے، بہر حال جامعیت، شرح وتفصیل، مختلف اعتقادی فرقوں پر نقد اور معقولی مباحث کے احتواء کے اعتبار سے یہ تفسیر امتیازی حیثیت کی حامل ہے اور بعد کے مفسرین نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے، گو بعض ناقدین نے اس تفسیر کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے،''**كل شئ فيه إ لا التفسير** ''،لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تنقید مبنی برانصاف نہیں ہے؛ بلکہ یہ روایت ودرایت کو جامع تفسیر ہے، مصنف دفع شبہات پر بھی بڑی توجہ دیتے ہیں؛لیکن مشہور ہے کہ''**يُورِد الشبَهَ نَقْداً ويُحلها نَسيئة** ''(شبہات تو نقد کرتے ہیں اور جواب ادھار رکھتے ہیں) یعنی اعتراض کو جس قوت سے بیان کرتے ہیں، جواب اس معیار کا نہیں ہوتا۔

مصنف تفسیر کو پوری نہیں کر پائے، محققین کا خیال ہے کہ اس میں سورۂ انبیاء تک کا حصہ امام رازی کے قلم سے ہے، آگے کا حصہ کچھ شہاب الدین خوئیؒ اور کچھ نجم الدین قمولی کی تالیف ہے، مگر اصل کتاب اور تکملہ میں اُسلوب تحریر، ترتیب اور طرز تحقیق کے اعتبار سے اس قدر یکسانیت ہے کہ جو اس سے واقف نہ ہو، وہ ان دونوں حصوں کے درمیان فرق نہیں کرسکتا۔

9.4.2 مدارک التنزیل

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد محمود نسفی (متوفی: 701ھ) ساتویں صدی ہجری کے مقبول مصنفین میں ہیں، فقہ میں''کنز الدقائق'' اور اُصولِ فقہ میں''المنار'' ان کی نہایت مقبول تالیفات ہیں، جو علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہیں، انھوں نے تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف سے استفادہ کرتے ہوئے ایک متوسط حجم کی تفسیر''مدارک التنزیل وحقائق التاویل'' لکھی ہے؛ البتہ کشاف کے مصنف نے اپنی تفسیر میں جن معتزلانہ افکار کو پیش کیا ہے، مصنف نے ان کو چھوڑ دیا ہے، مصنف عقیدہ کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت میں ہیں اور فقہی اعتبار سے حنفی ہیں۔

اس تفسیر میں مؤلف نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے، عربی قواعد کی بحثوں کو اہتمام سے نقل کیا ہے، جس سے عبارت فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، قراءت سبعہ کو ضرور نقل کرتے ہیں، احکام فقہیہ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں اور فقہاء کے اختلاف اور دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہیں، اسرائیلیات بہت کم نقل کرتے ہیں، اگر اس میں کوئی بات اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، تو اس پر نقد بھی کرتے ہیں،

جیسے ''**خصمان بغی بعضنا علی بعض... الخ** '' (ص:22) کی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق اسرائیلی روایت---کہ آپ نے ''اوریا'' کے شوہر کو میدان جنگ میں بھیجا؛ تاکہ وہ قتل ہو جائے اور آپ اس کو نکاح میں لے آئیں---کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تو عام نیک خصلت لوگوں کے بھی شایان شان نہیں ہے، اللہ کے نبی سے کیسے اس کا ارتکاب ہو سکتا ہے؟---اسی طرح سورۂ ''ص'' (آیت نمبر:24) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بت پرستی سے متعلق اسرائیلی روایت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ یہودیوں کی ''اباطیل'' (من گھڑت باطل کہانیوں) میں سے ہے، البتہ اسرائیلیات پر تنقید کا التزام نہیں کیا گیا ہے، ملکۂ سبا ''بلقیس'' کے واقعہ (نمل:35) میں نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولیوں سے واقف ہونے (نمل:16) کے تحت نامعقول ومبالغہ آمیز اسرائیلی روایات ذکر کی گئی ہیں اور مصنف کسی تنقید کے بغیر اس سے گذر گئے ہیں۔

علامہ نسفی ان خوش قسمت مصنفین میں ہیں، جن کی کتابیں 'المنار' اور 'کنز الدقائق' برصغیر کے بہت سے دینی مدارس میں داخل ہیں، نیز ایک زمانہ میں 'جلالین' کی بجائے ان کی یہ تفسیر بھی داخل نصاب تھی، غالباً اختصار کی وجہ سے اس کی جگہ 'جلالین' نے لے لی ہے۔

9.4.3 تفسیر جلالین

جہاں بعض لوگوں میں تحقیق وتفصیل کی طلب ہوتی ہے اور اس کے بغیر ان کی علمی تشنگی دور نہیں ہوتی، وہیں بعض طبیعتیں اختصار پسند ہوتی ہیں، جن اہل علم نے تفسیر قرآن مجید پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے ان دونوں طبقات کی رعایت کی ہے؛ اس لئے تفسیر کے ذخیرہ میں جہاں طویل ومبسوط کتابیں ملتی ہیں، وہیں مختصر تفسیریں بھی ملتی ہیں، ایسی ہی کتابوں میں ایک مقبول کتاب ''تفسیر جلالین'' ہے، یہ سورۂ کہف سے سورۂ ناس تک اور اس کے بعد سورۂ فاتحہ علامہ جلال الدین محمد بن احمد محلیؒ (متوفی:864ھ-1460ء) کی تفسیر ہے، وہ اسے مکمل کرنا چاہتے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کیا، چنانچہ ان کے شاگرد علامہ جلال الدین الدین سیوطیؒ (متوفی:911ھ، 1505ء) نے سورۂ بقرہ سے سورۂ بنی اسرائیل کے اختتام تک اسے مکمل کیا، اسی لئے اس کتاب کی ابتداء سورۂ بقرہ سے ہوتی ہے، اور کتاب کے آخر میں سورۂ ناس کے بعد سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے؛ تاکہ علامہ محلی کی تالیف ایک ساتھ آجائے؛ چوں کہ ان دونوں مصنفین کا نام ''جلال الدین'' ہے، اس لئے یہ کتاب ''جلالین'' کے نام سے معروف ہوئی۔

اس کتاب کا امتیاز اختصار کے باوجود قرآن مجید کی پوری تشریح ہے، مصنف نے کلمات قرآنی کو متن بنا کر درمیان درمیان میں وضاحتی فقرے اور کلمات کا اضافہ کر دیا ہے، جو گہری معنویت کا حامل ہے، کہیں ان وضاحتی کلمات سے ترکیبی حیثیت کی وضاحت ہوتی ہے، کبھی محذوفات کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کبھی کسی شبہ کا جواب ہوتا ہے، کبھی حل لغت مقصود ہوتا ہے، وضاحتی کلمات قرآن مجید کے 0ہی الفاظ کے قریب قریب ہیں، صاحب 'کشف الظنون' نے بعض علما سے نقل کیا ہے کہ شروع سے سورۂ مزمل تک قرآن مجید کے کلمات اور توضیحی الفاظ کی تعداد برابر ہے؛ البتہ سورۂ ''مدثر'' میں توضیحی الفاظ بڑھ گئے ہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس خوبی کے ساتھ اپنے استاذ کے نہج کو اختیار کیا ہے کہ دونوں کے کلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

اختصار کی وجہ سے احادیث وآثار کم مذکور ہیں، مگر بعض جگہ موضوع وبے اصل روایات بھی آگئی ہیں، اس سلسلہ میں ''**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی إلا اذا تمنی القی الشیطان فی أمنیته** '' (الحج:52) کی تشریح میں یہ کہنا کہ جب آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے ''**افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الأخری**'' پڑھا تو شیطان نے (نعوذ باللہ) زبان مبارک پر ''**تلک الغرانیق العلی وإن شفاعتھن لترتجی**'' جاری کر دیا، نہایت قابل تعجب ہے؛ کیوں کہ یہ روایت بالاتفاق موضوع و بے اصل ہے اور انبیاء کی عصمت کے منافی ہے۔

کتاب کے دونوں مؤلف شافعی ہیں، اس لئے فقہی احکام میں فقہ شافعی کی ترجمانی کی گئی ہے، اختصار اور قرآن مجید کے الفاظ وتراکیب کے حل میں مفید ہونے کی وجہ سے برصغیر اور عالم عرب کی اکثر دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے۔

9.4.4 روح المعانی

تیرہویں صدی ہجری کے تفسیری سرمایہ میں علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (1217-1277ھ) کی تفسیر ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' ایک ناقابل فراموش علمی کارنامہ ہے، جو تیس اجزاء اور پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، فکری وفقہی مسالک اوران کے دلائل پر مصنف کی گہری نظر ہے، مسلکاً شافعی ہیں؛ لیکن بہت سے مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں؛ اسی لئے بعض اہل علم ان کو احناف میں شمار کرتے ہیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ وہ کسی خاص مکتب فقہ کے پیرو نہیں تھے؛ بلکہ مجتہد تھے، انھوں نے ایک خواب سے تحریک پاکر رجب 1252ھ میں اس تفسیر کا آغاز کیا اور ربیع الآخر 1267ھ میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، اس کتاب کا نام خلافت عثمانیہ ترکی کے آخری دور کے فرمانروا سلطان عبدالحمید خاں کے وزیر اعظم علی رضا پاشا نے رکھا ہے۔

یہ تفسیر --- حقیقت یہ ہے کہ --- پہلی تفسیروں کا نچوڑ اور بعد کی تفسیروں کا ماخذ ہے، مصنف نے تفسیر ابن عطیہ، البحر المحیط، کشاف، تفسیر ابی السعود، بیضاوی اور تفسیر کبیر سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے، وہ اکثر ابوالسعود کا ذکر ''شیخ الاسلام'' بیضاوی کا ''قاضی'' اور فخر الدین رازی کا ''الامام'' سے کرتے ہیں؛ لیکن کسی کی اندھی تقلید نہیں کرتے؛ بلکہ بہت سی جگہ ان کی آراء نقل کرکے ان پر تنقید بھی کرتے ہیں، مصنف نے اعتقادی مسائل پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے، وہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے زبردست ترجمان اور معتزلہ اور روافض وغیرہ کے ناقد ہیں، فقہی مسائل میں --- جیسا کہ مذکور ہوا --- ان کا زیادہ تر رجحان حنفیہ اور شوافع کی طرف نظر آتا ہے، مگر بعض مسائل میں ان کی رائے دونوں سے مختلف بھی ہوتی ہے۔

اس تفسیر میں نحوی قواعد کی بحثوں پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے اور کائناتی حقائق کو بھی مصنف نے جابجا تفصیل سے پیش کیا ہے؛ چنانچہ سورۂ یٰسین کی آیات: 38، 39، 40 میں نظام شمسی پر اور سورۂ طلاق کی آیت نمبر: ۱۲ میں زمین وآسمان کی تخلیق پر گفتگو دیکھی جاسکتی ہے، مصنف نے اسباب نزول اور ربط آیات پر بھی روشنی ڈالنے کا اہتمام کیا ہے، اسرائیلیات کے بارے میں مصنف کا رویہ محتاط ہے اور بعض مفسرین نے جو اسرائیلیات ذکر کی ہیں، ان کو نقل کرکے ان پر تنقید بھی کی ہے، مصنف نے ''من باب الاشارات'' کے عنوان سے آیات قرآنی پر صوفیاء کی واردات کو بھی نقل کیا ہے۔

البتہ اس تفسیر میں الگ الگ مباحث پر عنوانات قائم نہیں کئے گئے ہیں اور علامہ رازی یا علامہ قرطبی کی طرح مسائل کی تقسیم نہیں کی گئی ہے؛ اس لئے کتاب کے مطالعہ میں دشواری ہوتی ہے، فنی اصطلاحات کا بوجھ بھی استفادہ میں رکاوٹ بنتا ہے، اس لئے کتاب پر تحقیق وتعلیق، مشمولات کی تفصیلی فہرست سازی اور فقروں پر نمبر اندازی کی ضرورت ہے اور یہ اہم علمی ذخیرہ اس پہلو سے اہل علم کی توجہ کا منتظر ہے۔

9.4.5 التفسیر المُنیر

عصر حاضر میں عالم اسلام کے جن مصنفین کو اہل علم کے حلقہ میں خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے، غالبًا ان میں سرفہرست ڈاکٹر وہبہ زحیلی (صدر شعبۂ فقہ دمشق یونیورسٹی) ہیں، فقہ پر ان کی کتاب ''**الفقہ الإسلامی و أدلتہ** ''ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، انھوں نے بتیس جلدوں میں ''**التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج** '' کے نام سے یہ عظیم الشان تفسیر لکھی ہے، انھوں نے خود اپنا منہج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں درج ذیل نکات پیش نظر رکھے گئے ہیں :

- مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کی آیات پر عنوان لگانا۔
- ہر سورت کے مضامین کا شروع میں اجمالی تذکرہ۔
- لغوی تحقیق۔
- صحیح روایتوں میں وارد ہونے والے اسباب نزول، انبیاء کے قصص، نیز قرآن مجید میں مذکور واقعاتِ سیرت کا تذکرہ۔
- آیت کی تشریح وتوضیح۔
- آیت سے مستنبط ہونے والے احکام۔
- قرآن مجید کی بلاغت اور عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے کلماتِ قرآنی کی ترکیبی حیثیت کی وضاحت۔

واقعہ ہے کہ اس دور میں لکھی گئی تفسیروں میں یہ نہایت اہم، جامع اور عالمانہ تفسیر ہے، جس میں احادیث وآثار اور عقل وقیاس کو دوش بدوش رکھنے اور فقہی احکام کے ساتھ ساتھ زندگی کے دوسرے مسائل میں بھی قرآنی ہدایات کو پیش کرنے کی کامیاب ومؤثر کوشش کی گئی ہے، مصنف نے ہر آیت یا چند آیات کے مجموعہ پر مرکزی مضمون کے لحاظ سے عنوان لگایا ہے، نحوی وصرفی ابحاث، لغوی تحقیق، معانی و بلاغت کے نکات کو الگ الگ عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس طرح یہ اساتذہ وطلبہ اور اصحابِ ذوق کے لئے بہترین تفسیری سرمایہ ہے، جو قاری کو ایک حد تک دوسری تفسیروں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

9.4.6 کچھ اور اہم تفسیریں

1- **أنوار التنزیل و أسرار التاویل** : یہ تفسیر ''تفسیر بیضاوی'' کے نام سے معروف ہے، اس کے مؤلف قاضی ناصرالدین بیضاوی شافعیؒ (متوفی: 611ھ) ہیں، یہ متوسط حجم کی تفسیر ہے اور انھوں نے بنیادی طور پر علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف، علامہ راغب اصفہانی کی تفسیر اور رازی کی تفسیر کبیر سے استفادہ کیا ہے، ان کی تفسیر میں عقلی اور لفظی بحثیں بہت ہیں، مصنف نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں طول کلام سے اور بعد میں اختصار سے کام لیا ہے اور ہندوستان کے دینی مدارس میں یہ ایک مقبول کتاب کی حیثیت سے داخل نصاب ہے۔

2- **لباب التاویل فی معانی التنزیل** : یہ تفسیر خازن کے نام سے معروف ہے، اس کے مؤلف علامہ علاء الدین ابوالحسن علی

بغدادیؒ (741-678ھ) ہیں اور 'خازن' کے نام سے معروف ہیں، مصنف کی یہ تفسیر علامہ بغوی کی 'معالم التنزیل' کی تلخیص ہے اور دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ مصنف نے ترغیب وترہیب کی احادیث کے بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

3- **البحر المحیط** : یہ علامہ اثیرالدین محمد بن یوسف ابوحیانؒ (654ھ--745ھ) کی تالیف ہے، جو اپنی جامعیت کی وجہ سے تفسیر کی بہت ہی مقبول اور متداول نیز مبسوط کتابوں میں سے ہے، اس تفسیر کا امتیاز اس کی نحوی وصرفی بحثوں کو سمجھا جاتا ہے۔

4- **غرائب القرآن ورغائب الفرقان** : یہ تفسیر نیساپوری سے معروف ہے، جس کے مؤلف نظام الدین خراسانی نیساپوریؒ ہیں، جو نویں صدی ہجری کے اہل علم میں سے ہیں، بنیادی طور پر ان کی یہ تفسیر علامہ رازی کی تفسیر کبیر کا اختصار ہے اور اس میں تفسیر کشاف سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

5- **ارشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم** : یہ ابوسعود محمد عمادی حنفیؒ (893ھ--911ھ) کی تفسیر ہے اور اسی مناسبت سے ''تفسیر ابی سعود'' کے نام سے مشہور ہے، یہ تفسیر کی چند نہایت اہم ترین کتابوں میں شمار کی گئی ہے، اس تفسیر میں مصنف نے ربط آیات اور بلاغت کے پہلو پر خصوصی توجہ دی ہے۔

9.5 اکتسابی نتائج

چوں کہ قرآن مجید انسانیت کے لئے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہدایت نامہ ہے، اس لئے تفسیر قرآن کی طرف ہمیشہ علماء کی خصوصی توجہ رہی ہے اور اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں سے تفسیر قرآن کی خدمت انجام دی ہے، بنیادی طور پر تفسیر قرآن مجید کے دو مناہج رہے ہیں، تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے، تفسیر بالماثور میں بڑی حد تک قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال پر انحصار کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور ماضی قریب کی تفسیروں میں فتح القدیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ دوسری کتابیں بھی ہیں، تفسیر میں قرآن و احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال کے علاوہ اجتہاد وقیاس اور عقل ولغوی نیز لسانی وتاریخی شواہد سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس منہج کی نمائندہ تفسیروں میں تفسیر کبیر، مدارک التنزیل، تفسیر جلالین، روح المعانی اور عصر حاضر کی تفسیروں میں التفسیر المنیر ہیں۔

9.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ تفسیر طبری کی اہمیت ومعنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے منہج کا جائزہ لیجیے۔

2۔ روح المعانی کا تعارف پیش کیجیے۔

3۔ تفسیر بالرائے کی وضاحت کرتے ہوئے التفسیر المنیر کا تعارف کرائیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائ کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے ان دونوں مناہج کی چند اہم تفسیروں کا تعارف کرائیں۔

2۔ فتح القدیر، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر جلالین پر تعارفی نوٹ لکھیں؟

3۔ تفسیر کبیر اور مدارک التنزیل کا اس طرح تعارف کرائیں کہ مصنف کا منہج واضح ہو جائے۔

9.7 فرہنگ

اجتہاد : کسی شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لئے کوشش کرنا۔

اجماع : کسی شرعی مسئلہ میں اُمت کے مجتہدین (ائمہ اربعہ) کا کسی رائے پر متفق ہو جانا۔

احتواء : شامل ہونا۔

اسبابِ نزول : جن واقعات کے پس منظر میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہوں۔

استنباط : جو بات قرآن وحدیث میں صراحت سے ذکر نہ کی گئی ہو، اس کو اشارات کے ذریعہ نکالنا۔

اسرائیلیات : بائبل اور یہودیوں وعیسائیوں کی طرف سے منقول واقعات۔

استناد : معتبر ہونا۔

اسماء رجال : سند میں آنے والے راویوں کے نام

اہل بیت : حضور ﷺ کی اولاد و ازواج۔

امامیہ اثنا عشریہ : شیعوں کا اہم فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے بعد بلافصل خلافت کا مستحق قرار دیتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہیں مانتا ہے، نیز ان کے نزدیک بارہ معصوم ائمہ ہوئے ہیں، جن میں سے آخری امام غائب ہو گئے تھے، قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔

تحقیق : ایڈیٹ کرنا، اصلیت معلوم کرنا۔

تصدیق : صحیح اور سچا ماننا۔

تصوف : وہ علم جس میں اصلاحِ اخلاق اور دل میں للّٰہیت پیدا کرنے کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اسی کے لیے تربیت کی جاتی ہے۔

تعلیق : حاشیہ۔

تقیہ : کسی مصلحت سے سچائی کو چھپانا۔

تلخیص : مختصر۔

جرح	:	تنقید۔
حجت	:	دلیل۔
حنفی	:	فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنے والا۔
خلیفہ	:	مسلمانوں کا فرمانروا۔
درایت	:	قرآن، حدیث وآثارِ صحابہ کے علاوہ دوسرے ذرائع مثلاً عقل وحواس سے حاصل ہونے والا علم۔
ربط آیات	:	قرآنی آیتوں کے درمیان معنوی تعلق۔
رجعت (عقیدہ)	:	دنیا میں انسان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔
روایت	:	حدیث اور سلف سے منقول اقوال۔
زیدیہ	:	شیعوں کا ایک فرقہ، جو حضرت علیؓ کو حضور ﷺ کے بعد خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتا ہے؛ لیکن حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔
سُقم	:	کمزوری، خامی۔
سلفی	:	جو لوگ اجتہاد کے قائل نہیں۔
شافعی	:	فقہ میں امام شافعیؒ کی پیروی کرنے والا۔
طول کلام	:	بات کا لمبا ہونا۔
عصمت (انبیاء)	:	گناہوں سے محفوظ ہونا۔
عطف	:	پھیرنا، عربی قواعد کی ایک اصطلاح۔
فقہ	:	انسان کی عملی زندگی---عبادات، سماجی مسائل، معاشی مسائل، مختلف قوموں کے درمیان تعلقات، جرائم اور سزائیں وغیرہ---سے متعلق اسلامی قوانین۔
قیاس	:	کسی غیر منصوص مسئلہ میں اسی طرح کے دوسرے منصوص مسئلہ کا حکم لگانا۔
کتابی	:	یہودی وعیسائی۔
کہف	:	غار (قرآن مجید میں اصحابِ کہف کا ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے)۔
مالکی	:	فقہ میں امام مالک کی پیروی کرنے والے۔
متبعین	:	پیروی کرنے والے۔
متقدمین	:	تیسری صدی ہجری کے اختتام تک کے علماء۔
متکلم	:	علم کلام یعنی: عقائد سے متعلق علم رکھنے والا۔
مجتہدین	:	خود اجتہاد کرنے والے فقہاء۔

مخطوطہ	:	قلمی نسخہ۔
مستدلات	:	دلائل۔
مَرجِع	:	جس کتاب یا شخصیت کی طرف رُجوع کیا جائے۔
مستشرقین	:	یورپ اور مغرب کے وہ علماء جن کے مطالعہ کا موضوع مشرقی ممالک کے مذاہب، علوم، تہذیب اور تاریخ ہیں۔
مصداق	:	مراد۔
مصحف عثمانی	:	قرآن مجید کا وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتب ہوا۔
معانی و بلاغت	:	لسانی اعتبار سے کلام میں خوبصورتی پیدا کرنے سے متعلق فن۔
معتزلہ	:	ایک فرقہ، جس کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان ایمان کے دائرہ سے باہر چلا جاتا ہے لیکن کافر بھی نہیں ہوتا، اور جو خلافِ عادت کسی چیز کے واقع ہونے --- جیسے معجزات --- کا منکر ہے۔
معرفت	:	جاننا۔
معصوم/معصومین	:	خطا سے محفوظ۔
منصوص	:	وہ باتیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔
منہج	:	طریقہ۔
موضوع (روایت)	:	من گھڑت نقل کی ہوئی باتیں۔
نقد	:	پرکھنا
نکاح متعہ	:	مخصوص مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنا، اہل تشیع کے یہاں یہ جائز ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔
واردات	:	دل میں آنے والی باتیں۔

9.8 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی : افتخار احمد بلخی
2۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون : مولانا محمد حنیف گنگوہی
3۔ تذکرۃ المصنفین (ظفر المحصلین باحوال المصنفین) : مولانا محمد حنیف گنگوہی
4۔ تاریخ تفسیر و مفسرین : پروفیسر غلام احمد حریری

-:oOo:-

اکائی 10 : مشہور عربی تفسیریں اور ان کے مناہج (حصہ دوم)

اکائی کی ساخت

10.1 تمہید
10.2 مقصد
10.3 فقہی تفسیریں
10.3.1 تفسیر قرطبی
10.3.2 تفسیر مظہری
10.4 ادبی پہلو
10.4.1 الکشاف
10.5 تصوف کی جہت سے تفسیریں
10.5.1 عرائس البیان
10.6 معتزلہ اور اہل تشیع کی تفسیریں
10.6.1 مجمع البیان
10.7 عصر حاضر کی اہم تفسیریں
10.8 عربی و فارسی تفسیریں اور علماء ہند
10.9 اکتسابی نتائج
10.10 نمونہ امتحانی سوالات
10.11 فرہنگ
10.12 تجویز کردہ کتابیں

10.1 تمہید

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کی خدمت سے بڑھ کر کسی مسلمان کے لئے کوئی سعادت نہیں ہوسکتی، نیز اس کے الفاظ میں معانی کا ایک سمندر چھپا ہوا ہے؛ اس لئے ہر دور میں علماء نے قرآن مجید کی تفسیر کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر آدمی کا فکری، علمی اور فقہی

ذوق الگ الگ ہوتا ہے اور مختلف شخصیتوں کو مختلف علوم وفنون میں مہارت اور اختصاص حاصل ہوتا ہے؛ اس لئے مختلف اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی ہے، کسی نے تفسیری مرویات اور آثار کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، بعض نے درایت کے پہلو کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے، بعض کے یہاں عربی لغت، نحو وصرف پر خصوصی توجہ ہے، بعض مفسرین نے قرآن کی فصاحت وبلاغت پر زور دیا ہے؛ کیوں کہ اس سے قرآن مجید کا اعجاز نمایاں ہوتا ہے، جن مفسرین پر فقہی رنگ غالب تھا، انھوں نے قرآن سے ثابت ہونے والے فقہی احکام پر زیادہ توجہ دی ہے، صوفیاء نے اپنے مزاج کے مطابق اشارات اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، متکلمین کے یہاں کلام وعقیدہ کی بحثیں زیادہ اہتمام سے ذکر کی گئی ہیں، اس طرح مختلف جہتوں سے قرآن مجید کی خدمت ہوئی ہے، ہر پہلو پر سیر حاصل بحثیں موجود ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ شاید کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب پر بمقابلہ قرآن مجید کے ایک فیصد کام بھی نہیں ہوا ہوگا۔

اگر مختلف پہلوؤں سے قرآن کی خدمات کا جائزہ لیا جائے؛ بلکہ اس کی ایک فہرست بنائی جائے، تب بھی وہ بہت طویل ہوگی؛ اس لئے یہاں مختلف مناہج (فقہی، ادبی، وغیرہ) کی اہم تفسیروں میں سے چند کا تعارف پیش کیا جاتا ہے :

10.2 مقصد

چونکہ قرآن مجید کی تفسیریں ابتدائی دور میں عربی زبان ہی میں لکھی گئی ہیں اور قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے قرآن کے مضامین کو وہ لوگ زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، جو اس زبان سے واقف ہوں؛ اس لئے تفسیر میں ہر دور میں عرب علماء کی خدمات فائق رہی ہیں؛ چنانچہ اس اکائی کا مقصد عربی زبان کی اہم تفسیروں اور ان مفسرین کے منہج تفسیر کو پیش کرنا ہے؛ تاکہ ان کتابوں کی اہمیت اور ان کا امتیازی پہلو واضح ہو سکے۔

10.3 فقہی تفسیریں

تفسیر کی کوئی بھی کتاب ہو، بنیادی طور پر اس میں قرآن مجید سے متعلق تمام ہی مضامین نقل کئے جاتے ہیں؛ لیکن مصنفین کے مزاج و مذاق کے اعتبار سے بعض مفسرین نے کسی خاص پہلو پر زیادہ توجہ دی ہے، چنانچہ ایک اہم جہت قرآن مجید میں آنے والے فقہی احکام ہیں، اس پس منظر میں کچھ اہل علم نے خاص طور پر آیات احکام ہی کو اپنی تشریح وتوضیح کا موضوع بنایا ہے اور پورے قرآن مجید کی تفسیر کے بجائے صرف ان آیات کی تفسیر فرمائی ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل کتابیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں :

- **أحكام القرآن** : ابوبکر جصاص رازیؒ (متوفی:370ھ)۔
- **أحكام القرآن** : کیاالہراسی شافعیؒ (450ھ--504ھ)۔
- **أحكام القرآن** : ابوبکر بن عربیؒ (متوفی:543ھ)۔
- **تفسيرات أحمديه** : ملا محمد جیونؒ (متوفی:1140ھ)۔

- **نَیل المَرام** : نواب صدیق حسن خاںؒ (متوفی: 1307ھ)۔
- **کنز العرفان فی فقه القرآن** : مقداد سیوری شیعی (متوفی: 826ھ)۔
- **الثمرات الیانعه والاحکام الواضحة القاطعة** : شمس الدین یوسف زیدی (متوفی: 832ھ)۔

اور بعض کتابیں وہ ہیں، جن میں تفسیر تو پورے قرآن مجید کی ہے؛ لیکن احکام فقہیہ کے اخذ و استنباط پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، ان میں دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

10.3.1 تفسیر قرطبی

فقہی منہج پر پورے قرآن مجید کی جو سب سے اہم تفسیر اس وقت موجود ہے، وہ ہے علامہ ابوعبداللہ محمد قرطبیؒ کی تفسیر، جن کی وفات 671ھ میں ہوئی، انھوں نے اپنی اس تفسیر کا نام ''**الجامع لأحکام القرآن والمُبَیِّن لما تَضَمَّنه من السنة وآی الفرقان**'' رکھا ہے، مصنف کی نسبت سے اسے 'تفسیر قرطبی' بھی کہا جاتا ہے، یہ تفسیر اپنی جامعیت، وضاحتِ بیان اور حسن ترتیب کے اعتبار سے عربی کی چند منتخب تفسیروں میں سے ایک ہے، اسی لئے بعد کے مفسرین نے کثرت سے اس سے استفادہ کیا ہے، کتاب کے شروع میں مصنف کا تفصیلی مقدمہ ہے، جو موجودہ متداول نسخوں کے 80 سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے اپنے منہج تفسیر پر روشنی ڈالنے کے علاوہ قرآنِ مجید کے فضائل، تلاوتِ قرآن کے آداب، تفسیر قرآن کے فضائل، تفسیر بالرائ کی مراد، فہم قرآن کے لئے تفسیر کی اہمیت، قرآن کے سات حروف پر اتارے جانے کی مراد، قرآن مجید کے جمع و تدوین اور مختلف ادوار میں رسم الخط اور علامات کے پہلو سے قرآن کی خدمت، قرآن کی آیات وحروف کی تعداد اور اعجاز قرآن، نیز فضائل قرآن سے متعلق بعض موضوع روایات اور مصحف عثمانی پر ملحدین کے اعتراضات جیسے موضوعات پر گفتگو کی ہے۔

مصنف کا منہج یہ ہے کہ وہ اپنی تمام بحثوں کو ابتداء میں ہی تقسیم کر دیتے ہیں، مثلاً: 'بسم اللہ' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں 27 بحثیں ہیں، پھر نمبروار ان مباحث کو ذکر کرتے ہیں، اس طرح نحوی، صرفی، ادبی، فقہی اور اعتقادی نیز لغوی بحثیں الگ الگ ذکر کی جاتی ہیں، احادیث وآثار کے ساتھ ساتھ مصنف نے عربی زبان کے قواعد، فصاحت و بلاغت کے اُصول، شعراء کے کلام سے استفادہ اور فقہاء کے استنباط واجتہاد کے تذکرہ کا التزام کیا ہے، دوسرے اہل علم کی آراء نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ترجیح دیتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر بھی ذکر کرتے ہیں اور فقہی مباحث---خواہ صراحتاً مذکور ہوں یا قرآنی ارشادات سے اخذ کئے جاسکتے ہوں--- پر مؤلف کی خصوصی توجہ ہوتی ہے، وہ فقہی اعتبار سے مالکی ہیں؛ لیکن تمام فقہاء کی آراء اور دلائل کو انصاف سے نقل کرتے ہیں اور بعض دفعہ دوسرے مکاتب فقہ کی آراء کو ترجیح بھی دیتے ہیں، اس کی بہت سی مثالیں کتاب میں مل جاتی ہیں، مثلاً مؤلف نے ''**اقیموا الصلوٰة واٰتو الزکوٰة وارکعوا مع الراکعین**'' (البقرۃ:43) کی تفسیر کرتے ہوئے مسئلہ نمبر:16 کے تحت نابالغ کی امامت پر گفتگو کی ہے اور دونوں نقاط نظر نقل کئے ہیں؛ کہ امام مالک وغیرہ نابالغ کی امامت کو درست قرار نہیں دیتے اور دوسرے فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، پھر بخاری کی ایک روایت کی روشنی میں دوسرے نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت نمبر:178 کے تحت مسئلہ نمبر:12 میں روزہ کی حالت میں بھول کر کھالینے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں، امام مالک کے نزدیک بھول کر کھانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، علامہ قرطبی نے احادیث کو سامنے رکھ کر یہاں بھی دوسرے نقطۂ نظر کو ترجیح دی ہے۔

اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں، جن میں مصنف نے بے تعصبی کے ساتھ جس نقطۂ نظر کو حق سمجھا ہے، اس کو ترجیح دی ہے، علامہ ابن عربی مالکی نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں جابجا مخالف فقہی نقاط نظر پر تیکھی تنقیدیں کی ہیں، علامہ قرطبی نے ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے ابن عربی پر رد کیا ہے اور دوسرے فقہاء کی طرف سے مدافعت کی ہے۔

مصنف نے خود اپنی کتاب کے تعارف میں لکھا ہے کہ وہ مفسرین اور مؤرخین کے بیان کئے ہوئے غیر ضروری قصوں سے اجتناب کریں گے، جو فہم قرآن کے لئے ضروری نہیں ہیں؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب میں بھی ایسی اسرائیلی روایات موجود ہیں، جن کی نہ نقل سے تائید ہوتی ہے نہ عقل سے، حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا کے جنت میں قیام، اصحابِ کہف کا کتا، رعد کی حقیقت وغیرہ میں بہت سی اسرائیلیات اس کتاب کا بھی حصہ ہیں۔

اس تفسیر کا متداول نسخہ بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور دو جلدوں میں اس کی فہرست ہے۔

10.3.2 تفسیر مظہری

یہ ہندوستان کے مشہور بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی: 1225ھ) کے قلم سے ہے، یہ تفسیر یوں تو ہر پہلو سے گرانقدر معلومات کا ذخیرہ ہے، لیکن فقہی احکام پر مصنف نے خصوصی توجہ دی ہے، جو 8 جلدوں میں طبع ہو چکی ہے؛ حالاں کہ یہ تفسیر اپنی جامعیت اور فقہی مباحث کے احاطہ کے اعتبار سے ایک ممتاز تفسیر ہے، مگر عالم عرب میں ابھی اس کا کما حقہ تعارف نہیں ہو پایا ہے، اس کا اُردو ترجمہ بھی ندوۃ المصنفین، دہلی سے متعدد جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

10.4 ادبی پہلو

قرآن مجید کا ایک امتیازی پہلو زبان وبیان کے اعتبار سے اس کا فصاحت وبلاغت کے اَوجِ کمال پر ہونا ہے، بلکہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے اور اس لئے جو اہل مکہ قرآن مجید کو انسانی کلام قرار دیتے تھے، قرآن نے انھیں اس کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج کیا ہے، جو آج تک موجود ہے؛ اس لئے قرآن مجید کی بلاغت اور لسانی اعتبار سے اس کے محاسن مفسرین کا خاص موضوع رہا ہے اور مختلف مفسرین نے اس کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

10.4.1 الکشّاف

لیکن اس سلسلہ میں تفسیر کی جس کتاب کو امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے، وہ علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود زمخشری خوارزمی (538-467ھ) کی تفسیر ''کشاف'' ہے، اس تفسیر کا پورا نام ''**الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التاويل**'' ہے، علامہ زمخشری کے بعد جن اہل علم نے تفسیر کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے عموماً کشاف سے استفادہ کیا ہے اور واقعی قرآن کے ادبی اور لسانی محاسن کو اس طرح کھولا ہے، کہ کوئی صاحب نظر اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا؛ بلکہ اہل علم کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے ادبی محاسن کو سمجھنے میں کشاف سے استفادہ کے بغیر چارہ نہیں ہے، علامہ حیدر ہروی نے لکھا ہے کہ متقدمین سے متاخرین تک اس تفسیر کی کوئی نظیر نہیں، البتہ مصنف فکری اعتبار سے معتزلی ہیں، معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے انسان دائرۂ ایمان سے باہر نکل جاتا ہے، مگر کافر نہیں ہوتا، گویا ایمان اور کفر کے درمیان ایک

اور درجہ بھی ہے، اسی طرح معتزلہ کے نزدیک خوارقِ عادت واقعات نہیں پیش آسکتے، وہ معجزات کی ایسی توجیہ کیا کرتے تھے کہ عقل وعادت کے خلاف کوئی بات ماننی نہ پڑے، علامہ زمخشری نے کشاف میں ان افکار کی بھرپور ترجمانی کی ہے اور اہل سنت والجماعت پر نقد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے؛ بلکہ لب ولہجہ میں تلخی پیدا ہوگئی ہے، اسی لئے کشاف کے مطبوعہ نسخوں پر دو حاشیے بھی شائع کئے گئے ہیں، ایک سید شریف علی جُرجانی کا، دوسرا علامہ ناصرالدین احمد اسکندری مالکی کا، جس کا نام ہے ''**الانصاف فی ماتضمنه الكشاف من الإعتزال**'' یہ دوسرا رسالہ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے--- علامہ زمخشری کے معتزلانہ افکار کی تردید اور اہل سنت والجماعت کی تائید وترجمانی میں ہے، یہ کتاب عرصہ پہلے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اور متداول ہے۔

10.5 تصوف کی جہت سے تفسیریں

تفسیر قرآن مجید چوں کہ ایک عظیم الشان فن ہے، اس سے دنیا وآخرت کی سعادت متعلق ہے، اس لئے جہاں دوسرے علوم وفنون سے تعلق رکھنے والے اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کی خدمت کی ہے، وہیں صوفیاء نے بھی تصوف کی جہت سے قرآن مجید کو اپنی کوششوں کی جولان گاہ بنایا ہے، اس جہت سے شیخ ابومحمد تستری (200ھ-283ھ) کی ''تفسیر القرآن العظیم''، شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد اَزْدِی سُلَمی (330ھ-412ھ) کی 'حقائق التفسیر'، شیخ نجم الدین دایۃ (654ھ-736ھ) کی 'التاویلات النجمیہ' --- جس کی علامہ علاء الدولۃ سمنانی (659ھ-736ھ) نے تکمیل کی ہے--- خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ ایک تفسیر جو علامہ ابن عربی کی طرف منسوب ہے، طبع ہوچکی ہے۔

10.5.1 عَرَائِسُ البیان

تصوف کی جہت سے لکھی جانے والی تفسیروں میں شیخ ابومحمد روزبہان بن ابوالنصر شیرازی (668ھ) کی 'عرائس البیان فی حقائق القرآن' خصوصی اہمیت کی حامل ہے، اس میں مصنف نے قرآن مجید کے ظاہری معنی کو بیان نہیں کیا ہے؛ بلکہ الفاظ قرآنی سے پیدا ہونے والی قلبی واردات اور صوفیانہ اشارات ہی کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، یہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ایک ضخیم جلد میں شائع ہوچکی ہے۔

ایک دو مثالوں سے اس تفسیر کا منہج سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''**والله جعل لكم مما خلق ظلالاً وجعل لكم من الجبال أكناناً وجعل لكم سرابيل تقيكم الحرو سرابيل تقيكم بأسكم كذلك يتم نعمته عليكم لعلكم تسلمون**''۔ (النحل:81)

اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں، اسی نے تمہارے لئے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں نیز ایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آتے ہیں، وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے؛ کہ تم حکم بردار بن جاؤ۔

شیخ شیرازی ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے ''ظلال''، یعنی 'سایہ' سے اولیاء کرام کا سایہ مراد لیتے ہیں کہ ہجر کی گرمی سے، مریدین ان کے سایہ میں آجاتے ہیں اور طغیان وسرکشی اور شیاطین انس وجن سے ان کی پناہ حاصل کرتے ہیں؛ کیوں کہ دراصل وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہیں، شیخ

کے نزدیک ''اَکنان الجبال'' (پہاڑوں کے غاروں) سے مراد اکابرِ معرفت کے قلوب ہیں......اسی طرح شیخ نے دوسرے الفاظ کی تشریح بھی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''وتفقد الطير فقال مالي لا أرى الهد هد أم كان من الغآئبين ، لأعذبنه عذاباً شديداً أو لاذبحنه أوليأتيني بسلطن مبين''۔ (النمل:21-20)

آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟ یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا، یا اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔

اس میں شیخ نے طیر (پرندہ) سے ''پرندۂ حقیقت'' مراد لیا ہے، جو حضرت سلیمان کا قلب ہے اور غائب ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ذکر سے بے توجہ ہو کر مذکور کی طرف مشغول ہو گیا تھا، عذاب شدید دینے سے مراد مسلسل مراقبہ پر صبر کرنا اور ذبح کرانے سے مراد عشق ومحبت کی تلوار سے ذبح کرنا ہے......وغیرہ۔

10.6 معتزلہ اور اہل تشیع کی تفسیریں

قرآن مجید چوں کہ احکام شرعیہ کی اساس وبنیاد ہے اور ادلہ شرعیہ میں اول درجہ پر ہے؛ اس لئے مختلف اعتقادی مکاتب فکر نے قرآن مجید کی تفسیریں مرتب کی ہیں، جن میں اہل سنت کے علاوہ، اہل تشیع اور معتزلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

معتزلہ میں یوں تو مختلف مفسرین کا ذکر ملتا ہے، جن میں ابو ہاشم عبدالسلام جبائی (متوفی:321ھ)، ابومسلم اصفہانی (متوفی:322ھ) وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، لیکن اس حلقہ کی دو کتابیں امتیازی حیثیت کی حامل ہیں :

1- **تنزيه القرآن عن المطاعن** : یہ قاضی عبدالجبار ہمدانی شافعی (متوفی:415ھ) کی تفسیر ہے، جس میں عربی زبان اور معتزلی عقائد کے نقطۂ نظر سے ہونے والے اشکالات کو حل کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

2- **الكشاف عن حقائق التنزيل و عيون الأقاويل في وجوه التأويل** : یہ علامہ زمخشری حنفی (467ھ-538ھ) کی مشہور تفسیر ہے، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، جہاں زبان وادب کے پہلو سے یہ ایک بے مثال تفسیر ہے، وہیں اس کتاب میں علامہ زمخشری فکر اعتزال کے زبردست وکیل وترجمان اور اہل سنت والجماعت کی فکر کے زبردست ناقد نظر آتے ہیں۔

اہل تشیع اور خاص کر فرقۂ اثنا عشریہ کے یہاں بھی فن تفسیر پر توجہ رہی ہے، اس فرقہ کی اہم کتب تفسیر اور ان کے مصنفین کے نام ذکر کئے جاتے ہیں :

1- **مرآة الانوار و مشكوٰة الآثار** : عبداللطیف کازرانی۔

2- **تفسیر الحسن العسکری** : امام حسن عسکری (231ھ-260ھ)۔

3- **مجمع البیان لعلوم القرآن** : ابوعلی فضل بن حسین طبرسی (متوفی:538ھ)۔

4- **الصافی فی تفسیر القرآن الکریم** : ملا محسن کاشی (یہ گیارہویں صدی ہجری کے علماء میں ہیں)۔

5- **بیان السعادة فی مقامات العبادة** : سلطان بن محمد خراسانی (یہ چودہویں صدی ہجری کے علماء میں ہیں)۔

یہاں شہرت ومرجعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طبرسی کی تفسیر کا تعارف پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے :

10.6.1 مجمع البیان

علامہ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی مشہدی، فرقۂ امامیہ اثناعشریہ کے ممتاز فقہاء ومحدثین میں شمار کیے گئے ہیں، اوران کا پورا خاندان علمی اعتبار سے امتیازی حیثیت کا حامل رہا ہے، یہ طبرستان میں پیدا ہوئے؛ اس لئے طبرسی کہلائے اور مشہد میں مدفون ہیں؛ اس لئے مشہدی کہلائے، 583ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

ان کی تفسیر کا نام ''مجمع البیان لعلوم القرآن'' ہے اور 534ھ میں انھوں نے اسے مکمل کیا ہے، مصنف کے اس کتاب کی تالیف کرنے کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا گیا ہے، انھیں سکتہ کی بیماری ہوگئی تھی، لوگوں نے سمجھا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے؛ چنانچہ انھیں دفن کر دیا گیا، بعد میں انہیں ہوش آیا تو دیکھا کہ قبر میں ہیں اور ہر طرف سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہے، اس موقع پر انھوں نے نذر مانی کہ اگر وہ اس مصیبت سے نجات پا جائیں گے تو قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھیں گے، اتفاق سے بعض کفن چوروں نے کفن لینے کے لیے ان کی قبر کھودی، شیخ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ گھبرا گیا، یہ ان سے گفتگو کرنے لگے، تو گھبراہٹ میں اور اضافہ ہوگیا، پھر شیخ نے انہیں بتایا کہ وہ گھبرائیں نہیں، میں زندہ ہوں، مجھے مردہ سمجھ کر لوگوں نے دفن کر دیا، وہ اٹھنے اور چلنے پر بھی قادر نہیں تھے، کفن چور انھیں اٹھا کر ان کے گھر لایا، طبرسی نے انھیں خلعت اور بہت کچھ مال ومتاع سے نوازا اور کفن چور نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر شیخ نے 'مجمع البیان' کی تالیف شروع کی۔

طبرسی نے خود کتاب کے شروع میں اپنے منہج پر روشنی ڈالی ہے کہ میں نے ہر سورہ کے شروع میں اس کے مکی اور مدنی ہونے کا ذکر کیا ہے، پھر تعداد آیات کا، پھر قرأت میں اختلاف کا، پھر دلائل اور آیات سے مستنبط ہونے والے احکام کا، نیز عربی زبان، لغت، نحو وصرف، مشکلات، اسباب نزول، معانی وبلاغت، احکام وتاویلات اور قصص وواقعات کو ذکر کیا ہے، ان کے خیال میں یہ تفسیر ادیب، نحوی، قاری، عمل کرنے والے، متکلم، محدث، فقیہ اور واعظ سب کے لیے بہترین رہنما اور حجت ہے، تفسیر کے شروع میں مقدمہ بھی ہے، جس میں عام طور پر علوم القرآن سے متعلق مباحث ذکر کیے گئے ہیں۔

طبرسی ایک طرف شیعہ ہیں اور دوسری طرف فکر میں معتزلہ سے متاثر ہیں؛ اس لیے ان کی تفسیر فکری اعتبار سے شیعہ اثناعشریہ اور معتزلہ کے فکر کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے، انہوں نے ''**انما ولیکم الله و رسوله و الذین آمنوا** ''(مائدہ:55) میں ولی سے خلیفہ مراد لیا ہے، اور ''**الذین آمنوا** '' کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے؛ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلافصل حضرت علی کی ولایت کو ثابت کیا جائے

اوراس کے لئے بڑے تکلف سے کام لیا گیا ہے،...... ''**انما یرید الله لیذهب عنكم الرجس أهل البيت و يطهركم تطهيرا**''۔ (الاحزاب:23) سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیعوں کے تمام ائمہ معصوم تھے؛ ''**ثم بعثنكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون** ''۔ (البقرۃ:56) سے عقیدہ رجعت کو ثابت کیا ہے...... ''**الذين يؤمنون بالغيب** ''۔ (البقرۃ:3) میں امام مہدی غائب کو مرادلیا ہے...... ''**ألا أن تتقوا منهم تقاة** ''۔(آل عمران:28) سے ''تقیۃ'' کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،...... ''**فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة**''۔ (نساء:24) کے لفظ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے نکاح متعہ پر محمول کیا ہے۔

اسی طرح احکام نفقہ میں بھی شیعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے، نکاح متعہ کا ذکراوپر آچکا ہے، آیت وضوء میں ''**وارجلكم الى الكعبين** ''۔(المائدہ:6) کا عطف'' **وامسحوا برؤسكم** ''پر کرتے ہوئے پاؤں پرمسح کرنے کی رائے قائم کی گئی ہے، امامیہ کے یہاں کتابی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ چنانچہ'' **ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن** ''۔ (بقرۃ:221) میں ''مشرکات'' میں یہود و نصاریٰ کو شامل مانا گیا ہے، اہل تشیع کے نزدیک انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری ہوگی؛ چنانچہ...... ''**يرثني و يرث من آل يعقوب و اجعله ربي رضياً**''۔(مریم:6) میں میراث سے ''میراث نبوت'' کے بجائے ''میراث مالی'' مرادلیا گیا ہے، طبرسی کے نزدیک عام اہل تشیع کے مسلک کے مطابق وہی اجماع معتبر ہے، جس میں ائمہ معصومین کی بھی شرکت رہی ہو؛ کیوں کہ ان کے نزدیک...... ''**و يتبع غير سبيل المؤمنين**''۔(نساء:115) میں مؤمنین سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ائمہ معصومین مراد ہیں۔

غرض کہ مصنف نے شیعی نقطۂ نظر کی پوری ترجمانی کی ہے، ان سب کے باوجود طبرسی کو بمقابلہ دوسرے شیعہ مفسرین کے معتدل سمجھا جاتا ہے؛ کیوں کہ انھوں نے بہ ظاہر صحابہ پر طعن وتکفیر کے معاملہ میں غلو سے کام نہیں لیا ہے۔

دوسری طرف علامہ طبرسی اللہ تعالیٰ کی صفات اور دوسرے افکار میں معتزلہ سے بھی متأثر ہیں، معتزلہ کے نزدیک چونکہ ہدایت وضلالت بندہ کا اپنا اختیاری فعل ہے؛ اس لئے ''**فمن يرد الله ان يهديه** ...... ''۔(الانعام:125) میں ہدایت دینے سے ہدایت پر استقامت مراد لیتے ہیں، وہ قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کو ممکن نہیں مانتے اور''...... **الى ربها ناظرة**''۔ (القیامۃ:23) میں'' **ناظرة** '' کی تاویل کرتے ہیں اوراس سے انتظار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کو دیکھنے کا معنی مراد لیتے ہیں، اسی طرح طبرسی سحر کی حقیقت کے قائل نہیں ہیں؛ البتہ تمام افکار میں معتزلہ سے اتفاق نہیں رکھتے، جیسے معتزلہ شفاعت کے قائل نہیں ہیں، وہ قائل ہیں، معتزلہ کے نزدیک ایمان میں عمل صالح داخل ہے، طبرسی کے نزدیک ایمان معرفت اور تصدیق کا نام ہے۔

طبرسی نے موضوع روایتیں خاص کر اہل بیت کی فضیلت میں بکثرت نقل کی ہیں، بہت سی اسرائیلی روایات بھی بلانکیر نقل کی ہیں۔

غرض کہ طبرسی کے مخصوص افکار سے قطع نظر کیا جائے تو یہ ایک جامع اور مختلف پہلوؤں پر حاوی تفسیر ہے۔

10.7 عصر حاضر کی اہم تفسیریں

قرآن مجید کے علوم ایک بحر ناپیدا کنار ہیں، اس لئے آج بھی مختلف پہلوؤں سے تفسیر قرآن کا سلسلہ جاری ہے اور مسلسل اس موضوع پر

کام ہورہاہے،گزشتہ سوسال میں جو اہم تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے :

- **الجواهر فی تفسیر القرآن الکریم** : یہ علامہ طنطاوی جوہری (1287ھ--1358ھ) کی بہت مفصل تفسیر ہے، مصنف نے کوشش کی ہے کہ سائنسی حقائق کی روشنی میں قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے، لیکن اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ یہ تفسیر اپنے اصل موضوع سے ہٹ گئی ہے۔

- **المنار فی التفسیر** : یہ ایک نامکمل تفسیر ہے، جسے علامہ محمد رشید رضا مصری (1282ھ--1354ھ) نے اپنے استاذ مفتی محمد عبدہ (1848ھ--1905ھ) کے افادات کو شامل کرتے ہوئے مرتب کی ہے، اس کی بارہ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، جو سورہ یوسف تک پہنچتی ہیں، یہ عصر حاضر کی نہایت اہم تفسیر سمجھی گئی ہے، البتہ مؤلف کی بعض آراء جمہور سے مختلف ہیں۔

- **فی ظلال القرآن** : یہ سید قطب شہید کی مقبول عام تفسیر ہے، اس تفسیر میں قرآن کے ادبی محاسن کے علاوہ دعوتی پہلو پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور اسلام کے خلاف مستشرقین کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا رد کیا گیا ہے۔

- **التفسیر المنیر** : بہت جامع اور مفصل تفسیر ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

10.8 عربی وفارسی تفسیریں اور علماء ہند

ہندوستان ان ملکوں میں ہے، جن سے اسلام کا تعلق بہت قدیم ہے، تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں جنوبی ہند میں اسلام آچکا تھا، شمالی ہند میں بھی مسلمانوں کا قافلہ 89ھ میں سندھ تک پہنچ چکا تھا، اسلام میں توحید کا عقیدہ، انسانی وحدت کا تصور اور شریعت محمدی کی عقل اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کے باعث اس ملک میں اسلام کو بہت جلد مقبولیت حاصل ہوگئی اور یہاں کے لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اسلام سے اس قدیم رشتہ کی وجہ سے ہندوستان کے علماء علوم اسلامی کی خدمت میں ہمیشہ نمایاں اور ممتاز رہے ہیں اور عالم اسلام میں بھی ان کی علمی کاوشوں کو تحسین اور رشک کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

یوں تو علماء کی توجہ زیادہ فقہ اور اُصولِ فقہ کی طرف رہی ہے؛ لیکن تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں بھی ان کی کاوشیں قابل لحاظ ہیں، اس سلسلہ میں غالباً سب سے قدیم نام دوسری صدی ہجری کے ایک بزرگ عبد بن حُمید بن نصر کا ملتا ہے، جو سندھ کے علاقہ میں فروکش ہوگئے تھے، علامہ ابن جریر طبری جیسے دنیائے تفسیر کے تاجدار اِن سے کسبِ فیض کرنے والوں میں ہیں، ویسے عربی میں علماء ہند کی غالباً پہلی تفسیر ابوبکر اسحاق بن تاج الدین ابوالحسن (متوفی:736ھ) کی ''جواہر القرآن'' ہے، جو فقہ حنفی کے متبع تھے اور ابن تاج کے نام سے معروف تھے، انھوں نے خود ہی اس تفسیر کی تلخیص بھی کی تھی، جس کا مخطوطہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اسی عہد کی ایک اور عربی تفسیر ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' کا نام ملتا ہے، جس کے مؤلف مولانا نظام الدین حسن دولت آبادی (متوفی:728ھ) ہیں، یہ اصل میں نیشاپور کے رہنے والے تھے، وہاں سے ترک وطن کرکے دولت آباد میں مقیم ہوئے، یہ نظام اعرج کے نام سے معروف ہیں، یہ تفسیر بھی مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے، ان کے علاوہ مشہور بزرگ سید علی ہمدانی --- جو 781ھ میں کشمیر آئے اور ان کے ہاتھ پر اس

خطہ کے لوگ مسلمان ہوئے اور یہیں 786ھ میں وفات پائی --- کی عربی تفسیر کا بھی ذکر ملتا ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ ''انڈیا آفس لائبریری لندن'' میں موجود ہے، اسی طرح تفسیر تا تارخانی کا بھی ذکر ملتا ہے، جس کو امیر تا تارخاں (متوفی: 799ھ) کے حکم پر فیروز شاہ تغلق کے عہد میں علماء کی ایک جماعت نے مرتب کیا تھا، جمیل نقوی نے اپنی کتاب ''اُردو تفاسیر'' میں پورے قرآن مجید پر بحیثیتِ مجموعی علماء ہند کی 16 تفسیروں کا ذکر کیا ہے، جن میں شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی کی ''تبصیر الرحمان وتیسیر المنان'' --- جو 835ھ کی تصنیف ہے --- اور دربار اکبری سے وابستہ ابوالفیض فیضی کی غیر منقوط تفسیر ''سواطع الالہام'' جیسی کتابیں شامل ہیں۔

عربی کے علاوہ فارسی زبان میں بھی علماء ہند نے تفسیری خدمات انجام دی ہیں، پورے قرآن مجید یا اہم عربی تفسیروں کے فارسی ترجمہ کے سلسلہ میں بحیثیت مجموعی سولہ تالیفات کا ذکر ملتا ہے، جن میں عہد اکبری کے شیعہ مصنف فتح اللہ شیرازی (متوفی: 997ھ) کی تفسیر ''منہج الصادقین'' کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اس کے علاوہ عہد عالمگیری میں شہزادی زیب النساء کی فرمائش پر ملا صفی الدین اردبیلی کشمیری نے امام رازی کی تفسیر ''مفاتیح الغیب'' کا ''زبدۃ التفاسیر'' کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا، جو کئی جلدوں پر مشتمل تھا اور جس کا کچھ حصہ اب بھی مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے۔

10.9 اکتسابی نتائج

چوں کہ قرآن مجید انسانیت کے لئے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہدایت نامہ ہے، اس لئے تفسیر قرآن کی طرف ہمیشہ علماء کی خصوصی توجہ رہی ہے اور اہل علم نے اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں سے تفسیر قرآن کی خدمت انجام دی ہے، جن میں سب سے اہم قرآن کریم کی تفسیریں مرتب کرنا ہے، جو مختلف مناہج پر انجام پائی ہیں۔ فقہی منہج پر بھی بعض تفسیریں لکھی گئی ہیں، جن میں قرآن سے مستنبط ہونے والے احکام فقہیہ پر زیادہ توجہ دی گئی ہے، ایسی تفسیروں میں ''تفسیر قرطبی'' اور ''تفسیر مظہری'' کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، معانی وبلاغت کے پہلو سے جو تفسیری لٹریچر ہمیں ملتا ہے، اس میں ''کشاف'' مرجع کا درجہ رکھتی ہے، تصوف کی جہت سے بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں، اس سلسلہ میں ''عرائس البیان'' اہم کتاب ہے، اہل سنت والجماعت کے علاوہ معتزلہ اور اہل تشیع نے بھی تفسیر قرآن میں نمایاں کام کیا ہے، شیعی تفسیروں میں علامہ طبرسی کی ''مجمع البیان'' بہتر کتاب مانی گئی ہے، نیز عصر حاضر میں موجودہ عصری اُسلوب میں بھی تفسیر قرآن مجید کی خدمت کی گئی ہے اور بحمد اللہ اس کا سلسلہ جاری ہے، عربی وفارسی کے تفسیری ذخیرہ میں علماء ہند کا حصہ بھی قابل لحاظ ہے۔

10.10 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ تفسیر قرطبی کا تعارف کراتے ہوئے اس کے منہج پر روشنی ڈالیے۔

2۔ عربی وفارسی تفاسیر میں علمائے ہند کی خدمات پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ تفسیر میں ادبی منہج سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے واضح کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ فقہی تفسیر سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟اس منہج کے کسی تفسیر کا تعارف کرائیے۔

2۔ تصوف کی جہت سے تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے عرائس البیان کا تعارف کرائیے۔

3۔ معتزلہ اور اہل تشیع کی تفسیری خدمات پر تعارفی نوٹ لکھیے۔

10.11 فرہنگ

اجتہاد : کسی شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لئے کوشش کرنا۔

اجماع : کسی شرعی مسئلہ میں اُمت کے مجتہدین (ائمہ اربعہ) کا کسی رائے پر متفق ہوجانا۔

احتواء : شامل ہونا۔

اسبابِ نزول : جن واقعات کے پس منظر میں قرآنی آیات نازل ہوئی ہوں۔

استنباط : جو بات قرآن وحدیث میں صراحت سے ذکر نہ کی گئی ہو،اس کو اشارات کے ذریعہ نکالنا۔

اسرائیلیات : بائبل اور یہودیوں وعیسائیوں کی طرف سے منقول واقعات۔

استناد : معتبر ہونا۔

اسماء رجال : سند میں آنے والے راویوں کے نام

اہل بیت : حضورﷺ کی اولاد وازواج۔

امامیہ اثنا عشریہ : شیعوں کا اہم فرقہ جو حضرت علیؓ کو حضورﷺ کے بعد بلا فصل خلافت کا مستحق قرار دیتا ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو نہیں مانتا ہے، نیز ان کے نزدیک بارہ معصوم ائمہ ہوئے ہیں، جن میں سے آخری امام غائب ہو گئے تھے، قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔

تحقیق : ایڈیٹ کرنا' اصلیت معلوم کرنا۔

تصدیق : صحیح اور سچا ماننا۔

تصوف : وہ علم جس میں اصلاحِ اخلاق اور دل میں للّٰہیت پیدا کرنے کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اسی کے لیے تربیت کی جاتی ہے۔

تعلیق : حاشیہ۔

تقیہ	:	کسی مصلحت سے سچائی کو چھپانا۔
تلخیص	:	مختصر۔
جرح	:	تنقید۔
حجت	:	دلیل۔
حنفی	:	فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنے والا۔
خلیفہ	:	مسلمانوں کا فرمانروا۔
درایت	:	قرآن، حدیث و آثارِ صحابہ کے علاوہ دوسرے ذرائع مثلاً عقل وحواس سے حاصل ہونے والا علم۔
ربط آیات	:	قرآنی آیتوں کے درمیان معنوی تعلق۔
رجعت (عقیدہ)	:	دنیا میں انسان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔
روایت	:	حدیث اور سلف سے منقول اقوال۔
زیدیہ	:	شیعوں کا ایک فرقہ، جو حضرت علیؓ کو حضورﷺ کے بعد خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتا ہے؛ لیکن حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔
سُقم	:	کمزوری، خامی۔
سلفی	:	جو لوگ اجتہاد کے قائل نہیں۔
شافعی	:	فقہ میں امام شافعیؒ کی پیروی کرنے والا۔
طول کلام	:	بات کا لمبا ہونا۔
عصمت (انبیاء)	:	گناہوں سے محفوظ ہونا۔
عطف	:	پھیرنا، عربی قواعد کی ایک اصطلاح۔
فقہ	:	انسان کی عملی زندگی---عبادات، سماجی مسائل، معاشی مسائل، مختلف قوموں کے درمیان تعلقات، جرائم اور سزائیں وغیرہ---سے متعلق اسلامی قوانین۔
قیاس	:	کسی غیر منصوص مسئلہ میں اسی طرح کے دوسرے منصوص مسئلہ کا حکم لگانا۔
کتابی	:	یہودی وعیسائی۔

کہف	:	غار (قرآن مجید میں اصحابِ کہف کا ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے)۔
مالکی	:	فقہ میں امام مالک کی پیروی کرنے والے۔
متبعین	:	پیروی کرنے والے۔
متقدمین	:	تیسری صدی ہجری کے اختتام تک کے علماء۔
متکلم	:	علم کلام یعنی: عقائد سے متعلق علم رکھنے والا۔
مجتہدین	:	خود اجتہاد کرنے والے فقہاء۔
مخطوطہ	:	قلمی نسخہ۔
مستدلات	:	دلائل۔
مَرجَع	:	جس کتاب یا شخصیت کی طرف رُجوع کیا جائے۔
مستشرقین	:	یورپ اور مغرب کے وہ علماء جن کے مطالعہ کا موضوع مشرقی ممالک کے مذاہب، علوم، تہذیب اور تاریخ ہیں۔
مصداق	:	مراد۔
مصحف عثمانی	:	قرآن مجید کا وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتب ہوا۔
معانی و بلاغت	:	لسانی اعتبار سے کلام میں خوبصورتی پیدا کرنے سے متعلق فن۔
معتزلہ	:	ایک فرقہ، جس کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان ایمان کے دائرہ سے باہر چلا جاتا ہے لیکن کافر بھی نہیں ہوتا، اور جو خلافِ عادت کسی چیز کے واقع ہونے --- جیسے معجزات --- کا منکر ہے۔
معرفت	:	جاننا۔
معصوم/معصومین	:	خطا سے محفوظ۔
منصوص	:	وہ باتیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔
منہج	:	طریقہ۔
موضوع (روایت)	:	من گھڑت نقل کی ہوئی باتیں۔
نقد	:	پرکھنا

نکاح متعہ : مخصوص مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنا، اہل تشیع کے یہاں یہ جائز ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

واردات : دل میں آنے والی باتیں۔

10.12 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامی : افتخار احمد بلخی

2۔ قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون : مولانا محمد حنیف گنگوہی

3۔ تذکرۃ المصنفین (ظفر المحصلین باحوال المصنفین) : مولانا محمد حنیف گنگوہی

4۔ تاریخ تفسیر ومفسرین : پروفیسر غلام احمد حریری

۔:oOo:۔

اکائی 11 : مشہور اردو تفسیریں (حصہ اول)

اکائی کی ساخت

11.1 تمہید

11.2 مقصد

11.3 اُردو میں تفسیر کا آغاز

11.4 تفسیر القرآن (سرسید احمد خان)

11.5 تفسیر ثنائی (مولانا ثناء اللہ امرتسری)

11.6 بیان القرآن (مولانا اشرف علی تھانوی)

11.7 ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد)

11.8 اکتسابی نتائج

11.9 نمونۂ امتحانی سوالات

11.10 فرہنگ

11.11 تجویز کردہ کتابیں

11.1 تمہید

اُردو زبان کی عمر گو زیادہ نہیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب اس کا شمار بین الاقوامی زبانوں میں ہے، پڑوسی ملک پاکستان کی تو یہ سرکاری زبان ہے ہی، ہندوستان میں بھی ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان اُردو ہے، نیز کئی ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے، برصغیر کی تقریباً تمام ریاستوں میں یہ زبان سمجھی جاتی ہے، خلیج سے، امریکہ سے، برطانیہ سے اور بعض دوسرے علاقوں سے بھی اُردو روزنامے شائع ہوتے ہیں اور بول چال کی حد تک دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی چھ زبانوں میں اس کا بھی شمار ہے، نیز اس زبان میں بڑی تعداد میں متنوع موضوعات پر لٹریچر کی اشاعت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ زبان صرف شعر وسخن کی زبان نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ہر طرح کے افکار اور علوم وفنون کی

ترجمانی کی صلاحیت ہے۔

یوں تو زبان کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہوتا، زبان کی حیثیت محض ذریعہ اظہار کی ہے، اُردو زبان کو بھی صرف اسلام اور مسلمانوں سے جوڑنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ اُردو کے نامور شعراء، ادباء اور نقادوں نیز لغت وقواعد کی تدوین کرنے والوں میں ہندو، سکھ اور عیسائی بھی شامل ہیں، نیز اس زبان میں ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کا مذہبی لٹریچر بھی خاصی مقدار میں موجود ہے؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کی آمیزش کی وجہ سے مسلمانوں کا اس سے خصوصی تعلق رہا ہے اور آزادی کے بعد سے یہ پورے ملک میں عمومی طور پر اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً رابطہ کی زبان کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے اُردو زبان میں شروع ہی سے اسلامی علوم بشمول تفسیر پر عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ کام ہوا ہے۔

11.2 مقصد

یہ اور اگلی اکائی کا مقصد اُردو زبان میں تفسیر قرآن مجید کی خدمت کا جائزہ اور اُردو کی اہم کتبِ تفسیر کا تعارف پیش کرنا ہے۔

11.3 اُردو میں تفسیر کا آغاز

اُردو زبان میں تفسیری خدمت کا آغاز دکن کے علاقہ سے ہوا ہے، اور تفسیر کی ابتدائی کتابیں دکنی زبان واُسلوب میں لکھی گئی ہیں، بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اُردوئے قدیم'' میں ایسی چند مکمل یا جزوی تفسیروں کا ذکر کیا ہے، تاہم معیاری اُردو زبان کی پہلی تفسیر ''تفسیر مرادیہ'' کو مانا جاتا ہے، یہ شاہ مراد اللہ سنبھلی انصاری نقشبندی کی تالیف ہے، جس کا تاریخی نام ''خدائی نعمت'' ہے، یہ صرف سورۂ فاتحہ اور پارہ: 30 کی تفسیر پر مشتمل ہے، 14 محرم 1185ھ کو مصنف نے اسے مکمل کیا اور پہلی بار 1247ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کلکتہ اور ممبئی سے اس کے ایڈیشن شائع ہوتے رہے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں مقبول عام وخاص کتاب تھی، اُردو کی پہلی مکمل تفسیر شاہ عبدالقادر دہلوی کی ''موضح قرآن'' ہے، جو تفسیر مرادیہ کے پورے بیس سال بعد 1205ھ کی تصنیف ہے، یہ مختصر تفسیری حواشی ہیں، بعض حضرات نے صرف ان حواشی کو ''موضح قرآن'' کا نام دیا ہے اور بعض نے ''ترجمہ اور حواشی'' کے مجموعہ کو،--- یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض حضرات نے اس کو ''موضح القرآن'' لکھا ہے؛ لیکن یہ درست نہیں، ''الف، لام'' کے بغیر ''موضح قرآن'' درست ہے؛ کیوں کہ یہ تاریخی نام ہے اور اسی سے 1205ھ کی تاریخ نکلتی ہے، یہ تفسیری حواشی مختصر ہونے کے باوجود جامع اور فہم قرآن کے لئے بہت مفید ہیں۔

11.4 تفسیر القرآن

ہندوستان کی جن مسلمان شخصیتوں نے مسلمانوں کی فکر پر گہرا اثر ڈالا ہے، ان میں ایک سرسید احمد خاں ہیں، وہ 17/ اکتوبر 1817ء کو پیدا ہوئے، انھوں نے اس زمانہ کے رواج کے مطابق عربی وفارسی کی روایتی تعلیم حاصل کی، ان کا شمار مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگردوں میں کیا جاتا ہے، جن کے ایک اور شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی، سرسید نے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال، انگریزوں کے اس ملک پر تسلط اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی زبوں حالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان انقلابات نے ان کے ذہن پر یہ اثر ڈالا کہ

مسلمانوں کے لئے ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا راستہ انگریزوں سے تصادم نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہے کہ وہ ان سے تعلقات کو بہتر رکھتے ہوئے جدید تعلیم کی طرف توجہ دیں؛ چنانچہ اس مقصد کے لئے انھوں نے 1875ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھی، جس نے 1877ء میں ''محمڈن اینگلو اورئینٹل کالج'' کی اور سرسید کی وفات کے بعد 1920ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی صورت اختیار کی، 1862ء میں انھوں نے انگریزی علوم وفنون کے ترجمہ کے لئے ''سائنٹفک سوسائٹی'' کی اور مسلمانوں میں مغربی تعلیم کا شوق بیدار کرنے کے لئے 1886ء میں ''محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' کی بنیاد رکھی، 18/مارچ 1898ء کو ان کی وفات ہوگئی۔

سرسید احمد خاں مغربی علوم اور مغرب کی سائنسی ترقی ہی سے متاثر نہیں تھے؛ بلکہ وہ مغربی افکار سے بھی متاثر ہوئے، اس فکر کی ترجمانی کے لئے انھوں نے علی گڑھ سے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا اور دراصل اسی مقصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے تفسیر قرآن بھی تالیف کی ہے، بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ 1877ء میں انھوں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تھا جو تادم زیست جاری رہا، یہ تفسیر سورۂ مریم کے ختم تک ہے، یوں تو سورۂ طٰہٰ بھی تفسیر کا حصہ ہے، مگر اس میں صرف ترجمہ ہے اور بعض مضامین کے سلسلہ میں گذشتہ صفحات کا حوالہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید کا معمول پہلے ترجمہ لکھنے پھر تفسیر لکھنے کا تھا، طٰہٰ کا ترجمہ کرنے کے بعد تفسیر کا موقع نہیں ملا اور وفات ہوگئی، 1880ء تا 1895ء چھ جلدیں سورۂ بنی اسرائیل کے ختم تک ان کی زندگی میں شائع ہوگئیں، آخری جلد--- جس پر سولہواں پارہ مکمل ہوتا ہے--- ان کی وفات کے بعد 1904ء میں شائع ہوا، یہ تفسیر عرصہ سے نایاب تھی، 1995ء میں خدا بخش خاں لائبریری، پٹنہ نے ان سات جلدوں کو دو ضخیم جلدوں میں شائع کردیا ہے۔

تفسیر کے سلسلہ میں سرسید احمد خاں کے منہج اور طریقۂ فکر کو سمجھنا آسان ہے، اس لئے کہ انھوں نے اپنی تحریر کے شروع میں ''تحریر فی اصول التفسیر'' کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں تفسیر کے سلسلہ میں پندرہ اُصول ذکر کئے ہیں، اس مقدمہ میں جو بنیادی بات کہی گئی ہے اور جس کا ذکر جابجا تفسیر کے اندر بھی آیا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن ''ورڈ آف گاڈ'' (خدا کا قول) ہے اور کائنات ''ورک آف گاڈ'' (خدا کا فعل) ہے، خود سرسید کے الفاظ میں ''ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ کا متحد ہونا لازم ہے، اگر ورڈ، ورک کے کسی حیثیت سے مطابق نہیں ہے، تو ایسا ورڈ، ورڈ آف گاڈ نہیں ہوسکتا''--- چنانچہ اس تفسیر میں ہر جگہ اسی فکر کی کارفرمائی اور سرسید احمد خان کے خیال کے مطابق اس کی تطبیق نظر آتی ہے۔

سرسید احمد خاں کے نزدیک خدا نے جن باتوں کا بہ طور خود وعدہ فرمایا ہے، جیسے: مومنوں کے لئے مغفرت وجنت، گنہگاروں کے لئے سزا، خدا اس کے خلاف نہیں کرسکتا، اسی طرح سرسید کے نزدیک خدا نے کائنات کا جو فطری نظام رکھا ہے، جیسے آگ میں جلانے، پانی میں ڈبونے کی صلاحیت اور ماں باپ کے ذریعہ انسان کا پیدا ہونا، وہ خدا کا ''فعلی وعدہ'' ہے، اس قانونِ فطرت کے خلاف کوئی بات ظہور میں نہیں آسکتی، اسی لئے سرسید احمد خاں کا رجحان قرآن مجید میں بیان کئے گئے معجزات کی تاویل کا ہے، ان کے نزدیک جنت اور اس کی آسائشوں، دوزخ اور اس کی سزاؤں کا حقیقی وجود نہیں؛ بلکہ حور وقصور اور آگ وجحیم کا ذکر بہ طور تمثیل کے ہے، جنت کی نعمتوں سے مراد انسان میں خوشی وسکون کی کیفیت اور دوزخ کی سزاؤں سے مراد رنج واندوہ کی کیفیت ہے، سرسید کے نزدیک ملائکہ اور شیطان کا کوئی مستقل وجود نہیں؛ بلکہ انسان کے اندر جو قوائے خیر اور قوائے شر ہیں، وہی فرشتہ اور شیطان ہیں، قرآن مجید میں بہ طور معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر کے درمیان خشک راستہ بن جانے اور فرعون کے داخل ہونے کے وقت دوبارہ پانی کے برابر ہوجانے اور ان کے ڈوب جانے کا ذکر ہے، سرسید کی رائے ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سمندر کی اس ٹکڑی کو پار کیا تو جوار بھاٹا کے سبب وہ جگہ خشک ہوگئی تھی اور جب فرعون کا لشکر اُترا تو وہ پانی کے بڑھنے کا وقت تھا، اس لئے ڈوب گیا، سرسید احمد خاں

نے اپنی خاص فکر کے مطابق اسی انداز پر قرآن مجید میں ذکر کئے گئے معجزات، انبیاء اور ان کی اقوام کے قصص واقعات اور قوموں پر عذاب سے متعلق آیات کی تاویلیں کی ہیں۔

اُردو تفسیروں میں سرسید احمد خاں کے یہاں شاید پہلی دفعہ اور پوری قوت کے ساتھ یہ فکر ملتی ہے اور جزوی طور پر بعض دیگر مفسرین نے بھی اس کا اثر قبول کیا ہے؛ مگر اصل میں قرآن مجید اور حدیث کی تشریح کا یہ اُسلوب معتزلہ کا ہے اور سرسید نے متعدد جگہ ان کے حوالے بھی دیئے ہیں، عام طور پر علماء سلف وخلف نے اس تصور کو درست نہیں سمجھا ہے کہ خدا کی قدرت کو عام قانون فطرت کے سامنے عاجز سمجھا جائے اور قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی دور از کار تاویل کر کے اس کو اس طرح کے معنی پہنائے جائیں؛ کیوں کہ خالق کی طاقت کو مخلوق کی طاقت کے پیمانہ پر تولا نہیں جاسکتا۔

11.5 تفسیر ثنائی

بیسوی صدی کے اوائل میں جن شخصیتوں کو برصغیر میں خصوصی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی، ان میں ایک اہم نام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے، وہ 1866ء میں پیدا ہوئے، انھوں نے جہاں اس زمانہ کے اکابر علماء اہل حدیث شاہ نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی سے استفادہ کیا، دارالعلوم دیوبند سے اور دیوبند کی نمائندہ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی سے بھی کسبِ فیض کیا، نیز اپنے زمانہ کے مشہور ومقبول استاذ معقولات مولانا محمد حسن (کانپور) سے بھی مدرسہ فیض عام کانپور میں مستفیض ہوئے، آریہ سماجی، عیسائی اور قادیانی فتنوں کا مقابلہ کرنے میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے، جہاں انھوں نے تحریری طور پر اس سلسلہ میں خدمت کی ہے، وہیں وہ بحیثیت مناظر بھی پورے برصغیر میں معروف تھے، یہاں تک کہ 1903ء میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرہ کے لئے خود قادیان پہنچ گئے؛ لیکن مرزا صاحب میدان میں نہیں آئے، آزادی کے بعد وہ پاکستان کے شہر سرگودھا منتقل ہو گئے اور ۱۲؍فروری کو وہیں وفات ہوئی۔

قرآن مجید مولانا امرتسری کی علمی کاوشوں کا خاص موضوع رہا ہے، امرتسر میں ان کا درسِ قرآن بہت مشہور تھا، انھوں نے قرآن کی قرآن سے تفسیر پر ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' لکھی، قرآن میں فصاحت وبلاغت کے پہلو سے ان کی ایک قابل ذکر تصنیف ''بیان الفرقان علی علم البیان'' ہے، قادیانیوں اور بہائیوں وغیرہ نے قرآن مجید کی بعض آیات سے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، اس کے رد میں آپ کا ایک رسالہ ''تفسیر بالرائ'' بھی ہے اور ''تفسیر ثنائی'' آپ کے قلم سے ایک مکمل اور مفصل تفسیر ہے۔

مصنف نے خود لکھا ہے کہ دو محرکات کے تحت یہ تفسیر لکھی گئی ہے، ایک تو عام مسلمانوں کی تعلیمات قرآنی سے ناواقفیت، دوسرے مخالفین اسلام کی تردید، مصنف نے اپنے منہج پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے خود ہی لکھا ہے کہ اس میں انھوں نے آیات کے باہمی ربط، مخالفین کی تردید اور شانِ نزول کی وضاحت کو خصوصی اہمیت دی ہے، مصنف کا اُسلوب تفسیر یہ ہے کہ آیات کے نیچے کی سطروں میں تو ترجمہ لکھتے ہی جاتے ہیں، ساتھ ساتھ حاشیہ میں بھی صفحہ کے بالائی حصہ پر ترجمہ توضیحی فقروں کے ساتھ نقل کرتے ہیں، یعنی اصل ترجموں کے درمیان اپنے فقرے بڑھا دیتے ہیں کہ آیات کا ربط واضح ہو جائے، محذوفات کا ذکر ہو جائے اور قابل وضاحت باتوں کی توضیح ہو جائے، ترجمہ کی عبارت خط کشیدہ رکھی گئی ہے اور تشریحات بغیر خط کے ہیں، اگر صرف اس ترجمہ مع تشریح کو پڑھ لیا جائے تو قرآن مجید کا منشاء سمجھ میں آجاتا ہے۔

اسی تفسیری حاشیہ پر ایک دوسرا حاشیہ تحریر کیا گیا ہے، جس میں شانِ نزول، اعتقادی اور فقہی مسائل اور مصنف کی رائے کے مطابق غلط

افکار کی تردید کی گئی ہے، اس تفسیر کی چند خصوصیات حسبِ ذیل ہیں :

1- زبان عام فہم اور سلیس ہے۔

2- آریہ سماجی، عیسائی، قادیانی، بہائی، منکرین حدیث وغیرہ کے رد پر خصوصی توجہ دی گئی ہے؛ کیوں کہ اس تفسیر کی تالیف کا وقت، ہندوستان میں مذہبی مناظروں کے شباب کا زمانہ تھا اور خود مصنف اس موقع پر اسلام کے دفاع میں کام کرنے والی اہم شخصیتوں میں شامل تھے۔

3- احکام فقہیہ میں سلفی مکتبہ فکر کی پوری ترجمانی ہے اور اہل تقلید پر نقد بھی کیا گیا ہے؛ لیکن تنقید کے لب ولہجہ میں نسبتاً اعتدال ہے۔

4- مصنف چوں کہ سابقہ مذہبی کتابوں پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں؛ اس لئے انھوں نے ان کتابوں کی عبارتیں بہ کثرت؛ لیکن تیقظ کے ساتھ نقل کی ہیں اور اس کے سقم کی بھی نشاندہی کرتے گئے ہیں۔

5- اس تفسیر میں خاص طور پر سرسید احمد خان مرحوم کے افکار کے رد پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

6- احادیث وآثار بھی نقل کئے گئے ہیں؛ لیکن کم، اور ان میں حوالہ جات کے ذکر کرنے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

غالباً اُردو زبان میں اہل حدیث مکتبہ ٔفکر کی یہ اولین تفسیروں میں ہے اور زبان و بیان کے اعتبار سے عوام وخواص دونوں کے لئے قابل استفادہ ہے۔

11.6 بیان القرآن

اُردو زبان میں تفسیر قرآن مجید کی جو خدمت انجام دی گئی ہے، ان میں بہت ہی نمایاں اور اہم کام مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' ہے، مولانا اشرف علی تھانوی عظیم اسلامی مفکرین اور اپنے عہد کے نابغۂ روزگار علماء میں تھے، وہ ضلع مظفر نگر یوپی کے ایک قصبہ تھانہ بھون میں 1280ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے تعلیم کا زیادہ تر حصہ ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں حاصل کیا اور خاص طور پر مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے علوم ظاہری میں کسبِ فیض کیا، تصوف میں انھوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے استفادہ کیا، پھر کانپور میں کچھ عرصہ علوم اسلامی کی تدریس کی خدمت بھی انجام دی؛ لیکن زندگی کا زیادہ تر حصہ تصنیف وتالیف اور تزکیہ واصلاح میں صرف ہوا، ان کے دامن تربیت سے وابستہ لوگوں میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ جیسے عبقری علماء شامل ہیں، آپ کا شمار ہندوستان کے کثیر التالیف علماء میں ہے اور آپ کی کتابیں اسلامی علوم کے مختلف پہلوؤں پر ہیں، رجب ۱۳۶۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

مولانا تھانوی سے پہلے سرسید احمد خاں کی تفسیر آچکی تھی، جس سے علماء کو عام طور پر اختلاف تھا، پھر آپ کے زمانے میں قرآن مجید کے بعض اور ترجمے منظر عام پر آئے، یہ ترجمے بھی علماء کے نزدیک پوری طرح قابل اعتماد نہیں تھے، جن پر آپ نے تنقیدی رسائل بھی لکھے ہیں، اس پس منظر میں مولانا تھانوی نے تفسیر لکھنی شروع کی، ربیع الاول 1320ھ کے اواخر میں آپ نے اس کام کو شروع کیا اور 1326ھ کے اوائل میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی، پھر آپ نے دو اور رسالے لکھے، ایک عربی میں ''مسائل السلوک من کلام ملک الملوک''، جس میں آیت قرآنی سے سلوک وتصوف کے

مسائل اخذ کئے گئے ہیں، اس کا ترجمہ آپ نے ''رفع الشکوک'' کے نام سے فرمایا، دوسرے: قراءت سبعہ کے سلسلے میں ''وجوہ الثانی'' ان دونوں رسائل کو تفسیر کے ساتھ شامل کر کے نیز بعض ترمیمات اور حذف واضافہ کے ساتھ شوال 1353ھ میں آپ نے پریس کے حوالہ کیا اور اس کا نام ''مکمل بیان القرآن'' رکھا۔

مصنف نے کتاب کے شروع میں ایک مختصر خطبہ بھی لکھا ہے، اس خطبہ میں آپ نے اپنے تفسیری منہج کو واضح کر دیا ہے، اس تفسیر میں مصنف کا جو منہج ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

1- جس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ان میں سے جو قول مصنف کے نزدیک راجح تھا صرف اس کے ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

2- آیات کے انطباق پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، کبھی تو اس کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور کبھی بلا عنوان کے ذکر کیا گیا ہے۔

3- احکام فقہیہ میں فقہ حنفی کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور کہیں کہیں دوسرے مذاہب کو حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے۔

4- علماء کے استفادہ کے لئے حواشی بھی لکھے گئے ہیں جو عربی زبان میں ہیں، جن میں احادیث، اختلاف قراءت، قابل وضاحت اُمور، مفرداتِ قرآن اور بعض جگہ کسی لفظ یا فقرہ کے ترجمہ کے سلسلہ میں ''ملحقات الترجمہ'' کے عنوان سے وضاحت، نحوی وصرفی قواعد، بلاغت اور اسبابِ نزول وغیرہ کے اُصول درج کئے گئے ہیں۔

5- مصنف نے ایسے شبہات کو رد کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی ہے، جو کسی دلیل پر مبنی ہے۔

6- جن آیات کی تفسیر میں حدیث نبوی آئی ہے، وہاں اس کے مقابلہ کسی اور کا قول نہیں لیا گیا ہے۔

7- علم کلام اور فقہ کے مسائل کو صرف اس قدر نقل کیا گیا کہ منشاء قرآن سمجھ میں آجائے۔

8- مصنف نے تفسیر میں سلفِ صالحین کے اتباع کی پوری پوری کوشش کی ہے۔

9- طرز استدلال میں منطق کے قواعد کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ خصوصیات ہیں جن کو مصنف نے خود کتاب کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے، مصنف کی تفسیر کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک مضمون سے متعلق آیات کے مجموعہ پر ایک مرکزی عنوان قائم کیا ہے، جو فارسی زبان میں ہے، پھر ہر آیت کے ترجمہ کے ساتھ درمیان میں توضیحی فقرے لکھے ہیں، جن سے آیت کی مراد اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے اور ترجمہ کو خط کشیدہ رکھا ہے؛ تاکہ ترجمہ اور تشریح کے درمیان التباس پیدا نہ ہو نیز حسب ضرورت اس مختصر تفسیر کے بعد ''ف'' (یعنی فائدہ) کا عنوان لگا کر آیت سے مستنبط ہونے والے اہم مضامین کا ذکر کیا گیا ہے، نیز ہر سورہ کے شروع میں اس کے مکی و مدنی ہونے اور آیات کی تعداد کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی اختلاف ہے تو اس کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

مصنف نے بحیثیت ماخذ ''بیضاوی، جلالین، تفسیر رحمانی، الاتقان، معالم التنزیل، روح المعانی، مدارک، تفسیر خازن، فتح المنان، تفسیر ابن کثیر، لباب النقول، درمنثور، کشاف، القاموس المحیط'' کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے، حسبِ ضرورت حدیث وسیرت کی متداول کتابوں سے بھی استفادہ

کیا ہے اور خود مصنف کے بیان کے مطابق تورات وانجیل کے سلسلہ میں 'تفسیر حقانی' پر انحصار کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر بارہ اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جزء میں ڈھائی پارے کی تفسیر آ گئی ہے اور اس وقت یہ بارہ اجزاء دو ضخیم جلدوں میں بڑی تقطیع پر شائع ہورہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ علمی گہرائی، جامعیت اور مشکلاتِ قرآن کو حل کرنے کے اعتبار سے یہ ایک بے نظیر تفسیر ہے اور بڑی جلیل القدر علمی شخصیتوں نے اس کے کمالات ومحاسن کا اعتراف کیا ہے؛ البتہ علماء اور قرآن کے اساتذہ وطلبہ اس سے زیادہ استفادہ کرسکتے ہیں، عوام زبان وبیان اور مضامین کے لحاظ سے اس سے کم مستفید ہوسکیں گے۔

11.7 ترجمان القرآن

اُردو کے صاحبِ طرز ادیبوں اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے سپہ سالاروں میں ایک اہم شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے، اللہ نے ان کو بڑی ذکاوت کے علاوہ طرز تحریر میں انفرادیت عطاء کی تھی، مولانا میدان خطابت کے تو گویا بادشاہ تھے، انھیں آزادی کی جدوجہد میں شرکت کی وجہ سے اپنی صلاحیت کے اعتبار سے کم لکھنے کا موقع ملا؛ لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا، اسے حسن تعبیر کی وجہ سے عوام وخواص دونوں کے درمیان بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، ان کی تالیفات میں جن کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، ان میں ایک ان کی تفسیر بھی ہے، جس کا نام ''ترجمان القرآن'' ہے۔

یہ تفسیر ان کی زندگی میں ۳ جلدوں میں شائع ہوئی تھی، اس کی پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے سورۂ انعام تک 436 صفحات پر اور دوسری جلد سورۂ اعراف سے سورۂ انبیاء تک ۵۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اب یہ دونوں جلدیں جناب مالک رام کے حواشی کے ساتھ ''ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی'' سے چار جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، جس میں سورۂ نور کا ترجمہ بھی شامل ہے، مولانا آزاد کو قرآن مجید سے خصوصی شغف تھا اور وہ اپنے مضامین میں کثرت سے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ وتشریح نقل کیا کرتے تھے، جناب غلام رسول مہر نے مولانا کی مختلف کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے سورۂ نور سے سورۂ ناس تک متفرق آیات کا ترجمہ وتفسیر ''باقیات ترجمان القرآن'' کے نام سے جمع کردیا ہے، ترجمان القرآن کی پہلی دونوں جلدیں 1931 سے 1951 تک شائع ہوئی ہیں اور یہ باقیات مولانا کی وفات کے کافی عرصہ کے بعد 1971ء میں شائع ہوئی ہے۔

مولانا آزاد نے سورۂ فاتحہ کی نہایت ہی تفصیلی تفسیر لکھی ہے اُردو ہی میں نہیں عربی زبان میں بھی شاید اتنی مفصل سورۂ فاتحہ کی کوئی تفسیر موجود نہیں، اس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کو یکجا کردیا ہے اور گویا پورے قرآن کا نچوڑ انھوں نے اس سورت میں لے لیا ہے، ظاہر ہے کہ اتنی ہی شرح وبسط کے ساتھ پورے قرآن مجید کی تشریح وتوضیح ممکن نہیں تھی، ورنہ یہ تکرار کا باعث ہوتا؛ اس لئے بقیہ حصہ میں مختصر اور ضروری حد تک گفتگو کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، سورۂ فاتحہ کے علاوہ اس کتاب میں ''سورۃ یوسف'' کی تفسیر بھی نسبتاً مفصل ہے اور حضرت یوسف کے واقعہ سے بہت سے اہم مضامین اخذ کئے گئے ہیں، جو مصنف کے ذہن رسا کی دلیل ہے۔

اس تفسیر کا امتیاز اس کی خوبصورت زبان ہے، عام مضامین کو بھی مولانا کا قلم ایسی خوبصورت زبان میں لکھتا ہے کہ بے ساختہ پڑھنے کو دل چاہے، اسی لئے قرآن مجید نے فطرت کے جمالیاتی پہلو پر جہاں بھی روشنی ڈالی ہے، مولانا نے اسے اس طرح پیش کیا ہے کہ خدا کی خلاقیت اور اس کی صناعی کے کمال پر انسان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، مثلاً: نظام کائنات میں موزونیت وتناسب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :

گیہوں کا ایک دانہ اُٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہیں، اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقرر اندازہ ہے، لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں، اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے، وہ چیز جب اُگے گی اسی شکل میں اُگے گی، اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازقطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ایک ایک پتے، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے، ممکن نہیں اس تول میں کوئی خرابی پڑے۔(دیکھئے: تفسیر سورۃ الحجر، آیت نمبر:19)

ترجمان القرآن میں بعض ایسے مضامین بھی آئے ہیں، جن سے جمہور اہل علم کو اتفاق نہیں، جیسے ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' کی تفسیر میں مولانا کی عبارت سے بہ ظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ عمل صالح اور سنت محمدی کی اتباع پر نجات منحصر نہیں اور اس سلسلے میں حسبِ ذیل آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔

''**ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاری والصابئین من آمن با لله والیوم الآخر وعمل صالحا ، فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون**''۔ (البقرۃ:59)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی، نصاریٰ اور صابی ہیں، نیز ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے اور انھوں نے عمل صالح کیا ہے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان کے لئے خوف ہے اور نہ غم۔

جمہور کے نزدیک اس آیت میں عمل صالح سے مراد شریعت محمدی کی اتباع ہے؛ کیوں کہ ہر عہد میں اس عہد کی شریعت ہی عمل صالح کے لئے پیمانہ ہوتی ہے، اس لئے شریعت محمدی پر ایمان وعمل کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی۔

بعض آیات---خصوصاً معجزات---کی تشریح میں انھوں نے معتزلہ کی فکر کو اختیار کیا ہے، جیسے: قرآن میں مسخ کے عذاب کا ذکر آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو بندر بنادیا گیا تھا، (البقرۃ:65) مولانا کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بندر کی طرح ذلیل ورسوا ہوجاؤ، اسی طرح حضرت ابراہیم کے لئے ظاہر ہونے والا ''معجزہ احیاءموتی''، جس کا ذکر ''**فخذ اربعة من الطیر**''۔(البقرۃ:360) میں ہے، یا'' **ورفعنا فوقکم الطور** ''۔ (البقرۃ:63) والی آیت ہے، جس میں بنی اسرائیل پر بطور تنبیہ کوہِ طور کے اُٹھالئے جانے کا ذکر ہے، وغیرہ کی تفسیر دیکھی جاسکتی ہے۔

11.8 اکتسابی نتائج

عربی زبان کے بعد تفسیر قرآن مجید کی خدمت سب سے زیادہ اُردو زبان میں ہوئی ہے، اُردو میں تفسیری خدمت کا آغاز دکن سے ہوا ہے اور ابتدائی کتابیں دکنی اُسلوب میں لکھی گئیں؛ لیکن معیاری اُردو میں لکھی جانے والی پہلی تفسیر شاہ مراد اللہ سنبھلی کی ''تفسیر مرادیہ'' ہے، جس کا سنہ تالیف 1150ھ ہے اور یہ سورہ فاتحہ اور پارہ 30 پر مشتمل ہے، پورے قرآن مجید کی پہلی مختصر اُردو تفسیر شاہ عبدالقادر دہلوی کی ''موضح قرآن'' ہے، یوں تو اُردو میں بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں؛ لیکن اس اکائی میں مختلف مکاتب فکر کی اہم اور منتخب تفسیروں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

اُردو کی موجودہ تفسیروں میں ایک قدیم تفسیر سرسید احمد خاں کی ''تفسیر القرآن'' ہے، وہ بنیادی طور پر معتزلہ کی فکر سے متاثر تھے، انھوں نے اسی اُسلوب پر تفسیر کی ہے، نیز معجزات اور مابعد الطبعی اُمور کی ایسی تاویل کی ہے کہ ان کو خلاف عادت نہ ماننا پڑے، اُردو کی قدیم تفسیروں میں سلفی مکتبِ فکر کی اہم تفسیر ''تفسیر ثنائی'' ہے، جو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تالیف ہے، اس تفسیر میں آریہ سماجی، عیسائی، بہائی، قادیانی اور انکار حدیث کے فتنوں کے رد پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور سرسید احمد خاں کی تفسیر پر نقد کی طرف بھی مصنف کی توجہ ہے۔

اُردو کی ایک اہم تفسیر ''بیان القرآن'' ہے، یہ تفسیر اپنی جامعیت، قرآن کے مشکل مقامات کے حل اور سلف صالحین کی اتباع کے اعتبار سے نہایت اہم تفسیر ہے، اس میں ربط آیات پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے، نیز علماء اور تفسیر کے اساتذہ وطلبہ کے لئے یہ نہایت مفید ہے،--- اُردو کی تفسیروں میں ایک قابل ذکر تالیف مولانا ابوالکلام آزاد کی ''ترجمان القرآن'' ہے، جو اصل میں سورہ انبیاء تک ہے، یہ تفسیر سورہ فاتحہ کی مفصل تفسیر و توضیح، حسن بیان اور نظام فطرت کے جمالیاتی پہلو کی وضاحت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ان کتابوں کے علاوہ بھی اُردو زبان میں متعدد اہم تفسیریں موجود ہیں۔

11.9 نمونۂ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات

1۔ اُردو زبان میں تفسیر کے آغاز پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان القرآن کی خصوصیات تحریر کیجیے۔

2۔ سرسید احمد خان کی تفسیر کا منہج اور امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کیجیے۔

3۔ ترجمان القرآن کا تعارف اس طرح پیش کیجیے کہ اس کے امتیازات واضح ہوجائیں۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ سرسید احمد خاں کی تفسیر پر تعارفی نوٹ لکھیں اور بتائیں کہ اکثر علماء کو ان کی تفسیر سے کیوں اختلاف تھا؟

2۔ تفسیر ثنائی کا تعارف کراتے ہوئے اس کی امتیازی خصوصیات اور منہج پر روشنی ڈالیے۔

3۔ بیان القرآن کے مؤلف کے نام، زمانہ تالیف اور ان کی خصوصیات کو شامل کرتے ہوئے تعارفی نوٹ لکھیے۔

11.10 فرہنگ

ارتباط : تعلق۔

تزکیہ : نفس کو برائیوں سے پاک کرنا۔

تیقظ : بیداری، بیدار مغزی۔

جامعیت	:	تمام مضامین یا صلاحیتوں یا خوبیوں کو شامل ہونا۔
جمالیات	:	خوبصورتی کو نمایاں کرنے والی چیزیں۔
حسن تعبیر	:	خوبصورت اندازِ بیان۔
راسخون فی العلم	:	علم میں مضبوطی و پختگی رکھنے والے لوگ
دل آویز	:	دل کو موہ لینے والا۔
سقم	:	کمزوری، بیماری
قراءت سبعہ	:	قرآن مجید کی سات مشہور قراءتیں۔
مغالطہ	:	غلط فہمی میں ڈالنا۔
مناظرہ	:	دو فکر کے ماننے والوں کا ایک دوسرے کے ساتھ دلائل کے ذریعہ بحث کرنا۔
نابغۂ روزگار	:	اپنے زمانہ کی ممتاز شخصیت۔
وسائل	:	ذریعے (وسیلہ کی جمع)۔

11.11 تجویز کردہ کتابیں

1۔ قرآن مجید کی تفسیریں، چودہ سو برس میں : خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

2۔ مطالعۂ تفاسیر قرآن : ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

3۔ چند اہم کتبِ تفسیر اور قرآن مجید کے ترجمے : مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

4۔ محاضراتِ قرآنی : ڈاکٹر محمود احمد غازی

5۔ اُردو تفاسیر، بیسویں صدی میں : ڈاکٹر سید شاہد علی

6۔ اُردو تفاسیر : جمیل نقوی

۔:oOo:۔

اکائی 12 : مشہوراردوتفسیریں (حصہ دوم)

اکائی کی ساخت

12.1 تمہید

12.2 مقصد

12.3 تفہیم القرآن : (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

12.4 تفسیر ماجدی : (مولانا عبدالماجد دریابادی)

12.5 تدبر قرآن : (مولانا امین احسن اصلاحی)

12.6 ضیاء القرآن : (مولانا پیر کرم شاہ ازہری)

12.7 تفسیر مولانا علی نقی: (مولانا سید علی نقی)

12.8 چند اہم تفسیریں

12.9 اکتسابی نتائج

12.10 نمونۂ امتحانی سوالات

12.11 فرہنگ

12.12 تجویز کردہ کتابیں

12.1 تمہید

اُردو زبان کی عمر گو زیادہ نہیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب اس کا شمار بین الاقوامی زبانوں میں ہے، پڑوسی ملک پاکستان کی تو یہ سرکاری زبان ہے ہی، ہندوستان میں بھی ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان اُردو ہے، نیز کئی ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے، برصغیر کی تقریباً تمام ریاستوں میں یہ زبان سمجھی جاتی ہے، خلیج سے، امریکہ سے، برطانیہ سے اور بعض دوسرے علاقوں سے بھی اُردو روزنامے شائع ہوتے ہیں اور بول چال کی حد تک دنیا کی سب سے زیادہ بولی جانے والی چھ زبانوں میں اس کا بھی شمار ہے، نیز اس زبان میں بڑی تعداد میں متنوع

موضوعات پر لٹریچر کی اشاعت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ زبان صرف شعر وسخن کی زبان نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ہر طرح کے افکار اور علوم وفنون کی ترجمانی کی صلاحیت ہے۔

یوں تو زبان کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہوتا، زبان کی حیثیت محض ذریعہ اظہار کی ہے، اُردو زبان کو بھی صرف اسلام اور مسلمانوں سے جوڑنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ اُردو کے نامور شعراء، ادباء اور نقادوں نیز لغت وقواعد کی تدوین کرنے والوں میں ہندو، سکھ اور عیسائی بھی شامل ہیں، نیز اس زبان میں ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کا مذہبی لٹریچر بھی خاصی مقدار میں موجود ہے؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کی آمیزش کی وجہ سے مسلمانوں کا اس سے خصوصی تعلق رہا ہے اور آزادی کے بعد سے یہ پورے ملک میں عمومی طور پر اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً رابطہ کی زبان کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے اُردو زبان میں شروع ہی سے اسلامی علوم بشمول تفسیر پر عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ کام ہوا ہے۔

12.2 مقصد

پچھلی اکائی میں ہم نے تفسیر القرآن، تفسیر ثنائی، بیان القرآن اور ترجمان القرآن کا جائزہ لیا۔ اس اکائی کا مقصد اُردو کی چند اور کتبِ تفسیر کا تعارف پیش کرنا ہے۔

12.3 تفہیم القرآن

چودہویں صدی ہجری میں جن علماء کو عالمی سطح پر اسلامی مفکر کی حیثیت سے قبول عام حاصل ہوا، ان میں ایک اہم نام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بھی ہے، جن کا عالم اسلام کے سب سے باوقار ''شاہ فیصل ایوارڈ'' کے لئے پہلی بار انتخاب عمل میں آیا تھا، یہ تفسیر ان ہی کے قلم سے ہے، جو خود مصنف کی وضاحت کے مطابق ان کی تیس سال چار ماہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، انھوں نے محرم 1361ھ مطابق فروری 1942ء میں اس تالیف کا آغاز کیا اور 24/ربیع الثانی 1392ھ مطابق 7/جون 1972ء کو یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی، ہندو پاک سے اس تفسیر کے تقریباً سو اڈیشن نکل چکے ہیں اور یہ اُردو زبان کی مقبول تفسیروں میں سے ایک ہے، کتاب کے شروع میں مصنف کا ایک مختصر دیباچہ اور اس کے بعد ایک مختصر مقدمہ شامل اشاعت ہے، اس دیباچہ میں مؤلف نے اپنے اُسلوب اور منہج کی وضاحت کی ہے، اس دیباچہ میں مصنف نے خود واضح کیا ہے کہ انھوں نے لفظی ترجمہ کے بجائے ترجمانی وتفہیم پر توجہ دی ہے، مصنف نے اس میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ قارئین کو قرآن سے ہٹنے نہ دیا جائے، اس مقصد سے انھوں نے حواشی کم لکھے ہیں اور دو ہی مواقع پر اس کا اہتمام کیا ہے، یا تو وہاں جہاں انھیں اندازہ ہوا کہ عام قارئین شبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں، یا وہاں جہاں انھوں نے محسوس کیا کہ قاری قرآن مجید کی روح تک نہیں پہنچ سکے گا، مصنف کا خیال ہے کہ قرآن مجید عام کتابوں کے انداز پر نہیں ہے؛ بلکہ کچھ مرکزی موضوعات اس پوری کتاب کو باہم مربوط رکھتے ہیں، اس لئے اس میں انسانی تصنیفات کی مروجہ ترتیب اور ارتباط کو تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔

جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے، انھوں نے قرآن مجید کا 'آزاد ترجمہ' کیا ہے؛ اس لئے ترجمہ نہایت عام فہم اور رواں ہے اور واقعی ایسا ترجمہ ہے کہ صرف ترجمہ پڑھ کر بھی قاری قرآن مجید کے منشاء سے واقف ہو سکتا ہے، کہیں کہیں بین القوسین توضیحی الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، ابتدائی دو جلدوں میں مختصر حواشی ہیں اور سلف صالحین کے تفسیری اقوال نیز احادیث وآثار کا تذکرہ نسبتاً کم ہے، بعد کی جلدوں میں زیادہ تفصیل

ووضاحت ہے، جو قارئین کے لئے باعث طمانیت ہوتا ہے، مصنف کو خود بھی اس کا احساس تھا، جس کی طرف انھوں نے کتاب کے اختتام پر 'خاتمہ' کے زیر عنوان اشارہ کیا ہے، مصنف نے خاص طور پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات، قرآن مجید کے سائنسی حقائق اور حسبِ ضرورت قرآن مجید اور بائبل کے تقابلی مطالعہ پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے، اس سلسلہ میں ''سورہ صف'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی والی بحث قابل مطالعہ ہے، اسی طرح قیامت واقع ہونے کی کیفیت کے سلسلہ میں سورۂ تکویر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جس میں اس کیفیت کو سائنسی حقائق کی روشنی میں سمجھایا گیا ہے، مؤلف نے قرآن مجید میں مذکور مقامات کا باضابطہ سفر کیا ہے اور پھر ان مقامات کی نسبت سے قرآن میں جو قصص وواقعات مذکور ہیں، ان کا مکمل نقشہ بنا دیا ہے، جس سے فہم قرآن میں بڑی مدد ملتی ہے۔

معجزات وغیرہ کے سلسلہ میں مصنف کا نقطۂ نظر وہی ہے، جو جمہور کا ہے، وہ خرق عادت کے قائل ہیں؛ لیکن قوم بنی اسرائیل سے متعلق ایک خاص واقعہ کہ ''جب انھوں نے تورات کو ماننے سے انکار کیا تو کوہِ طور ان پر اٹھا لیا گیا'' **ورفعنا فوقکم الطور** ''۔ (البقرۃ:63) کے بارے میں مصنف نے تاویل سے کام لیا ہے، بہرحال یہ عصر حاضر کی مقبول تفسیروں میں سے ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

12.4 تفسیر ماجدی

بیسویں صدی کی شخصیات میں علمی وادبی اعتبار سے ایک جامع شخصیت مولانا عبد الماجد دریابادی کی تھی، وہ 1892ء میں پیدا ہوئے 1977ء میں وفات پائی، وہ عصری علوم پر بھی نظر رکھتے تھے اور اسلامی علوم میں بھی ان کو دسترس حاصل تھی، وہ عالم بھی تھے اور مسلّم صاحب طرز ادیب بھی، انھوں نے پہلے انگریزی زبان میں تفسیر لکھی، پھر اُردو میں، اس کا نام ''تفسیر ماجدی'' ہے، یہ تفسیر 18/رجب 1363ھ م 20/جولائی 1944ء کو مکمل ہوئی، 10/جمادی الاولیٰ 1367ھ م 22/مارچ 1948ء کو مصنف نے نظر ثانی مکمل کی، نظر ثالث سے 4/ذوالحجہ 1369ھ، م 16/ستمبر 1950ء کو فراغت ہوئی، یہ مکمل تفسیر پہلی بار 14/اگست 1952ء کو بڑی تقطیع میں 1250 صفحات پر تاج کمپنی کراچی سے شائع ہوئی، اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن اب ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ'' سے چار ضخیم جلدوں میں جلی کتابت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

اُردو زبان کی چند سب سے اہم تفسیروں کو شمار کیا جائے تو اس میں یہ تفسیر بھی شامل ہوگی، اس کتاب کی خصوصیت اختصار کے ساتھ جامعیت اور علمی گہرائی کے ساتھ حسن بیان ہے، مؤلف نے ربط آیات، اسبابِ نزول، احادیث وآثار، لغوی تحقیق، حسبِ ضرورت نحو وصرف اور بلاغت کے پہلو، فقہی احکام کا تقریباً احاطہ کیا ہے، دو پہلو خاص طور پر اہم ہیں، ایک مستشرقین کے شبہات کے جوابات، دوسرے بائبل سے قرآنی مضامین کا تقابلی مطالعہ اور جہاں دونوں کے بیان میں فرق ہے، وہاں قرآن مجید کے بیان کی معقولیت، حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کے سلسلہ میں قرآن کے ارشاد: ''...... **ولکن شبہ لھم** ...... ''(النساء:157) کو مصنف نے خود بائبل کی عبارت سے ثابت کیا ہے۔

اس تفسیر کا ایک انفرادی پہلو یہ ہے کہ مصنف نے صرف بائبل کے مروجہ نسخوں کو ہی سامنے نہیں رکھا ہے؛ بلکہ اس کے مختلف قدیم وجدید نسخوں کو سامنے رکھ کر عیسائیت اور یہودیت سے متعلق اہم کتابوں نیز انسائیکلو پیڈیاؤں کا مطالعہ کر کے بعض آیاتِ قرآنی کے پس منظر کو واضح کیا ہے، جس کی حیثیت فہم قرآن کے لئے کلید کی ہے، جیسے قرآن میں کہا گیا ہے: ''**وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا** ''(البقرۃ: 102)''حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا؛ بلکہ شیاطین نے کفر کیا'' --- بہ ظاہر ایک پیغمبر کے بارے میں کہنا کہ انھوں نے کفر نہیں کیا، تحصیل حاصل

معلوم ہوتا ہے، مولانا نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا پس منظر بائبل سے نکالا ہے کہ بائبل میں کہا گیا :

جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروں نے اس کے دل کو غیر معبوں کی طرف مائل کیا اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا۔(سلاطین: 11/4,6،10)

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو اور جوان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا اور اللہ کو کوئی تکان نہیں ہوئی ''**وما مسنا من لغوب** ''(ق:38) بہ ظاہر یہ بات کہ ''اللہ تعالیٰ نہیں تھکے'' قابل وضاحت نہیں معلوم ہوتی؛ کیوں کہ خدا تو قادر مطلق ہے اور وہ ہر طرح کی تکان سے ماوراء ہے، مولانا دریابادی نے اس کا پس منظر نقل کیا کہ بائبل میں ہے :

خدا نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔(پیدائش 2:2)

گویا اس آیت کا مقصد بائبل کے اس بیان کی تردید کرنا ہے کہ خدا کو آرام کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس طرح کے بہت سے مضامین اس تفسیر میں آئے ہیں، اسی لئے مولانا سید ابوالحسن ندوی نے اس تفسیر کو اپنی بعض خصوصیات میں منفرد قرار دیا ہے۔

یہ ساری باتیں مصنف کے یہاں نہ صرف اختصار اور اہم تفسیروں کے حوالہ کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں؛ بلکہ ان مراجع کے مختصر فقرے بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اس سے اساتذہ اور طلبہ کے لئے اس کی افادیت دوچند ہوگئی ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اطمینان کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔

مصنف نے یوں تو پورے دستیاب تفسیری ذخیرہ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن خود ان کے حسب تحریر جو کتابیں زیادہ تر پیش نظر رہی ہیں، وہ یہ ہیں :

☆تنویر المقیاس (تفسیر ابن عباس)	☆تفسیر طبری
☆کشاف	☆تفسیر کبیر
☆تفسیر قرطبی	☆معالم التنزیل (حسین بن مسعود شافعی، متوفی:516ھ)
☆تفسیر ابن کثیر	☆مدارک التنزیل
☆انوار التنزیل (ناصر الدین بیضاوی، متوفی:791ء)	☆البحر المحیط (ابن حیان اندلسی، متوفی:654ھ)
☆تفسیر ابی السعود (ابوالسعود عمادی)	☆روح المعانی (علامہ آلوسی)

ان کے علاوہ تفسیر کے سلسلہ میں خصوصی رہنمائی مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی حاصل کی ہے اور ان کے فوائد کا ''مرشد تھانوی'' کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں۔

12.5 تدبر قرآن

قرآن مجید کی اُردو تفسیروں میں علم وتحقیق اور زبان وحسن تعبیر کے اعتبار سے نہایت ممتاز تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی (متوفی:1997ء)

کی ''تدبر قرآن'' ہے، یہ تفسیر 9 ضخیم جلدوں میں اور چھ ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے، خود مصنف کے حسبِ تحریر یہ ان کی چالیس سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے، 29/رمضان المبارک 1400ھ، مطابق 12/اگست 1980ء کو یہ کتاب مکمل ہوئی ہے۔

مولانا فہم قرآن کے ایک خاص مکتبۂ فکر کے بانی مولانا حمید الدین فراہی کے شاگرد رشید اور ان کی فکر کے لائق ترجمان ہیں، مولانا فراہی کے یہاں فہم قرآن میں داخلی وسائل کو بڑی اہمیت حاصل ہے، داخلی وسائل سے مراد عربی زبان کی شہادت اور خود قرآن کی ایک آیت سے دوسری آیت کی توضیح ہے، اسی لئے زمانۂ جاہلیت کی شاعری اور نزولِ قرآن کے زمانہ میں مروج عربی اُسلوب کو اس تفسیر میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

فکر فراہی کی دوسری خصوصیت قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کے درمیان باہمی ارتباط ہے، جس کو مولانا اصلاحی نے ''نظم'' سے تعبیر کیا ہے، ان کے نزدیک پورا قرآن مجید معنوی اعتبار سے باہم مربوط اور ایک خوبصورت نظام پر مبنی ہے، انھوں نے پورے قرآن مجید کو سات گروپ پر تقسیم کیا ہے، ہر گروپ کو ایک خاص مرکزی عنوان مربوط کرتا ہے، جس کو مولانا ''عمود'' سے تعبیر کرتے ہیں، پھر ہر سورت کا بھی ایک مرکزی مضمون ہے، یہ گویا سورتوں کا عمود ہے، اس تفسیر میں جزیرۃ العرب کی تاریخ اور تیقظ کے ساتھ سابقہ آسمانی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، قرآن سے مستنبط اہم احکام پر مرکزی عنوان اور دوسرے احکام پر ذیلی عنوانات لگائے گئے ہیں، آیات کا ترجمہ بھی رواں وسلیس اور عام فہم ہے، شادی شدہ لوگوں کے لئے زنا کی سزا سنگسار کردینا ہے، اس سے مصنف کو اختلاف ہے، ان کے نزدیک سنگسار کرنے کا واقعہ ایک استثنائی واقعہ ہے، جو خصوصی حالات پر مبنی ہے؛ اس لئے تمام زانیوں کی سزا شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، سو کوڑے ہی ہے، مصنف کے اس نقطۂ نظر پر جمہور اہل علم کی طرف سے کافی تنقید کی گئی ہے۔

مصنف نے کتاب کے شروع میں ۴۳ صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھا ہے، جس میں فہم قرآن کے داخلی وخارجی وسائل پر بحث کرنے کے علاوہ انھوں نے اپنے تفسیری منہج کو بھی واضح کیا ہے۔

12.6 ضیاء القرآن

پاکستان کے صوبۂ سندھ کے شہر بھیرہ میں تصوف کا ایک قدیم سلسلہ چلا آرہا ہے، جس کا مرکز آستانۂ عالیہ ہے، اس سلسلہ کے موجودہ سجادہ نشیں مولانا پیر ابوالحسنات محمد کرم شاہ ازہری ہیں، جو جامع ازہر مصر کے فضلاء میں اور برصغیر کے ممتاز علماء اور اصحابِ طریقت میں ہیں، ''ضیاء القرآن'' ان ہی کی تالیف ہے، یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، مصنف نے یکم رمضان المبارک 1379ھ مطابق 29/فروری 1960ء کو اس کی تالیف کا آغاز کیا اور یکم جنوری 1965ء کو اس کی تکمیل ہوئی، اس تفسیر میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

1- زبان نہایت سلیس، دل آویز اور عام فہم ہے:

2- حسبِ ضرورت قرآن مجید کے مضامین کی توضیح کے لئے نقشے بھی شامل کئے گئے ہیں۔

3- ہر جلد میں مضامین قرآن کی تلاش کے لئے واضح فہرست سازی کی گئی ہے، جس میں مرکزی مضامین اسلامی کتب کی متداول ترتیب کے مطابق ہیں، جیسے اعتقادی مسائل، پھر مختلف ابواب کے فقہی مسائل وغیرہ، نیز ہر عنوان کے تحت حروف تہجی کی ترتیب سے ذیلی فہرست بنائی

گئی ہے، جس نے استفادہ کو آسان کردیا ہے۔

4- مصنف نے کتاب کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ بھی لکھا ہے، جو جمع قرآن وغیرہ سے متعلق ہے، اس میں ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اہل سنت والجماعت کے آپسی اختلافات کے بارے میں اعتدال کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور اس طرح اپنے مسلک کی ترجمانی کی ہے، چنانچہ کتاب کا اُسلوب بڑی حد تک ان کے اس دعویٰ کے مطابق ہے، انھوں نے اعتقادی مسائل میں بنیادی طور پر اُس نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے، جس کے لئے برصغیر میں بریلوی مکتبۂ فکر معروف ہے، اس کے ساتھ ساتھ لب ولہجہ معتدل اور باوقار ہے۔

5- ہر سورت سے پہلے مصنف نے سورت کا تعارف بھی لکھا ہے۔

6- مصنف نے نحوی، صرفی اور لغوی حل کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔

7- یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ موجودہ دور میں جو فکری مسائل پیدا ہوئے ہیں اور مستشرقین کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں، ان پر مصنف نے مثبت انداز میں مؤثر گفتگو کی ہے۔

8- جن کتابوں کی عبارت نقل کرتے ہیں، ان کی عبارت ذکر کرتے ہوئے اُردو ترجمہ بھی کردیتے ہیں، نیز قرطبی، روح المعانی، تفسیر مظہری اور روح البیان سے نسبتاً زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔

9- اسرائیلی روایات نقل کر کے اس پر رد کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں معتبر مفسرین کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔

10- مصنف کو کلام وتصوف سے دلچسپی ہے، اس لئے کلامی مباحث اور صوفیانہ نکات کو ذکر کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

واقعہ ہے کہ یہ اس دور میں لکھی جانے والی چند اہم تفسیروں میں سے ایک ہے۔

12.7 تفسیر مولانا سید علی نقی

اُردو زبان کے تفسیری لٹریچر میں شیعہ حضرات کا بھی مناسب حصہ ہے، مولانا عمار علی کی 'عمدۃ البیان' مولانا راحت حسین کی 'انوار القرآن'، مولانا صفدر حسین نجفی کا اُردو ترجمہ 'تفسیر نمونہ' (24/جلدیں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تاہم اس طبقہ میں جس تفسیر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، وہ مولانا علی نقی کا ترجمہ وتفسیر ہے، مولانا سید علی نقی کا سلسلۂ نسب مولانا سید دلدار علی سے ملتا ہے، جن کو برصغیر میں شیعہ علماء کے درمیان امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے اور جنھوں نے ہندوستان میں اہل تشیع میں سلسلۂ اجتہاد کی بنیاد رکھی ہے۔

مولانا سید علی نقی کا ترجمہ وتفسیر 7/جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں سے پہلی جلد مقدمہ کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے، ان کی اس تفسیر کی خصوصیات پر ڈاکٹر سید فرمان حسین (شعبۂ دینیات شیعہ: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے :

- وہ تفسیر میں اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ صرف سلف کے اقوال وارشادات پر انحصار کیا جائے؛ بلکہ ہر عہد کے مفسرین کو براہِ راست بھی قرآن سے استنباط کرنا چاہئے۔

- وہ بنیادی طور پر اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ مذہبی آیات وروایات کو جدید تحقیق پر منطبق کیا جائے؛ کیوں کہ یہ تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔
- قرآن مجید پر قدیم زمانہ میں ملحدین کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے تھے اور آج جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جواب پر مصنف کی خصوصی توجہ ہے۔
- مفرداتِ الفاظ کو لغت اور محاورہ واستعمال کے مطابق حل کرتے ہیں۔
- جہاں تحت اللفظ ترجمہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں تحت اللفظ ترجمہ کرتے ہیں اور جو الفاظ عربی میں بطور محاورہ استعمال ہوتے تھے، ان کا بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں۔
- اسرائیلی روایات سے حتی المقدور گریز کرتے ہیں۔
- جن الفاظ کے ظاہری معنی موجود ہیں، ان میں بھی مصنف کی رائے میں رمز واشارہ کے طور پر کچھ معنی پائے جاسکتے ہیں، جن سے اہل الذکر اور راسخون فی العلم واقف ہوتے ہیں اور اہل الذکر اور راسخون فی العلم ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۂ معصومین ہیں، اس لئے ائمۂ معصومین کے اقوال کو دوسرے شیعہ اہل علم کی طرح یہ بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انھیں اقوال سے شیعی عقائد کو ثابت کرتے ہیں۔
- حسب ضرورت شانِ نزول پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور قرآنی صورتوں کے ناموں کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

اس تفسیر میں انھوں نے شیعہ علماء کے علاوہ اہل سنت کی تفسیروں جیسے بیضاوی، جلالین، معالم التنزیل اور شاہ ولی اللہ صاحب کی فتح الرحمٰن سے بھی استفادہ کیا ہے، جن عربی تفسیروں سے استفادہ کرتے ہیں، ان کی عربی عبارتیں بھی لکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

شیعی عقائد کو ثابت کرنے میں ہر طرح کی روایتوں کو بھی قبول کرتے ہیں اور تاویلوں سے بھی تکلف نہیں کرتے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''**وأتوا البيوت من أبوابها** ''(البقرۃ:189) یعنی گھروں میں اس کے دروازے سے داخل ہو، میں ان کے نزدیک اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علم کا شہر ہیں اور حضرت علی اس کا دروازہ اور ائمۂ معصومین بھی ابواب ہیں، تو علم حاصل کرنے کے لئے اسی دروازہ سے آنا چاہئے۔ اسی طرح ''**ونزعنا ما في صدورهم** ''(الحجر:47) یعنی جب لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے تو ان کے سینہ سے باہمی کدورتیں دور کی جائیں گی، حضرت علی سے مروی ہے کہ ان کے اور بعض صحابہ کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا، وہ اس میں شامل ہے، مصنف کے نزدیک جو کدورتیں جنگ وجدال تک پہنچ گئی ہیں، وہ اس میں شامل نہیں۔ غرض کہ اس ترجمہ وتفسیر میں شیعی نقطۂ نظر کی پوری ترجمانی موجود ہے؛ اور لب ولہجہ بھی مناسب ہے۔

12.8 چند اہم تفسیریں

یہ تو اُردو کی چند اہم تفسیروں کا تعارف ہے؛ لیکن اُردو وہ خوش قسمت زبان ہے، جو عربی کے بعد تمام ہی اسلامی علوم اور خاص کر تفسیر قرآن مجید کی خدمت سے دوسری زبانوں سے بڑھ کر مالا مال ہے، اُردو میں پورے قرآن مجید کی تفسیر یا عربی تفسیر کے ترجمہ پر مشتمل 1992ء تک کی

کتابیات میں 310 تفسیروں کا ذکر بعض اہل علم نے کیا ہے،--- گواس میں بعض ایسی کتابوں کا ذکر بھی آ گیا ہے، جو قرآن مجید سے متعلق تو ہے، مگر تفسیر نہیں ہے،--- مختلف سورتوں اور پاروں کی جزوی تفسیریں اس کے علاوہ ہیں۔

اُردو کی سب سے قدیم مفصل، مستند اور عالمانہ تفسیر مولانا سید امیر علی ملیح آبادی کی تفسیر ''مواہب الرحمٰن'' ہے، جس کو مطبع نول کشور لکھنؤ نے شائع کیا تھا، یہ تفسیر 10/ جلدوں میں ہے، اور علم و تحقیق کے اعتبار سے اگر اسے اُردو کی تمام تفسیروں پر فائق کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، عرصہ سے اس تفسیر کی اشاعت نہیں ہوئی ہے اور قدیم زبان ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے استفادہ دشوار ہے، اس تفسیر میں کلام، فقہ، تصوف وغیرہ کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

موجودہ دور میں اُردو کی جن تفسیروں کو خصوصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے، ان میں مولانا عبدالحق حقانی دہلوی کی ''فتح المنان'' (معروف بہ ''تفسیر حقانی'')، مفتی نعیم الدین مرادآبادی کی ''تفسیر نعیمی''، مولانا شبیر احمد عثمانی کی ''فوائد عثمانی''، مفتی محمد شفیع دیوبندی کی ''معارف القرآن''، مولانا وحیدالدین خاں کی ''تذکیر القرآن''، حافظ محمد صلاح الدین یوسف کی ''احسن البیان'' اور حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی (بحر العلوم) صاحبؒ شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن (متوفی: 1962ء) کی تفسیر صدیقی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

12.9 اکتسابی نتائج

اُردو کی اہم اور مقبول تفسیروں میں ایک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''تفہیم القرآن'' ہے، زبان و بیان کی وضاحت، مستشرقین کی طرف سے اٹھنے والے شبہات کے جوابات اور قرآن میں مذکور طبعی حقائق کی سائنسی توضیح کے لحاظ سے یہ ایک نمایاں تالیف ہے اور اسی لئے نئی نسل میں اس کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے،--- اُردو کے صاحبِ طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ''تفسیر ماجدی'' کے نام سے طبع ہوئی ہے، یہ تفسیر مستشرقین کے شبہات کے رد، قرآن مجید اور سابقہ مذہبی کتابوں کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے اور اس میں نہایت اختصار کے ساتھ سلف کے تفسیری اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ قرآن مجید کے اساتذہ وطلبہ کے لئے کم وقت میں زیادہ معلومات فراہم کرنے والی کتاب ہے۔

ماضی قریب میں تفسیر کی جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، ان میں ایک اہم کتاب مولانا امین احسن اصلاحی کی ''تدبر قرآن'' ہے، اس تفسیر میں مصنف نے اپنے استاذ مولانا حمید الدین فراہی کی فکر کو پیش کیا ہے اور تفسیر قرآن میں لسانی شواہد، نزولِ قرآن کے زمانہ کے تاریخی واقعات سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے، نیز سورتوں اور آیتوں کے باہمی ارتباط کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے--- عصر حاضر کی ممتاز کتبِ تفسیر میں مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری کی ''ضیاء القرآن'' بھی ہے، اس کی زبان رواں اور عام فہم ہے، قرآن مجید میں توضیحی نقشے بھی شامل ہیں، مضامین کی فہرست سازی بھی ہے اور موجودہ دور کے فکری مسائل پر خصوصی توجہ کی گئی ہے۔

شیعہ مکتبِ فکر کی تفسیروں میں ایک مولانا فرمان علی کی تفسیر و ترجمہ ہے، ترجمہ و تفسیر کی زبان رواں اور عام فہم ہے، ضعیف اور موضوع روایات بھی آ گئی ہیں، اہل تشیع کے مشہور عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے،--- ان کتابوں کے علاوہ بھی اُردو زبان میں متعدد اہم تفسیریں موجود ہیں۔

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ تدبر قرآن میں کس صاحب علم کی فکر کو اہمیت دی گئی ہے، اس کا عہد تالیف کیا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

2۔ تفسیر ضیاء القرآن کا تعارف کرائیں اور اس کی خصوصیات بتائیں۔

3۔ اردو زبان میں تفسیری خدمات پر ایک نوٹ تحریر کریں۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ تفسیر تفہیم القرآن کا تعارف اس طرح کرائیے کہ اس کی خصوصیات واضح ہو جائیں۔

2۔ تفسیر ماجدی پر ایک تعارفی نوٹ لکھیے۔

3۔ ہندوستان میں شیعہ مکتبِ فکر کی ''تفسیر مولانا علی نقی'' کا تعارف کرائیں۔

12.11 فرہنگ

ارتباط : تعلق۔

تزکیہ : نفس کو برائیوں سے پاک کرنا۔

تیقظ : بیداری، بیدار مغزی۔

جامعیت : تمام مضامین یا صلاحیتوں یا خوبیوں کو شامل ہونا۔

جمالیات : خوبصورتی کو نمایاں کرنے والی چیزیں۔

حسن تعبیر : خوبصورت اندازِ بیان۔

راسخون فی العلم : علم میں مضبوطی و پختگی رکھنے والے لوگ

دل آویز : دل کو موہ لینے والا۔

سقم : کمزوری، بیماری

قراءت سبعہ : قرآن مجید کی سات مشہور قراءتیں۔

مغالطہ : غلط فہمی میں ڈالنا۔

مناظرہ : دوفکر کے ماننے والوں کا ایک دوسرے کے ساتھ دلائل کے ذریعہ بحث کرنا۔

نابغۂ روزگار : اپنے زمانہ کی ممتاز شخصیت۔

وسائل : ذریعے (وسیلہ کی جمع)۔

12.12 تجویز کردہ کتابیں

1۔ قرآن مجید کی تفسیریں، چودہ سو برس میں : خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

2۔ مطالعۂ تفاسیرِ قرآن : ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

3۔ چند اہم کتبِ تفسیر اور قرآن مجید کے ترجمے : مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

4۔ محاضراتِ قرآنی : ڈاکٹر محمود احمد غازی

5۔ اُردو تفاسیر، بیسویں صدی میں : ڈاکٹر سید شاہد علی

6۔ اُردو تفاسیر : جمیل نقوی

۔:oOo:۔

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 5 : حدیث (حصہ اول)

اکائی 13 : حدیث کا تعارف

اکائی کی ساخت

13.1 تمہید

13.2 مقصد

13.3 حدیث کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

13.4 حدیث کی اہمیت

13.5 حدیث کی ضرورت

13.6 حدیث کی حجیت

13.7 حدیث کی حفاظت اور اشاعت

13.8 اکتسابی نتائج

13.9 نمونہ امتحانی سوالات

13.10 تجویز کردہ کتابیں

13.1 تمہید

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت ہی بڑا اور سب سے عظیم احسان ہے کہ اس نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایک لازوال کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اس کتاب کے بیان اور تشریح کے لیے امام الانبیاء اور خاتم المرسلین حضور نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا، جن کے ذریعہ قرآن مجید ہمیں ملا۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ تو لیا ہی، اس نے ایسے انتظامات بھی کر دیئے اور رسول ﷺ کو ایسے ساتھی اور رفیق عطا کیے جنہوں نے اس کے محبوب رسول اکرم ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک لمحے کو نہ صرف محفوظ رکھنے کی کوشش کی بلکہ اپنے قول و عمل میں بھی اسی نمونہ کو ڈھال لیا۔ قرآن مجید اور صاحب قرآن مجید کی باتوں کو محفوظ کرنے کا جیسا انتظام و اہتمام مسلمانوں نے کیا، نہ ان سے پہلے کسی نے کیا نہ ہی بعد میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ آج بھی اللہ کے رسول ﷺ کی ذات، ہدایات، ان کے معمولات اور ان کے گرد و پیش کو کوئی جاننا چاہے تو حدیث کی کوئی کتاب کھول کر بیٹھ جائے، حضور نبی پاک ﷺ کا نہ صرف معاشرہ اس کے سامنے

ہوگا بلکہ وہ اس سے ہم کلام بھی نظر آئیں گے۔اسے ایسا محسوس ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں کا مخاطب اصلی وہی ہے۔

13.2 مقصد

اللہ کے رسول ﷺ کا پاک ارشاد ہے:'میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہوگے۔ (1)۔اللہ کی کتاب اور (2)۔میری (رسول ﷺ کی) سنت۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول ﷺ کی سنت یعنی احادیث مبارکہ قیامت تک مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا کام کرتے رہیں گے۔اس اکائی کے مطالعہ سے طلبہ حدیث کے معنی و مفہوم کے ساتھ اہمیت حدیث، حجیت حدیث اور علم حدیث کا مختصر مگر جامع تعارف حاصل کر سکیں گے۔

13.3 حدیث کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

عربی زبان میں حدیث کا لفظ قدیم کی ضد ہے یعنی نئی چیز یا بات؛ اسی طرح لغت میں حدیث کے معنی گفتگو اور بات چیت کے بھی ہیں اور اس لفظ نے اتنی وسعت اختیار کر لی ہے کہ اس میں کسی کا قول، مدعا، خبر اور واقعہ تمام چیزیں شامل ہو جاتی ہیں۔

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ بات جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی جائے حدیث کہلاتی ہے۔امام سخاویؒ کے نزدیک حدیث نام ہے اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال، افعال، اقرار کردہ اعمال، آپ کی صفات یہاں تک کہ سوتے اور جاگتے آپ کی حرکات اور سکنات کا۔یعنی آپ ﷺ نے کوئی بات کہی، کوئی کام کیا یا آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ ﷺ نے اسے اس پر ٹوکا یا منع نہیں کیا، یہ تمام چیزیں حدیث میں شامل ہیں۔بعض ائمہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال اور افعال کو بھی حدیث میں شامل کرتے ہیں جب کہ بعض دوسرے ائمہ حدیث اس میں فرق کرتے ہیں۔حدیث کی مختلف اقسام بیان ہوئی ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ اصطلاحات حدیث کے ضمن میں آئے گا۔

13.4 حدیث کی اہمیت

حدیث کی اہمیت یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد دین اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو جاننے کا سب سے اہم اور مستند ذریعہ یہی ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے منشا کو جاننے اور سمجھنے کا ذریعہ بھی حدیث ہے' کیوں کہ خود قرآن مجید میں منصب نبوت کا بیان اس طرح ہے۔'اے نبی! ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے اس تعلیم کو واضح کردو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔'(سورہ نحل 44)۔اسی طرح قرآن مجید میں نبیؐ کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے:'وہ (نبی ﷺ) اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، بلکہ وحی ہوتی ہے جو چیز اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔(سورہ نجم 5-4) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ جہاں ایک طرف اس مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور ان تک پہنچائیں وہیں ان کی بعثت کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس میں بیان کردہ احکام اور قوانین کی تعلیم دیں، لوگوں کو حکمت اور دانائی کی باتیں بتائیں تاکہ لوگوں کی ذہنی سطح اس حد تک بلند ہو جائے اور لوگ اس قابل ہو جائیں کہ قرآن مجید میں بیان کی ہوئی حقیقتوں کو سمجھ سکیں اور فکر و

عمل کے میدان میں صحیح طریقہ اور رویہ اختیار کرسکیں۔اسی طرح لوگوں کی ایسی تربیت کریں کہ ان کے اندر انسانیت کے بہترین جوہر پیدا ہوجائیں اور ان کی زندگیوں سے ہر قسم کی برائیاں دور ہوسکیں۔ان مقاصد کا ذکر سورہ آل عمران کی اس آیت میں ہے:'اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا جب ان کے اندر خود ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔اس سے پہلے تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'(آل عمران 164)

یہی وجہ ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں اور بعد کے زمانوں میں بھی آج تک اللہ کے رسول ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی اسی طرح عمل کیا ہے جس طرح کہ قرآن مجید کے احکام و ہدایات پر۔مسلم علماء اور فقہا نے اطاعت اور فرماں برداری رسول ﷺ کو اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح کہ قرآن مجید کی اطاعت کو۔

13.5 حدیث کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ رہتی دنیا تک ان کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سامان بھی کیا۔دنیا میں جب جب گمراہی اور ضلالت کا بول بالا ہوا اور چراغ ہدایت کی روشنی مدھم پڑنے لگی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی لو کو بڑھانے اور اسے مزید روشن کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔اور سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ رہتی دنیا تک ہدایت و رہنمائی کا انتظام کر دیا۔اللہ تعالی نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے صرف اپنی کتابیں ہی نہیں بھیجیں بلکہ ان میں مذکور ہدایات کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے ساتھ میں رسول بھی بھیجے تا کہ لوگوں کے اندر ان ہی میں کا ایک شخص ان پر عمل کر کے نہ صرف ان کے لیے نمونہ فراہم کرے بلکہ یہ بھی ثابت کر دے کہ ان ہدایات پر سارے لوگ بآسانی عمل کر سکتے ہیں۔اب جب کہ آخری نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی اور نبی و رسول دنیا میں آنے والا نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ایسے اسوہ اور نمونے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ روز روشن کی طرح تابناک ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت ہی واضح الفاظ میں مسلمانوں کو ہدایت فرمادی ہے:''**لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة**''۔(اللہ کے رسول کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔)اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:''**ما آتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا**''۔(حشر 7)یعنی اللہ کے رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جن چیزوں سے روک دیں ان سے رک جاؤ۔)نبی ﷺ کی زندگی کیا تھی؟ قرآن مجید کا چلتا پھرتا نمونہ۔حضرت عائشہؓ کے الفاظ ہیں:''**كان خلقه القرآن**''۔(یعنی آپ کے اخلاق قرآن کا نمونہ تھے)اس طرح یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ قرآن اگر کتاب ہدایت ہے تو نبی ﷺ کی زندگی اور آپ کی باتیں اس ہدایت کی عملی تشریح و تعبیر۔قرآن مجید کو نبی ﷺ کے بغیر سمجھا ہی نہیں جاسکتا کیوں کہ نبی ﷺ کا کام ہی دنیا کے سامنے قرآن مجید کی عملی تفسیر پیش کرنا تھا۔دین کی بہت ساری باتیں ہیں جن تک حدیث کے بغیر رسائی ممکن نہیں۔مثال کے طور پر قرآن مجید کی آیتوں کا شان نزول ہمیں حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔قرآن مجید کے بہت سے احکامات مجمل ہیں، ان کی تفصیل احادیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔قرآن مجید کے بہت سے احکامات ہیں جن پر ہم حدیث کے بغیر عمل کر ہی نہیں سکتے۔مثال کے طور پر عبادات کو ہی لے لیجئے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے بارے میں قرآن مجید کے بیانات مجمل ہیں۔اگر احادیث نہ ہوں تو ان عبادات کو صحیح ڈھنگ سے ادا ہی نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح قرآن مجید میں صرف شراب (خمر) کی حرمت بیان کی گئی ہے۔شراب کے حرام ہونے کا سبب اس کا نشہ آور ہونا

ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے بتائی کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی نبی ﷺ نے ہی بتائی کہ نشہ آور چیز خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ حرام ہے۔ یہ سوال بے معنیٰ ہے کہ نشہ آور چیز تھوڑی مقدار میں استعمال کرنے سے نشہ ہوتا ہے یا نہیں۔ آخر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کی ضرورت ویسی ہی ہے جیسی کہ قرآن مجید کی۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جن کو جب تک تم مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔'' گویا قرآن مجید اور اللہ کے رسول ؐ کی سنت دونوں مل کر قیامت تک مسلمانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے رہیں گے۔

13.6 حدیث کی حجیت

حدیث کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہو جانے کے بعد اب ہم اس مسئلے پر آتے ہیں کہ دینی امور میں اللہ کے رسول کی حدیثیں حجت ہیں یا نہیں۔ کیوں کہ ماضی قریب میں بہت سے لوگوں نے علم و دانش کے نام پر (اور ان کی ایک تعداد آج بھی موجود ہے) احادیث کی اہمیت وضرورت اور ان کی حجیت سے یا تو انکار کیا یا ان کو اپنے خود ساختہ فہم قرآن سے بھی کم گردانا اور دعویٰ یہ کیا کہ مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے قرآن مجید کافی ہے۔ جب کہ خود قرآن اور صاحب قرآن ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ ذیل میں قرآن مجید کی بعض وہ آیات درج کی جاتی ہیں جن سے حدیث کے حجت ہونے کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے:

''**و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی**''۔ (نجم:3-2)

(اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے)

''**وما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنه فانتھوا**''۔(حشر-8)

(اور رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو، اور جس سے تمہیں روک دیں اس سے باز رہو)

''**فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم، ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما**''۔(نساء:65)

(پس کچھ بھی نہیں، تیرے رب کی قسم ہے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تجھے (اے پیغمبر) ان تمام باتوں میں حَکَم اور فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں جو ان کے باہمی جھگڑوں میں پیدا ہوئی ہیں۔ پھر اپنے اندر کسی قسم کی تنگی اس فیصلے کے متعلق نہ پائیں جو تم نے کر دیا ہو، اور کلیتہً اس فیصلے کے آگے جھک جائیں۔)

''**و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله**''۔ (نساء:64)

(نہیں بھیجا ہم نے کسی رسول کو مگر اسی لیے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے اللہ کے حکم سے)

''**فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنة او یصیبھم عذاب الیم**''۔(نور:63)

(پس چاہیے کہ جو پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ڈریں اس بات سے کہ کسی آزمائش اور فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں یا ان کو دکھ بھرا عذاب پکڑے۔)

''**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجواللہ والیوم الآخر و ذکراللہ کثیراً**''۔(احزاب:21)

(تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہت اچھا نمونہ ہے۔ جو اللہ کی اور پچھلے دن کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔)

''**قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**''۔ (آل عمران۔31)

(اے نبی لوگوں سے) کہو: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔)

جس طرح قرآن مجید کی یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کے رسول ؐ کی احادیث دین کے معاملات میں حجت کا درجہ رکھتی ہیں اسی طرح خود اللہ کے رسول کے فرمودات بھی اس پر شاہد ہیں۔صرف ایک حدیث یہاں بیان کی جاتی ہے:

''**من اطاع محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فقد اطاع اللہ و من عصیٰ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فقد عصیٰ اللہ ' و محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس**''۔ (بخاری)

(جس نے محمد ؐ کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی بے شک اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔اور محمد ؐ لوگوں کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں)

اسی طرح سلف صالحین کے دور سے لے کر آج تک جمہور امت کا مسلسل اور متواتر یہ عقیدہ رہا ہے کہ احادیث حجت ہیں اور ان کی تشریعی حیثیت مسلم ہے۔خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی قطعی حجت مانتے تھے۔مسند دارمی کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے تھے' اگر اس میں پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور رسول ؐ اللہ سے اس بارے میں کوئی سنت ہوتی ' تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانوں سے پوچھتے۔(مسند دارمی بحوالہ معارف مئی 1933ء،ص340) خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا رویہ بھی یہی تھا وہ قاضیوں کو مقرر کرتے وقت یہ تاکید فرماتے کہ جو مسئلہ پیش آئے اس میں پہلے کتاب اللہ کو دیکھو، جو اس سے تمہارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس میں سنت رسول کا اتباع کرو اور جو سنت رسول سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو(اعلام الموقعین بحوالہ معارف مئی 1933)۔غرض یہ سلسلہ خلفاء راشدین سے ہوتا ہوا آج تک جاری ہے اور امت ہمیشہ حجیت حدیث کی نہ صرف معتقد رہی ہے بلکہ اس پر عامل بھی رہی ہے۔

دور جدید کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اس طرح کا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ خبر واحد سے صرف ظن غالب ہی حاصل ہوتا ہے۔اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے اس لیے خبر واحد کو دین و مذہب کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔واضح رہے کہ خبر واحد وہ حدیث کہلاتی ہے جو متواتر کے درجے میں نہ ہو اور متواتر وہ حدیث ہوتی ہے جس کے ہر دور میں اتنے زیادہ راوی ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً ممکن نہ ہو۔ احادیث زیادہ تر خبر واحد ہیں۔یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو دین کے ساتھ صریح زیادتی ہے۔مولانا محمد فاروق خان کے الفاظ میں:

'خود ہماری زندگی کے اکثر و بیشتر فیصلوں کا انحصار ظن غالب پر ہی ہوتا ہے۔قرآن نے بھی ظنی شہادتوں کو غیر معتبر

نہیں قرار دیا۔ بلکہ ان کا اعتبار کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک مسلمان کا خون تک مباح ہوسکتا ہے۔ زنا، قذف اور سرقہ کے سلسلے میں فیصلوں کی بنیاد دو چار شہادتوں پر ہی رکھی گئی ہے جن سے ایک مسلمان کو کوڑوں کی سزا بھی دی جاسکتی ہے اور اس کا ہاتھ بھی کاٹا جاسکتا ہے۔ جب قرآن غیر متواتر شہادتوں پر نظام عدل کی بنیاد رکھتا ہے پھر کسی مسلمان شخص کے لئے یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر دور میں دو چار راویوں کا ہونا کافی نہیں ہے۔ البتہ راویوں کے لیے عادل اور قابل اعتماد ہونا ضروری ہے اس کی تحقیق ہی کے لئے اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ''**یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین**''، (اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر جا پڑو اور بعد میں تمہیں اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہونا پڑے۔ (الحجرات-6)

اس آیت میں قرآن خبر واحد کو رد کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ خبر اگر فاسق کی دی ہوئی ہے تو اس کی تحقیق کی ہدایت کرتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات اپنے آپ نکلتی ہے کہ اگر خبر کسی ایسے شخص کی دی ہوئی ہے جو فاسق نہیں۔ بلکہ اس کی عدالت اور اس کی سچائی پر اعتماد ہے تو مزید تحقیق کے بغیر بھی دی ہوئی خبر کی بنیاد پر کارروائی کی جاسکتی ہے۔ خود قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا یقین بھی ہمیں ایک معتبر اور قابل اعتماد ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے حاصل ہوا ہے۔ خدا کی جانب سے کثیر اشخاص اور ملائکہ نے آ کر ہمیں اس کے کلام الٰہی ہونے کی خبر نہیں دی ہے۔

قرآن کے علاوہ حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خبر واحد ہمارے لیے حجت ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت یزید بن شیبانؓ کا بیان ہے کہ ہم عرفات میں تھے۔ اتفاق سے ہماری جائے قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے دور تھی۔ ہمارے پاس آپؐ کا قاصد یہ پیام لے کر آیا کہ ہم جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اسی جگہ رہیں، وہاں سے منتقل ہونے کی ضرورت نہیں، عرفات میں جہاں بھی قیام ہو جائے فریضہ وقوف ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ثقہ آدمی کی دی ہوئی خبر دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے۔ ورنہ آپؐ اپنی طرف سے ایک ہی شخص کو نہ بھیجتے۔ (علم حدیث ایک تعارف، 68-69)

13.7 حدیث کی حفاظت اور اشاعت

حدیث کی اہمیت، ضرورت اور حجیت کے پیش نظر اللہ، اس کے رسول اور صحابہ کرام نے حفاظت و اشاعت حدیث کا ایسا اہتمام کیا کہ اس کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں اور ملنی مشکل ہے۔ اللہ تعالی نے نبیؐ کی رفاقت اور صحبت کے لیے ایک ایسے انسانی گروہ کا انتخاب کیا جو انسانیت کا جوہر و کریم کہا جاسکتا ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور اشاعت کے لیے متعدد اقدامات کیے اور آپ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ و تابعین نے احادیث کی حفاظت اور اشاعت کے لئے جس احتیاط و اہتمام سے کام لیا وہ اپنے آپ میں بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ابتدا میں رسول اللہ

ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے منع کر دیا تھا لیکن ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد یہ ممانعت ختم ہوگئی اور احادیث لکھنے کی عام اجازت ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: 'میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں مگر یاد نہیں رکھ پاتا۔' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اپنے ہاتھ سے مدد لو' اور پھر اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ لکھ لیا کرو۔ (ترمذی) اسی طرح کئی صحابہ کرام کو آپ نے بہت ساری چیزیں لکھوا کر دی تھیں۔ خود آپ اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین بار دہراتے تا کہ وہ بات اچھی طرح لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ (بخاری) **(انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلثاً حتى تفهم عنه)**

سب سے اول جن لوگوں نے حدیث کی حفاظت کی ذمہ داری لی وہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ چوں کہ صحابہ کرام کی تربیت براہ راست خود رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اس لیے وہ اس ذمہ داری کو بخوبی سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام جہاں ایک طرف اس بات کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ اللہ کے رسول کی حدیثوں کو زیادہ سے زیادہ یاد اور محفوظ رکھیں وہیں وہ اس بات کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے کہ رسول اللہ کی جانب کوئی غلط بات نہ منسوب ہونے پائے کیوں کہ نبی ﷺ کی یہ تنبیہ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی: ''**من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار**'' (جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے) مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی بھی حدیث بیان کرنے سے پہلے یہ کہتے کہ 'رسول اللہ صادق و مصدوق ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لے۔' (الاصابہ) بہت سارے صحابہ کا معمول تھا کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت نبیؐ کی صحبت میں گزارنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ روزانہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے تو انہوں نے اور ان کے ایک پڑوسی انصاری صحابیؓ نے معمول بنا رکھا تھا کہ ایک دن حضرت عمرؓ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر رہتے اور ایک دن انصاری صحابیؓ اور دونوں جس دن کہ وہ اللہ کے رسول کی خدمت میں نہیں ہوتے تھے دوسرے کو اس دن کی باتوں کے بارے میں بتاتے تھے۔ یہی نہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سننے کا ہی اہتمام کرتے ہوں بلکہ وہ ایک دوسرے سے بھی حدیثیں سنتے اور یاد کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے جو صحابہ حدیثیں معلوم کیا کرتے تھے ان میں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے نام بھی شامل ہیں۔ احادیث کو جاننے اور انہیں صحیح ڈھنگ سے یاد رکھنے کا صحابہ کرامؓ کو اس قدر شوق تھا کہ وہ ایک ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے لمبے سے لمبے سفر کی تکلیف برداشت کر لیا کرتے تھے۔ تابعین کرام کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا وہ بھی حدیثیں سننے اور انہیں یاد کرنے کے لئے ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ حضرت ابوالعالیہؒ کا بیان ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے صحابہ کے حوالے سے ایک روایت سنتے لیکن ہم اس پر راضی نہ ہوتے جب تک کہ ہم خود پہنچ کر ان صحابی کی زبانی براہ راست اس روایت کو نہ سن لیتے۔ اس طرح حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے حفاظت حدیث کا بے مثل کارنامہ انجام دیا۔

جس طرح صحابہ کرام نے حدیث کی حفاظت کا بہت زیادہ اہتمام کیا اسی طرح حدیث کی اشاعت پر بھی انہوں نے کافی توجہ صرف کی۔ نبیؐ کے زمانے میں ہی وہ ایک دوسرے کو حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد صحابہ کرام جہاں بھی گئے اور جس جگہ بھی رہے انہوں نے ان مقامات پر تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ حدیثیں بیان کرنے کا سلسلہ بھی قائم کیا۔ مکہ اور مدینہ کے علاوہ یمن، یمامہ، دمشق، بحرین، بصرہ، کوفہ اور مصر وہ مقامات ہیں جہاں پر حضرات صحابہ کرامؓ نے بڑی تعداد میں قرآن مجید اور حدیث رسول کی روایت کے حلقے قائم کیے۔ سب سے زیادہ نمایاں

خدمات صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور صحابیات میں حضرت عائشہ ؓ کی ہیں جن کے حلقہ درس مدینہ میں قائم تھے۔صحابہ کرام کے بعد ان کے تابعین شاگردوں نے اشاعت حدیث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح یہ سلسلہ روز بروز آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ ایک زمانے تک علم سے مراد ہی علم حدیث لیا جاتا تھا۔ایسا کیوں نہ ہوتا اشاعت حدیث کی ترغیب خود نبیؐ نے اپنے صحابہ کو دلائی تھی۔ایک موقع پر آپ نے نماز روزہ وغیرہ کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا:'**احفظوہ و اخبروہ من وراء کم** 'ان کو خوب محفوظ رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں انہیں ان سے واقف کراؤ۔اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر مجمع سے خطاب کر کے آپ نے فرمایا: ''**نضر اللہ امرا اسمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ و رب حامل فقہ لیس بفقیہ** ''۔(ابوداؤد۔کتاب العلم) (تروتازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر اسے یاد رکھا' اور اسے پہنچایا' کتنے ہی حامل فقہ پہنچاتے ہیں اس تک جو زیادہ فقہ والا ہوتا ہے،اور کتنے ہی حامل فقہ'غیر فقیہ ہوتے ہیں۔) آپ نے اپنا خطبہ ان الفاظ پر ختم فرمایا: ''**الا فلیبلغ الشاھد الغائب** ''۔(بخاری) (سنو! چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچادے۔) اگر مسلمانوں کو حدیث کی ضرورت نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کی حفاظت اور اشاعت کا اتنا زیادہ اہتمام نہ کرتے اور نہ ہی آپ کے اس طرح کے ارشادات سامنے آتے۔

احادیث کی حفاظت و اشاعت کا کام صرف زبانی روایت کے ذریعے ہی نہیں ہوا بلکہ اللہ کے رسول کے زمانے سے ہی حدیثوں کو لکھنے کا رواج تھا۔خود نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف تحریریں (احکام و ہدایات سے متعلق) لکھوا کر لوگوں کو عنایت فرمائیں۔حضرات صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت پر بھروسے کے ساتھ ساتھ حدیثیں لکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔چنانچہ ان کی ایک تعداد نے حدیثوں کے صحیفے تیار کیے البتہ انہیں تائیدی شہادت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور ان کا مقصد حافظہ کو تازہ کرنا ہوتا تھا۔مولانا محمد فاروق خاں لکھتے ہیں:

> یہ ایک حقیقت ہے کہ اول درجے کی صحیح احادیث ان کے اولین راویوں ہی کے ہاتھوں (ضبط) تحریر میں آچکی تھیں۔اور وہ مسلسل تحریری شکل میں منتقل ہوتی رہیں اور آج تک تحریری شکل میں موجود و محفوظ ہیں۔ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی دور میں تحریری سرمایہ ضائع ہو گیا ہو اور محض زبانی روایات پر ان کا دارومدار رہ گیا ہو۔(کلام نبوت جلد اول ص 18)

حدیث کی تدوین :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سب سے زیادہ اور اولین توجہ قرآن مجید کی حفاظت و کتابت پر مرکوز تھی' یہی وجہ ہے کہ آپ کے وصال کے وقت تک قرآن مجید سینوں اور سفینوں دونوں میں اچھی طرح محفوظ ہو چکا تھا اور اب اسے ایک مصحف کی شکل دینے کا کام باقی رہ گیا تھا۔حدیث کا معاملہ اس سے مختلف تھا،اس کی باضابطہ تدوین اس طریقے سے نہیں کی گئی جس طرح کہ قرآن مجید کی ہوئی۔اس کی مختلف وجوہات تھیں مثلاً:(1)۔حدیث کا ذخیرہ قرآن مجید کی طرح مختصر نہیں تھا۔(2)۔حدیث کو سننے اور جاننے والے افراد ہزارہا کی تعداد میں تھے بیک وقت سب تک رسائی آسان نہ تھی۔(3)۔کاتبین اور سامان کتابت کی قلت تھی وغیرہ۔عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں اگر قرآن مجید کی طرح حدیث کی باضابطہ تدوین نہیں ہوئی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس مبارک زمانے میں حدیثیں لکھی ہی نہیں گئیں یا ان کی حفاظت و کتابت کا اہتمام نہیں تھا۔بلکہ نبیؐ کے زمانے میں بھی اور آپؐ کے بعد بھی صحابہ کرامؓ نے حفاظت کا اہتمام کیا۔ہاں یہ بات درست ہے کہ عہد نبویؐ میں حدیث کی تدوین اس طریقے پر نہیں ہوئی جس طریقے پر کہ قرآن مجید کی ہوئی۔حدیثیں صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ تھیں اور انہوں نے زبانی روایت کے

ذریعے تابعین عظام کی طرف منتقل کیا۔ یہ مغالطہ بہرحال نہیں ہونا چاہیے کہ عدم تدوین سے مراد عدم کتابت ہے، جیسا کہ بعض مستخففین حدیث وسنت کرتے ہیں، کیوں کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں کتابت حدیث کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے مجموعہ حدیث کا نام 'صادقہ' تھا، کئی دیگر صحابہ نے بھی حدیث سے متعلق اپنی یادداشتیں تحریر کر رکھی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے تو باقاعدہ تدوین حدیث کا ارادہ کیا تھا مگر بعد میں اسے ترک کردیا۔ بیہقی نے 'مدخل' میں عروہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا تھا کہ احادیث کو جمع کر کے قلم بند کرائیں۔ آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے بھی اس کی تائید کی لیکن حضرت عمرؓ اس کے باوجود پس وپیش میں رہے اور ایک ماہ تک اللہ سے استخارہ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن صبح اٹھے تو اللہ نے ان کے دل کو ایک فیصلے پر جمادیا۔ آپ نے فرمایا: میرا ارادہ تھا کہ سنن کی کتابت کراؤں لیکن مجھے ان قوموں کا خیال آیا جنہوں نے تم سے پہلے کتابیں لکھیں اور کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان ہی میں منہمک ہوگئے۔ خدا کی قسم میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی دوسری چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا'۔ (بحوالہ سنت رسول، ملک غلام علی، مکتبہ ذکریٰ رام پور، یوپی، ص118)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب فتنوں کا دور شروع ہوا اور حدیثوں میں جھوٹ کی ملاوٹ کی جانے لگی تو اس وقت وضع حدیث کے فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے تابعین عظام نے جتنا ممکن ہوا احادیث کو جمع کردیا۔ یہ کریڈٹ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے حکومتی سطح پر حدیث کی جمع وتدوین کے لئے کوشش کی اور مختلف لوگوں کو اس کام پر مامور کیا، ان میں نمایاں نام مدینہ کے اس وقت کے گورنر ابوبکر ابن حزمؒ، عمرہ بنت عبدالرحمان انصاریہؒ (متوفیہ 98ھ) قاسم ابن محمد بن ابی بکرؒ (متوفی 120ھ) اور محمد بن مسلم ابن شہاب زہری کے ہیں۔ ان میں بھی ابن شہاب زہری وہ جلیل المرتبت شخصیت ہیں جنہوں نے تدوین حدیث کے کام کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے مختلف ابواب کے تحت الگ الگ حدیث کی کتابیں مرتب کی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ابن شہاب زہریؒ کے بارے میں اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کرتے تھے کہ 'ان کے ہاں جایا کرو کیوں کہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر سنت کا عالم موجود نہیں ہے۔' امام زہریؒ کے بعد تدوین حدیث کا کام بڑے پیمانے پر ہوا، البتہ دوسری صدی ہجری کے دوران تک حدیث رسول، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کو ایک ہی مجموعے میں جمع کردیا جاتا تھا۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری کے دوران حدیث کی زیادہ منظّم، عظیم الشان اور زندہ جاوید کتابیں لکھی گئیں جو آج تک باقی ہیں۔

13.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں ہم نے حدیث کے معنی ومفہوم کے ساتھ اس کی اصطلاحی تعریف کو جانا۔ اسی طرح اس اکائی میں حدیث کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ حدیث کی دین میں اہمیت کیوں ہے، اس کی ضرورت کیا ہے اور حدیثیں دین کے احکام ومسائل میں حجت کا درجہ کیوں رکھتی ہیں؟ ساتھ ہی نبی ﷺ کے زمانہ سے لے کر عہد صحابہ وتابعین تک اللہ کے رسول کی حدیثوں کو سننے، محفوظ کرنے اور انہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین نے جو بے مثال خدمات انجام دیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حدیثیں اللہ کے رسول کے ایک عرصہ بعد نہیں بلکہ آپ کے زمانہ ہی میں صحابہ کرامؓ نے قلم بند کرنی شروع کردی تھیں۔

13.9 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ حدیث کے لغوی واصطلاحی معانی پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی اہمیت کی وضاحت کیجیے۔

2۔ حدیث کی ضرورت پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ حدیث کی حجیت قرآنی آیات سے ثابت کیجیے۔

2۔ حفاظت واشاعت حدیث پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

13.10 تجویز کردہ کتابیں

1۔	تدوین حدیث	:	مولانا مناظر احسن گیلانی
2۔	تذکرۃ المحدثین	:	غلام رسول سعیدی
3۔	معجم اصطلاحات الحدیث	:	ضیاء الرحمٰن الاعظمی/سہیل حسن بن غفار حسن
4۔	کلام نبوت، جلد اول	:	محمد فاروق خاں
5۔	سنت رسولؐ	:	مصطفیٰ حسن سباعی/اردو ترجمہ ملک غلام علی
6۔	علم حدیث ایک تعارف	:	محمد فاروق خاں
7۔	علوم الحدیث	:	ڈاکٹر صبحی صالح/غلام احمد حریری
8۔	اصطلاحات حدیث-تعریف اور تشریح	:	ڈاکٹر محمود الطحان/مظفر حسین ندوی

۔:oOo:۔

اکائی 14 : کتابت وتدوین حدیث کی تاریخ

اکائی کی ساخت

14.1 تمہید

14.2 مقصد

14.3 کتابت وتدوین حدیث کی تاریخ

14.3.1 کتابت حدیث عہد نبوی میں

14.3.2 کتابت حدیث عہد صحابہ میں

14.3.3 تدوین حدیث عہد تابعین وتبع تابعین میں

14.3.4 تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تدوین حدیث

14.4 حدیث کی بعض ابتدائی کتابیں

14.4.1 موطا امام مالک

14.4.2 مسند احمد بن حنبل

14.4.3 مصنف ابن ابی شیبہ

14.5 اکتسابی نتائج

14.6 نمونۂ امتحانی سوالات

14.7 تجویز کردہ کتابیں

14.1 تمہید

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت ہی بڑا اور سب سے عظیم احسان ہے کہ اس نے ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے ایک ابدی کتاب قرآن مجید کو

نازل فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اس کتاب کے بیان اور تشریح کے لیے امام الانبیاء اور خاتم المرسلین حضور نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا، جن کے ذریعے کہ قرآن مجید ہمیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ تو لیا ہی، اس نے ایسے انتظامات بھی کر دیئے اور رسول ﷺ کو ایسے ساتھی اور رفیق عطا کئے، جنھوں نے اس کے محبوب رسول اکرم ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک لمحے کو نہ صرف محفوظ رکھنے کی کوشش کی بلکہ اپنے قول وعمل میں بھی اسی نمونے کو ڈھال لیا۔ قرآن مجید اور صاحب قرآن مجید کی باتوں کو محفوظ کرنے کا جیسا انتظام واہتمام مسلمانوں نے کیا، نہ ان سے پہلے کسی نے کیا نہ ہی بعد میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ آج بھی اللہ کے رسول ﷺ کی ذات، ہدایات، ان کے معمولات اور ان کے گردوپیش کو کوئی جاننا چاہے تو حدیث کی کوئی کتاب کھول کر بیٹھ جائے، حضور نبی پاک ﷺ کا نہ صرف معاشرہ اس کے سامنے ہوگا بلکہ وہ اس سے ہم کلام بھی نظر آئیں گے۔ اسے ایسا محسوس ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں کا مخاطب اصلی وہی ہے۔

14.2 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے طلبہ حدیث کے آغاز وارتقاء اور ارتقائی مراحل سے واقف ہو جائیں گے۔ وہ جان سکیں گے کہ حدیث کی تدوین کس طرح عمل میں آئی؟ اس کے مختلف ادوار کون سے ہیں؟ اور شروع کے زمانے میں حدیث کی کون سی کتابیں لکھی گئیں؟ اس کے علاوہ انھیں حدیث کی ابتدائی مدون ہونے والی کتابوں سے بھی واقفیت حاصل ہوگی۔

14.3 کتابت وتدوین حدیث کی تاریخ

تدوین حدیث کے بارے میں عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ حدیثوں کی تدوین کا کام نبی اکرم ﷺ کی وفات کے تقریباً دوسو برس بعد ہوا۔ اور یہ بھی کہ خود رسول پاک ﷺ نے حدیثوں کو لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے جب ایک طویل عرصے بعد حدیثوں کی تدوین عمل میں آئی تو اس میں رطب ویابس سب کا سب رسول اللہ کی جانب منسوب کر دیا گیا' لہٰذا حدیثیں ساقط الاعتبار قرار پاتی ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی اس حدیث کو پیش کیا جاتا ہے: ''**لاتکتبوا عنی شیئا غیر القرآن و من کتب شیئا غیر القرآن فلیمحه**''۔ (مسلم) (کوئی شخص بھی مجھ سے سوائے قرآن مجید کے کچھ اور نہ لکھے اور جس نے قرآن مجید کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہو وہ اسے مٹا دے)۔ اس حدیث کے ذریعے یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ اللہ کے رسول نے دائمی طور پر حدیثوں کو لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن میں نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کو حدیثیں لکھنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ کئی مواقع پر انہیں اس کا حکم بھی دیا ہے جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عدم کتابت کا حکم ایک خاص عرصے کے لئے اور مخصوص پس منظر میں تھا جب کہ احادیث رسول کا کلام الٰہی سے گڈ مڈ ہونے کا اندیشہ تھا، بعد میں جب یہ علت جاتی رہی اور صحابہ کرامؓ میں نبی کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں کلام الٰہی اور کلام نبوی میں تفریق وامتیاز کی صلاحیت پیدا ہوگئی تو پھر اللہ کے رسول نے لوگوں کو حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی۔

14.3.1 کتابت حدیث عہد نبوی میں

جیسا کہ پہلے عرض ہوا کہ منع کتابت کا حکم وقتی مصالح کے پیش نظر تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ مشہور روایت حضرت عبداللہ بن

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی ہے: 'حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ آپ بشر ہیں غصہ اور رضا دونوں کی حالت میں فرماتے ہیں۔ ان کے کہنے پر میں لکھنے سے رک گیا۔ اور رسول اللہ سے اس کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: تم لکھا کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ابوداؤد) اسی طرح دیگر صحابہؓ کے بھی مستند بیانات ہیں جن میں اللہ کے رسول نے انہیں کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ نے حدیثوں کے مختلف مجموعے تیار کر لیے تھے اور یہ ان وثائق کے علاوہ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر تیار کروا کر لوگوں کو دیے تھے۔ ذیل میں ہم ایک مختصر فہرست صرف اس تحریری مواد کی پیش کرتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے حکم سے تیار ہوا۔

1۔ صلح نامہ حدیبیہ: صلح حدیبیہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے تیار کروایا تھا۔ صحیح بخاری میں مکمل صلح نامہ موجود ہے۔

2۔ میثاق مدینہ: مدینہ ہجرت کرنے کے بعد نبی ﷺ نے وہاں کے تمام باشندوں مہاجرین، انصار، یہود وغیرہ کے مشورے سے ایک معاہدہ ترتیب دیا۔ یہ 25 دفعات پر مشتمل ہے۔

3۔ صحیفہ وائل بن حجر: اس میں نماز روزہ، شراب، سود وغیرہ سے متعلق احکام تھے۔ وائل بن حجر حضرموت کے ایک شہزادے تھے۔ مدینہ آکر مسلمان ہوئے کچھ دنوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ جب وہ واپس لوٹنے لگے تو آپ نے یہ صحیفہ لکھوا کر انہیں عطا فرمایا۔

4۔ وصیت نامہ مسلم بن حارث تمیمیؓ: نبی ﷺ نے مسلم بن حارث تمیمیؓ کو کچھ وصیتیں لکھ کر دی تھیں۔ اس وصیت نامے پر آپ کی مہر بھی ثبت تھی۔

5۔ ہدایت نامہ عمرو بن حزم: آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ بھی دیا جس میں انتظامی امور کے علاوہ تعلیم کی اشاعت سے متعلق احکام بھی درج تھے۔ اس کی جامعیت کو دیکھتے ہوئے اسے حدیث کی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد فاروق خاں نے اپنی کتاب علم حدیث: ایک تعارف، میں ایسی چودہ تحریری دستاویزوں کی فہرست دی ہے جو نبی کے فرمان اور حکم سے لکھی گئیں جن میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو آپ نے اس وقت کے مختلف حکمرانوں اور قبیلوں کے سرداروں کو لکھوائے تھے۔ ان کے مطابق ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب الوثائق السیاسیہ میں عہد نبوی کی 240 سے زیادہ تحریری دستاویزات جمع کی ہیں۔

14.3.2 کتابت حدیث عہد صحابہ میں

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کے زمانے میں ہی صحابہ کرام نے احادیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ ممانعت کتابت حدیث کا حکم وقتی اور مبنی بر مصلحت تھا۔ کئی صحابہ کرامؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دی تھی اور ان میں سے بعض نے تو حدیثیں لکھنے کے بعد آپ کو سنا کر تصدیق بھی حاصل کر لی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے حدیثیں صرف نبی کے زمانے میں ہی نہیں لکھیں بلکہ آپ کے بعد بھی ایک دوسرے سے آپ کی حدیثیں معلوم کر کے نہ صرف یاد کیں بلکہ انہیں تحریر بھی کیا اور اس طرح حدیث کا بہت بڑا سرمایہ عہد صحابہ میں ہی زبانی کے ساتھ ساتھ تحریری طور پر بھی محفوظ ہو

گیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے تو حدیث کی تدوین کا ارادہ کرلیا تھا لیکن بعد میں اسے ترک کر دیا۔جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔مولانا محمد فاروق خاں نے ایسے 22 رسالوں یا کتابوں کی فہرست دی ہے جنہیں کہ صحابہ کرام نے تیار کیا تھا۔ذیل میں ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ الصحیفة الصادقة : تالیف عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی 63ھ یا 65ھ)

صحیفہ صادقہ تقریباً ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل تھا۔ یہ عرصہ تک حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے خاندان میں محفوظ رہا۔جلیل القدر تابعی مجاہدؒ (متوفی 103ھ) نے اس صحیفے کو حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس دیکھا تھا۔ یہ پورا صحیفہ بتمام وکمال مسند احمد (ابن حنبل) میں شامل ہے۔ خود انہوں نے اس صحیفے کا نام صحیفہ صادقہ رکھا تھا۔

2۔ الصحیفة الصحیحة : تالیف حضرت ابو ہریرہ (متوفی 58ھ)

صحیفہ صحیحہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کا ایک حصہ ہے جسے انہوں نے اپنے ایک شاگرد ہمام بن منبہ (متوفی 101ھ) کے لیے مرتب کیا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے تقریباً وسط کی یہ تالیف خوش قسمتی سے من وعن محفوظ ہے۔اس کے قدیم نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔یہ صحیفہ مسند احمد بن حنبل میں بجنسہ شامل ہے اور امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں اس سے روایتیں لی ہیں۔ڈاکٹر حمید اللہ نے اس صحیفے کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے۔

3۔ مسند ابوهريره: تالیف حضرت ابو ہریرہ (متوفی 58ھ)

اس کے نسخے عہد صحابہ میں لکھے گئے تھے۔اس کی ایک نقل (Copy) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیزؒ بن مروان گورنر مصر (متوفی 86ھ) کے پاس بھی موجود تھی۔حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی مرویات کو قلم بند کر لیا تھا جو ان کے پاس موجود تھیں۔مسند ابو ہریرہ کا ایک نسخہ امام ابن تیمیہؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

4۔ صحيفة جابر بن عبدالله ؓ: تالیف حضرت جابر بن عبداللہ (متوفی 78ھ)

مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ نے حج کے احکام ومسائل پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔اسی طرح مشہور تابعی حضرت وہب بن منبہ ؒ (متوفی 110ھ) کو انہوں نے احادیث املا کرائی تھیں۔مشہور تابعی قتادہ کہا کرتے تھے کہ مجھے سورہ بقرہ کے مقابلے میں صحیفہ جابرؓ زیادہ حفظ ہے۔ سلیمان بن قیس یشکریؒ نے بھی حضرت جابرؓ کی مرویات لکھی تھیں۔

5۔ روايات عائشه :

حضرت عائشہؓ کی مرویات ان کے بھانجے اور شاگرد حضرت عروہ بن زبیرؒ نے قلم بند کی تھیں۔

6۔ صحيفه علیؓ: تالیف حضرت علی

اس صحیفے میں زکوۃ، حرمت مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور (دستور مدینہ) کے نکات شامل تھے۔امام بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا یہ مجموعہ اچھا خاصا ضخیم تھا۔

7۔ صحف انس بن مالكؓ : تالیف حضرت انس بن مالک

حضرت انس بن مالکؓ نے روایات حدیث کی متعدد قلمی یادداشتیں تیار کی تھیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ نے لکھنے کے بعد انہیں نبی کو سنا کر آپ کی تصدیق بھی حاصل کر لی تھی۔

8۔ تالیف عمرو بن حزم : حضرت عمرو بن حزم کی تالیف

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ بھی عطا فرمایا تھا۔ عمرو بن حزم نے اس ہدایت نامہ کو محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس میں اکیس (21) دوسرے فرامین نبی بھی شامل کیے اور اس طرح ایک کتاب تالیف کر لی۔ مستدرک حاکم میں اس کتاب کی ۱۳۶ احادیث منقول ہیں۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کا بہت بڑا سرمایہ تحریری شکل میں محفوظ ہو چکا تھا البتہ تحریری دستاویزوں سے زبانی یادداشت کے مقابلے کا کام لیا جاتا تھا۔ عہد صحابہ میں حدیث کی تدوین باضابطہ طور پر اور وسیع پیمانے پر نہیں ہوئی بلکہ زیادہ تر زبانی روایت کے ذریعے یہ سرمایہ تابعین کی طرف منتقل ہوا۔

14.3.3 تدوین حدیث عہد تابعین و تبع تابعین میں

حدیثوں کی روایت و کتابت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو مخالفین و دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں جھوٹی حدیثیں گھڑی جانے لگیں (فتنہ وضع حدیث)۔ اس وقت موجود صحابہ کرام نے ایک طرف تو روایت واخذ حدیث کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا شروع کیا۔ دوسری طرف تابعین کے گروہ نے جھوٹی حدیثوں کے فتنے سے نبرد آزما ہونے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اس سلسلے میں تابعین و تبع تابعین نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ جتنی احادیث کا جمع کرنا ان کے لیے ممکن تھا انہیں جمع کر کے لکھ دیا تا کہ ایک طرف تو یہ ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ جائے اور دوسری طرف اس میں کمی یا بیشی واقع نہ ہو۔ اس پر قریب قریب سبھی کا اتفاق ہے کہ جمع و تدوین حدیث کے کام کا آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سرکاری طور پر پوری مملکت میں یہ فرمان بھیجا کہ 'حدیث رسول ﷺ کو تلاش کر کے جمع کرو'۔ اس طرح تدوین حدیث کے جس کام کا ارادہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا اسے عملی جامہ پہنانے کا شرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حاصل ہوا۔ انہوں نے مدینہ کے گورنر اور قاضی ابوبکر ابن حزمؒ کو لکھا: 'احادیث نبوی کو تلاش کیجئے اور لکھ لیجے۔ مجھے علماء کے اٹھ جانے اور علم کے مٹ جانے کا خدشہ ہے۔' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمرہ بنت عبدالرحمان انصاریہؒ اور قاسم ابن محمد بن ابی بکرؒ سے بھی مطالبہ کیا تھا کہ جتنا ذخیرہ حدیث ان لوگوں کے پاس ہے اسے لکھوا لیں۔ البتہ تدوین حدیث کا کام صحیح معنوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی فہمائش پر مشہور محدث اور عظیم تبع تابعی امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہریؒ (متوفی 122ھ) نے انجام دیا۔ ان کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ان کے پاس جایا کرو کیوں کہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر سنت کا عالم موجود نہیں ہے۔ امام زہریؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کے مختلف ابواب میں سے ہر ایک باب پر الگ الگ کتابیں مرتب کی تھیں۔ ان کے شاگرد جب ان کے پاس جمع ہوتے تو وہ احادیث کے متفرق اجزاء نکالتے اور ان کے سپرد کرتے تا کہ وہ روایت کر سکیں۔ اس طرح تدوین حدیث کے کام کی بنیاد رکھنے

والے اصلاً امام زہریؒ ہیں۔ان کی تیار کردہ کتاب کی نقلیں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اطراف مملکت میں بھجوائی تھیں۔

ابن شہاب زہریؒ کے متصل بعد کے زمانے میں حدیثوں کی تدوین کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوگیا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ نے سنت پر اپنی مشہور زمانہ کتاب السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی میں ان لوگوں کے نام دیے ہیں جو اس طرح ہیں:

مکہ میں ابن جریجؒ (متوفی 150ھ)، ابن اسحاقؒ (متوفی 151ھ)، مدینہ میں سعید ابن ابی عروبہؒ (متوفی 156ھ)، ربعی ابن صبیحؒ (متوفی 160ھ)، امام مالکؒ (متوفی 179ھ)، بصرہ میں حماد بن مسلمہؒ (متوفی 176ھ)، کوفہ میں سفیان ثوریؒ (متوفی 161ھ)، شام میں ابوعمرو اوزاعیؒ (متوفی 156ھ)، واسط میں ہیثمؒ (متوفی 188ھ)، خراسان میں عبداللہ ابن مبارکؒ (متوفی 181ھ)، یمن میں معمرؒ (متوفی 153ھ) اور رے میں جریر بن عبدالحمیدؒ (متوفی 188ھ) وغیرہ نے احادیث کو مدون کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ تمام بزرگ ہم عصر ہیں۔ البتہ ان تمام لوگوں نے ایک ہی مجموعے میں حدیث رسول، اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ سب کو شامل کرلیا تھا۔ صرف ایک قسم کی احادیث کو ایک باب میں اکٹھا کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبیؒ نے کیا۔

14.3.4 تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تدوین حدیث

تدوین حدیث کے اعتبار سے تیسری صدی ہجری (عہد محدثین) سب سے زریں اور پر از سعادت دور ہے۔ یہ عباسی خلافت کا زمانہ ہے جس میں مسلمانوں کو علم وفن کے ہر میدان میں بے مثال ترقی وعروج حاصل ہوا۔ اس زمانے میں احادیث رسول کو آثار صحابہ واقوال تابعین سے الگ مدون کرنے کا کام بھی شروع ہوا، اور اسی زمانے میں علم حدیث کی وہ عظیم الشان شخصیات اور زندہ جاوید کتابیں منظر عام پر آئیں جنھیں قدرت نے قبول عام اور بقائے دوام دونوں عطا کیا۔ تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کے کام کا آغاز مسانید کی ترتیب سے ہوا۔ (مسند حدیث کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں موضوع سے قطع نظر ایک صحابی کی مرویات کو ایک باب میں جمع کر دیا گیا ہو) جن لوگوں نے سب سے پہلے مسانید تیار کیں ان میں نمایاں نام عبداللہ بن موسیٰ عبسیؒ کوفی، مسدد بصریؒ، اسد بن موسیٰؒ اور نعیم ابن حماد خزاعیؒ کے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہؒ اور عثمان بن ابی شیبہؒ ان اولین لوگوں میں ہیں جنھوں نے صحابہ وتابعین کے اقوال کو چھوڑ کر صرف اللہ کے رسول کی حدیثوں کو اپنی مسندات میں جمع کیا ہے۔ البتہ ان لوگوں نے صرف جمع کرنے کا کام کیا ہے صحیح وغیر صحیح کی تفریق نہیں کی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (متوفی 256ھ) پہلے امام حدیث ہیں جنھوں نے تدوین حدیث کے ایک نئے اسلوب کی بنیاد ڈالی، اور وہ یہ کہ انھوں نے اپنی دانست میں صرف صحیح حدیثوں کا انتخاب کیا اور پھر ان سے اپنی مشہور زمانہ کتاب صحیح بخاری مرتب کی جس کا پورا نام ہے 'الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه'۔ ان کے ہم عصر اور شاگرد امام مسلم بن حجاج قشیریؒ (متوفی 261ھ) نے بھی انہی اصولوں پر ایک صحیح کتاب مدون کی۔ انہی اصولوں پر سنن ابی داؤدؒ (275ھ)، سنن نسائیؒ (متوفی 303ھ) جامع ترمذیؒ (متوفی 297ھ) اور سنن ابن ماجہؒ (متوفی 273ھ) بھی تالیف کی گئیں۔ عام طور پر حدیث کی ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے دوران حدیث کے سرمایے میں تو کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا، لیکن اس صدی کے علماء حدیث نے حدیث کے پہلے

کے مجموعوں کو زیادہ مرتب و منظّم کیا۔ اس زمانے کے مشہور اماموں میں سلیمان بن احمد طبرانیؒ (متوفی 360ھ) مؤلف معجم الکبیر، معجم الاوسط اور معجم الصغیر، امام دار قطنیؒ (متوفی 385ھ)، ابن حبّان البتیؒ (متوفی 345ھ) ابن خزیمہؒ (متوفی 311ھ) اور امام طحاویؒ (متوفی 321ھ) ہیں۔ کچھ صحیح حدیثیں تیسری صدی ہجری کی کتب حدیث میں جمع ہونے سے رہ گئی تھیں۔ بعد کے دور میں علماء حدیث نے استدراک کر کے انہیں جمع کر دیا۔ (استدراک سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیثیں پہلے مجموعوں میں نہ ہوں، اصطلاح میں ایسی کتاب کو مستدرک کہتے ہیں) ان میں قابل ذکر ابو عبداللہ حاکم نیشا پوری ہیں جن کی مستدرک حاکم مشہور ہے۔

14.4 حدیث کی بعض ابتدائی کتابیں

کتابت و تدوین حدیث کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول کی حدیثوں کے مختلف مجموعے آپ کی زندگی میں تیار کر لیے تھے۔ کتابت حدیث کا کام آئندہ دور میں بھی جاری رہا۔ البتہ حدیث کی باضابطہ تدوین دوسری صدی ہجری میں شروع ہوئی اور اسی دوران حدیث کی متعدد ابتدائی کتابیں تالیف ہوئیں۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

14.4.1 مؤطا امام مالک

کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد مؤطا امام مالک اسلامی کتب خانے کی دوسری کتاب ہے۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں حدیث کے سینکڑوں مجموعے وجود میں آئے۔ مؤطا امام مالک کی تالیف کا زمانہ بھی یہی ہے۔ حدیث کے دیگر مجموعوں کے برعکس مؤطا امام مالک کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی تالیف و تدوین مرکز وحی و نبوت مدینہ منورہ میں ہوئی جہاں کہ علوم نبوی کا سب سے بڑا خزانہ تھا۔ کیوں کہ بڑے بڑے صحابہ اور اکابر تابعین اس شہر میں رہتے تھے۔ امام مالک نے اسے مکمل کر کے جب مدینہ کے شیوخ حدیث کے سامنے پیش کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔

مؤطا کے لغوی معنی، روندا ہوا یا چلا ہوا کے ہیں۔ امام مالکؒ نے اس کتاب کا نام مؤطا اس لیے رکھا کہ یہ وہ پامال (مؤطا) راستہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہ گزرے۔ گویا یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کرام کا عمل رہا ہے اور جمہور سلف جن پر چلتے رہے ہیں۔

شروع میں امام مالکؒ نے مؤطا کے اندر دس ہزار حدیثیں جمع کی تھیں لیکن کاٹ چھانٹ کے ذریعہ آٹھ ہزار حدیثیں انہوں نے نکال دیں۔ اب مؤطا کے اندر کل 1720 حدیثیں ہیں جن میں چھ سو حدیثیں مسند اور مرفوع ہیں۔ 235 حدیثیں موقوف ہیں، 285 تابعین کے اقوال اور فتوے ہیں اور 75 اقوال امام مالک کے ہیں۔ مؤطا امام مالک کا موضوع فقہی مسائل ہیں اس لیے اس کی ترتیب بھی فقہی ہے۔ علماء حدیث نے مؤطا کو بخاری و مسلم کے ساتھ پہلے درجے کی کتب حدیث میں شامل کیا ہے۔ مؤطا کا ایک امتیاز یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کلام اللہ کے بعد جو کتاب آئی وہ کلام الرسول کا یہی صحیح ترین مجموعہ تھا۔ نقش اول ہونے کے باوجود یہ ایک مکمل کتاب ہے۔ بڑے بڑے علماء اور فقہاء نے مؤطا کو امام مالک سے روایت کیا ہے۔ مؤطا کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں بیان کی ہوئی حدیثیں صرف تین چار واسطوں سے ہی نبی اکرم ﷺ تک پہنچ جاتی ہیں۔ مؤطا کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے عہد عباسی کے پانچ خلفاء مہدی، ہادی، ہارون رشید، مامون اور امین نے اس کے مطالعے کے لیے بغداد سے حجاز تک کا سفر کیا۔

موطا کے مؤلف امام مالکؒ ہیں جنہیں امام دارالہجرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں پر اکابر تابعین اور فقہائے مدینہ کے سایے میں ان کی تمام تعلیم و تربیت ہوئی۔ اور حدیث و فقہ کے علوم میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ انہوں نے بیس ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جو صرف تین واسطوں سے اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ ان کے سلسلہ روایت عن مالکؒ عن نافعؒ عن ابن عمرؓ کو دنیا سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حدیث کے علاوہ امام مالک فقہ کے بھی امام تھے۔ اور ان سے منسوب ایک پوری فقہ 'فقہ مالکی' موجود ہے۔ امام مالکؒ بہت ہی اہتمام سے حدیث کا درس دیتے تھے۔ ان کا درس مسجد نبوی میں ہوتا تھا۔ 62 برس تک مسجد نبوی میں درس دینے کے بعد 86 برس کی عمر میں 179ھ میں (11 ربیع الاول) کو وفات پائی۔

14.4.2 مسند احمد بن حنبل

مسند احمد بن حنبل کا شمار حدیث کی مشہور ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس میں مسند کی عام کتابوں کی طرح صحابہ کی ترتیب پر حدیثیں مرتب کی گئی ہیں۔ ترتیب میں زیادہ تر سبقت فی الاسلام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن پورے طور پر اس اصول کا التزام نہیں ہو پایا ہے۔ مسند احمد 172 اجزا پر مشتمل ہے اور سات سو صحابہ کرام کی حدیثوں کا مجموعہ ہے' جن کی تعداد تیس اور چالیس ہزار بتائی جاتی ہے (مکررات کے حذف کے ساتھ تیس ہزار اور مکررات کے ساتھ چالیس ہزار)۔

مسند کی تالیف میں امام احمد بن حنبلؒ نے غیر معمولی احتیاط سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد حدیثوں سے منتخب کیا تھا۔ خود فرماتے ہیں' میں نے اس کتاب کو لوگوں کے لیے امام و حجت بنایا ہے تا کہ اختلاف کے وقت وہ اس کی جانب رجوع کر سکیں۔ اگر اس میں کوئی حدیث مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کسی ایسی حدیث کو تسلیم نہ کریں جو اس میں موجود نہ ہو۔ علماء حدیث مسانید کو سنن سے نچلے درجے میں رکھتے ہیں لیکن مسند احمد کی حیثیت ان سے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسند احمد کو دوسرے درجے کی کتابوں سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی سے قریب تر رکھا ہے۔ محدثین ہر زمانے میں مسند احمد سے اخذ و استفادہ کرتے رہے ہیں اور اس کا شمار حدیث کی امہات کتابوں میں ہوتا ہے۔ مسند احمد کی بعض خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ مسند احمد سے بڑا کوئی دوسرا مجموعہ حدیث نہیں ہے۔

2۔ مسند احمد حدیث کی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔

3۔ مسند احمد میں تین سو ثلاثی حدیثیں ہیں۔

مسند احمد بن حنبل امام احمد کی عمر بھر کی محنت کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے اسے مسودہ کی شکل میں چھوڑا تھا اس لیے ان کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ نے مسند کی جمع و ترتیب کا کام کیا اور مسند کی روایات کے مشابہ دوسری روایات بھی اس میں شامل کر دیں۔ بعد کے ادوار میں مسند احمد کی بہت ساری شرحیں اور حواشی بھی لکھے گئے جو اس کی عام مقبولیت کے مظہر ہیں۔

مسند احمد امام احمد بن حنبل کی تالیف ہے جو حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی امامت کے مرتبے پر فائز ہیں۔ 164ھ میں بغداد میں

پیدا ہوئے۔صرف تین سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوگیا۔بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا اور صرف سات برس کی عمر میں حدیث پڑھانا شروع کردی تھی۔ چوں کہ والد کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں والدہ نے ادا کیں۔امام صاحب کی بیشتر تعلیم بغداد میں ہی ہوئی۔اور عمر کا زیادہ تر حصہ بھی یہیں گزرا۔عباسی خلفاء کے دور میں عجمی اثرات کے تحت جب یونانی منطق و فلسفے کا زور بڑھا اور معتزلہ کو عروج حاصل ہوا تو کلامی بحثوں کے نتیجے میں عقائد کے بہت سے مسائل پیدا ہوگئے،ان میں خلق قرآن کا مسئلہ بھی تھا۔امام احمد بن حنبل ؒ نے اس کے خلاف نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ حکمرانوں کی تمام تر ابتلا اور آزمائشوں کے مقابلے میں ہمیشہ حق پر قائم رہے اور کبھی بھی کسی قسم کی مداہنت سے کام نہیں لیا۔انہیں قید و بند کی صعوبتیں ہی نہیں برداشت کرنی پڑیں بلکہ کوڑے بھی لگائے گئے۔12 / ربیع الاول 241ھ کو 77 سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔تقریباً آٹھ لاکھ لوگوں نے جنازے میں شرکت کی۔

14.4.3 مصنف ابن ابی شیبہ

مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ کی سب سے مشہور کتاب ہے۔یہ حدیث کی اہم اور بلند پایہ کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ جامع اور مبسوط مصنف ابن ابی شیبہ ہی ہے۔مصنف کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔اور محدثین کے طریقے کے مطابق اس کو سندوں کے ساتھ فقہی کتابوں کی طرح ابواب و کتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔کتاب کا آغاز کتاب الطہارۃ سے ہوتا ہے۔شاہ ولی اللہ دہلوی نے مصنف ابن ابی شیبہ کو تیسرے طبقے کی کتب حدیث میں شمار کیا ہے۔'مُصَنَّف' کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر مرویات (روایت کردہ حدیثیں) صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔اس سے امام بخاری نے تیس اور امام مسلم نے 1540 روایات کی تخریج کی ہے۔سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں کثرت سے حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہ سے لی گئی ہیں۔اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وہی روایتیں لی گئی ہیں جن سے کوئی فقہی مسئلہ نکلتا ہو۔احکام و مسائل کا یہ جامع اور مستند مجموعہ ہے۔اس میں اہل حجاز اور اہل عراق دونوں کی روایات بغیر کسی ترجیح کے نقل کی گئی ہیں۔اس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مرفوع اور متصل روایات کے ساتھ ساتھ مرسل، منقطع اور موقوف حدیثیں بھی ہیں اور صحابہ کے آثار، تابعین کے فتاوے اور فقہا وغیرہ کے آراء و اقوال بھی بیان کئے گئے ہیں۔اس سے ہر حدیث کے متعلق سلف کے تعامل اور ائمہ کے اتفاق و اختلاف کا پتہ چل جاتا ہے۔مصنف کے قلمی نسخے ہندوستان سمیت دنیا کے مختلف ملکوں کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔اب یہ کتاب ڈاکٹر محمد عوامہ کی تحقیق سے شائع ہوگئی ہے۔

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ معروف بہ امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ 159ھ میں واسط (عراق) میں پیدا ہوئے۔ان کا خاندان مولیٰ ہونے کے باجود علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔انہوں نے اپنے زمانے کے نامور علماء و محدثین سے اکتساب فیض کیا۔ان کی زندگی کا بیشتر حصہ کوفہ اور واسط میں گزرا لیکن دوسرے مراکز حدیث کے علماء سے بھی انہوں نے استفادہ کیا تھا۔بعد کے زمانے کے علماء حدیث نے علم حدیث میں ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے اور ان کے حفظ و ضبط کو بھی سراہا ہے۔اسی طرح علماء حدیث نے ان کی ثقاہت کا بھی اعتراف کیا ہے۔8/ محرم 235ھ کو 74 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔'مصنف' کے علاوہ وہ کئی دوسری کتابوں کے بھی مصنف تھے۔جو اس وقت نایاب ہیں۔

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں پہلے پہل کتابت حدیث اور تدوین حدیث کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ حدیثیں اللہ کے رسول کے ایک عرصہ بعد نہیں بلکہ آپ کے زمانے میں ہی صحابہ کرامؓ نے قلم بند کرنی شروع کر دی تھیں۔ اس سلسلے میں نبی کے مکتوبات کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے تیار کردہ صحف احادیث کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ ہاں حدیثوں کی تدوین کا باضابطہ آغاز دوسری صدی ہجری کے شروع میں ہوا۔ اس کے بعد کتابت حدیث کے مختلف ادوار اور مرحلہ وار ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں حدیث کی تین ابتدائی کتابوں کا تفصیلی تعارف دیا گیا ہے جو دوسری صدی ہجری کے دوران اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں تالیف ہوئیں۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ عہد صحابہ میں کتابت حدیث پر روشنی ڈالیے۔

2۔ موطا امام مالک کی امتیازی خصوصیات پر مشتمل ایک تعارفی نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ مسند امام احمد بن حنبل کا تعارف کرائیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ عہد نبویﷺ اور عہد صحابہؓ میں کتابت حدیث پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

2۔ عہد تابعین و تبع تابعین اور تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کی کوششوں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ حدیث کی ابتدائی کتابوں میں سے کسی دو کا تعارف کرائیے۔

14.7 تجویز کردہ کتابیں

1۔ تدوین حدیث : مولانا مناظر احسن گیلانی

2۔ تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی

3۔ معجم اصطلاحات الحدیث : ضیاء الرحمٰن الاعظمی/سہیل حسن بن غفار حسن

4۔ کلام نبوت، جلد اول : محمد فاروق خاں

5۔ سنت رسولؐ : مصطفیٰ حسن سباعی/ اردو ترجمہ ملک غلام علی

6۔ علم حدیث ایک تعارف : محمد فاروق خاں

7۔ علوم الحدیث : ڈاکٹر صبحی صالح/ غلام احمد حریری

8۔ اصطلاحات حدیث۔ تعریف اور تشریح : ڈاکٹر محمود الطحان/مظفر حسین ندوی

اکائی 15 : حدیث کی اصطلاحات اور قسمیں (حصہ اول)

اکائی کی ساخت

15.1 تمہید

15.2 مقصد

15.3 اصول حدیث: تعریف اور تاریخ

15.3.1 اصول حدیث

15.3.2 اصول حدیث کی تعریف

15.3.3 اصول حدیث کی تاریخ

15.4 حدیث کی بنیادی اصطلاحات

15.5 حدیث کی بنیادی قسمیں

15.5.1 ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

15.5.2 قوت وضعف کے لحاظ سے خبر واحد کی قسمیں

15.6 اکتسابی نتائج

15.7 نمونہ امتحانی سوالات

15.8 تجویز کردہ کتابیں

15.1 تمہید

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت، اقوال، افعال، اور تقریرات کی جمع وتدوین اور حفاظت جس طریقے سے کی اور ان کی اس کوشش کے نتیجے میں احادیث رسول ﷺ سے متعلق جو اصول اور علوم وجود میں آئے آج وہ اسلامی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے رسول ﷺ کی باتوں کو سنا اور ان پر خود عمل پیرا ہوئے بلکہ رسول مقبول ﷺ کے ارشاد و ہدایت کے مطابق ان کی تعلیمات کو اپنے بعد والوں تک پہنچایا

بھی اوراس طرح پہنچایا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج رسول مقبول ﷺ کی حدیثیں نہ صرف یہ کہ اپنے الفاظ کے ساتھ محفوظ ہیں بلکہ ان اصولوں اور اصطلاحات وغیرہ کے ساتھ محفوظ ہیں جن کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ان کی صحت کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے بلکہ ان کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے میں بھی ان سے مدد ملتی ہے۔

15.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ علوم حدیث کا ایک طالب علم حدیث کے معنی ومفہوم اور مقام ومرتبہ کو جان لینے کے بعد علم حدیث کے ان بنیادی اصولوں اور مقدمات کو بھی جان لے، جن کو جانے بغیر حدیث کا مطالعہ اور اس سے اخذ واستفادہ ممکن نہیں۔ اس اکائی میں کوشش کی گئی ہے کہ اصول حدیث کی تعریف وتاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی بنیادی اور ضروری اصطلاحات کا بھی ایک مختصر اور جامع تعارف پیش کر دیا جائے۔ اسی طرح حدیث کی مختلف اقسام کا تذکرہ بھی اس اکائی میں کر دیا گیا ہے۔

15.3 اصول حدیث تعریف اور تاریخ

15.3.1 اصول حدیث

حدیث اور اصول حدیث دو ایسے علم ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور وابستہ ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اصول حدیث کی حیثیت علم حدیث کے لیے مقدمے کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے اصول حدیث یعنی علم حدیث کی بنیاد اور جڑ کا نام دیا گیا ہے۔ اصول حدیث کو علوم الحدیث اور مصطلح الحدیث کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

15.3.2 اصول حدیث کی تعریف

وہ علم ہے جس کے ذریعہ حدیث کی سند اور متن کے احوال کی معرفت حاصل کی جاتی ہے تاکہ حدیث کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

- موضوع : اس علم کا موضوع سند اور متن ہے۔
- مقصد : اس علم کا مقصد یا غایت یہ ہے کہ صحیح اور سقیم احادیث کے درمیان خط امتیاز کھینچا جا سکے۔

15.3.3 اصول حدیث کی تاریخ

علم حدیث کا ہر طالب علم یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ روایت (حدیث بیان کرنا) اور نقل اخبار سے متعلق بنیادی باتیں اور اصولی چیزیں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**یا ایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا**''۔ (اے ایمان والو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (الحجرات 6)۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد پاک ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے جوں کا توں دوسروں تک

پہنچا دیا بسا اوقات بات جسے پہنچائی جاتی ہے وہ پہنچانے والے سے بڑھ کر محفوظ کر لیتا ہے۔(ترمذی، کتاب العلم)۔ مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یہ بات پورے طور پر کھل کر سامنے آتی ہے کہ خبروں کو قبول کرنے سے متعلق حقیقت کی جستجو کرنے، پوری ہوش مندی سے انہیں ذہن نشین کر کے محفوظ کر لینے اور دوسروں تک پہنچانے میں باریک بینی سے کام لینے کی اساس اور بنیاد قرآن وسنت میں موجود ہے۔

صحابہ کرام اللہؓ اور اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے احادیث کو قبول کرنے اور پھر دوسروں تک انہیں پہنچانے کے سلسلے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ بیان کرنے والے کی راست گوئی کے بارے میں کسی طرح کا شبہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف بیان کرنے والے پر اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ اس نے جس سے سنا ہوتا اس کے بارے میں بھی پوچھتے۔ اس طرح احادیث کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کے لیے ایک نئے موضوع کی بنیاد پڑی جسے اسناد یعنی خبر کو نقل کرنے والے ذرائع کا بیان کہتے ہیں۔ اصول حدیث میں اسناد کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم کے مقدمے میں محدث ابن سیرینؒ کا قول نقل کیا گیا ہے۔

> ''لوگ اسناد کے متعلق استفسار نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنوں کا دور آ گیا تو لوگ حدیث کی روایت کرنے والے سے کہتے کہ جن واسطوں سے تم یہ حدیث بیان کر رہے ہو پہلے ان کے نام بتاؤ' پھر دیکھا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اہل سنت ہیں تو ان سے حدیث قبول کر لی جاتی اور اگر واسطوں کا تعلق اہل بدعت سے ہوتا تو حدیث قبول نہ کی جاتی۔''(مقدمہ، صحیح مسلم)

اس طرح مسلمانوں کے اندر سند کی معرفت کے بغیر حدیث کو قبول نہ کرنے کی روایت وجود میں آئی۔ اور پھر اس کی بنیاد پر جرح وتعدیل (یعنی راویوں کے بارے میں چھان بین) سند متصل اور سند منقطع کی معرفت اور روایت کے چھپے ہوئے فنی نقائص کی پہچان کا علم وجود میں آیا۔ اور حدیث بیان کرنے والے بہت سے لوگوں پر تنقید بھی کی گئی۔ البتہ دور اول میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی ایسے راویوں کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جن پر تنقید کی گئی ہو۔

بعد میں حدیث کے عالموں اور ماہرین نے اس دائرے کو اور بڑھا دیا جس کے نتیجے میں حدیث کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے علوم اور ان کے متعلقات پر بحث کا آغاز ہوا۔ مثال کے طور پر حدیث کے الفاظ کو صحیح طور پر یاد کرنا، محفوظ طریقے سے دوسروں تک پہنچانے کی کیفیت، ناسخ ومنسوخ اور غریب (نامانوس) حدیث کی پہچان وغیرہ کرنے والے علوم۔ البتہ اس دوران بھی احادیث کے بارے میں بحث وتمحیص کا یہ سارا عمل صرف اہل علم کے درمیان اور زبانی طور پر جاری رہا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دوران کچھ ایسی کتابیں وجود میں آئیں جن میں حدیث سے متعلق علوم کو تحریری شکل میں پیش کیا گیا۔ البتہ اس وقت بھی یہ علوم (اصول حدیث) دوسرے علوم کی کتابوں میں درج ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر امام شافعی کی کتابوں 'الرسالہ' اور 'کتاب الام' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں جب مسلمانوں کے اندر مختلف علوم وفنون کو خوب ترقی حاصل ہوگئی اور جب یہ علوم وفنون پختگی کے اس مرحلے میں داخل ہوگئے جہاں مختلف علوم وفنون کی الگ شناخت قائم ہوسکتی تھی، اس وقت کہیں جا کر اصول حدیث پر باضابطہ کتابیں لکھی جانی شروع ہوئیں اور اسے باضابطہ ایک علم کی شکل دی گئی۔ اس موضوع پر شاید سب سے پہلی کتاب ''المحدث الفاصل بین الراوی والواعی'' ہے جسے قاضی ابو

محمد حسن بن عبدالرحمان بن خلاد رامہرمزی (متوفی 360ھ) نے لکھا ہے۔اس کے بعد ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری (متوفی 405ھ) کی معرفة علوم الحديث ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (متوفی 430ھ) کی کتاب المستخرج على معرفة علوم الحديث، خطیب بغدادی (متوفی 463ھ) کی الكفاية فی علم الروايه، ابن صلاح (متوفی 643ھ) کی علوم الحديث اورالنووی (متوفی 676ھ) کی التقريب جیسی اصول حدیث کی اہم کتابیں لکھی گئیں۔

15.4 حدیث کی بنیادی اصطلاحات

حدیث:

حدیث کے لغوی معنی جدید یا نئی چیز کے ہیں۔اس کے ایک معنی بات کرنے کے بھی ہیں۔اصطلاح میں حدیث ہر اس قول، فعل، تقریر اور صفت کو کہتے ہیں جس کی نسبت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔

خبر:

خبر کے لفظی معنی عام خبر کے ہیں اور اس کی جمع اخبار ہے۔اصطلاح کے طور پر خبر کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

1۔ خبر حدیث کا ہم معنی لفظ ہے یعنی خبر اور حدیث دونوں ہم معنی اور مترادف ہیں۔

2۔ خبر کا لفظ حدیث کا بالکل برعکس معنی رکھتا ہے۔یعنی حدیث وہ کلام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ کلام ہے جو آپؐ کے سوا کسی اور سے منقول ہو۔

3۔ خبر حدیث سے زیادہ عام لفظ ہے۔یعنی حدیث اس کلام کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ کلام ہے جو حضورؐ یا آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے منقول ہو۔

اثر:

اثر کا لفظی معنی کسی چیز کا باقی نشان کے ہے۔اصطلاح میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

1۔ اثر کا لفظ حدیث کا ہم معنی ہے یعنی اثر اور حدیث دونوں ہم معنی اور باہم مترادف لفظ ہیں۔

2۔ اثر کا معنی حدیث کے برعکس ہے یعنی اثر وہ قول یا فعل ہے جس کی نسبت صحابہ کرام یا تابعین کی طرف کی گئی ہو۔

صحابی:

صحابی اس خوش نصیب انسان کو کہتے ہیں جسے ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعی:

تابعی اس خوش نصیب انسان کو کہتے ہیں جسے ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہو اور ایمان کی حالت میں ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

سند:

لغت میں سند کے معنی سہارے کے ہیں۔ اصطلاح میں سند روایت کرنے والوں کے اس سلسلے کو کہتے ہیں جو حدیث کے متن تک پہنچا دے۔

متن:

حدیث کی اصل عبارت یا الفاظ کو متن کہتے ہیں۔

راوی:

جو سند کے ساتھ حدیث کو بیان کرتا ہؤا اسے راوی کہتے ہیں۔

مروی:

جو حدیث یا قول بیان کیا گیا ہؤا اسے مروی کہتے ہیں۔

15.5 حدیث کی بنیادی قسمیں

حدیث کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔

1۔ صریحی:

وہ حدیث جس میں صاف طور پر یہ ذکر ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل یا تقریر ہے۔

2۔ حکمی:

وہ حدیث جس میں قول، فعل یا تقریر کی نسبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو لیکن اس میں جن امور کو صحابی نے نقل کیا ہو وہ ایسے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انہیں بتا نہیں سکتا۔ جیسے قیامت کی علامتیں، نبیوں کے حالات وغیرہ

15.5.1 ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

1۔ متواتر

2۔ آحاد

1۔ متواتر:

اصطلاح میں اس حدیث کومتواتر کہتے ہیں جسے ہر دور میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد نے روایت/ بیان کیا ہوجس کا کہ جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

متواتر احادیث کی بہت بڑی تعداد حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔البتہ آحاد کے مقابلے میں ان کی تعداد کم ہے۔

2۔ آحاد:

آحاد احد کی جمع ہے جو واحد یا ایک کے معنی میں ہے۔اصطلاح میں خبر واحد وہ حدیث ہے جس میں روایت کرنے والے تعداد کے لحاظ سے درجہ تواتر کو نہ پہنچتے ہوں یا جو حدیث متواتر کی شرطوں پر پوری نہ اترتی ہو۔احادیث کا بیشتر ذخیرہ آحاد پر ہی مشتمل ہے۔

خبر واحد کی قسمیں

محدثین نے اخبار آحاد کی تین قسمیں کی ہیں:

1۔مشہور :

اصطلاح میں مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے بیان کرنے والے کسی بھی دور میں تین یا تین سے زیادہ ہوں یعنی جس حدیث کے سلسلہ سند میں راویوں کی تعداد کسی بھی طبقے میں تین سے کم نہ ہو۔

2۔عزیز :

اصطلاح میں عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے بیان کرنے والے کسی بھی دور میں دو سے کم نہ ہوں یعنی سلسلہ روایت/سند میں راویوں کی تعداد کسی بھی دور میں دو سے کم نہ ہو۔

3۔غریب :

اصطلاح میں غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا بیان کرنے والا کسی دور میں ایک ہی راوی ہو یعنی سلسلہ سند کے کسی دور میں ایک ہی راوی ہو۔ غریب کو مفرد بھی کہتے ہیں۔

15.5.2 قوت وضعف کے لحاظ سے خبر واحد کی قسمیں

قوت وضعف کے لحاظ سے آحاد (خبر واحد) کی دو قسمیں ہیں۔

1۔مقبول:

وہ حدیث ہے جو اپنے مضمون (یعنی متن) اورسند کی صحت کے سبب ائمہ حدیث کے نزدیک قابل حجت ہو۔اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

2۔مردود:

وہ حدیث ہے جو اپنے مضمون (یعنی متن) اورسند کے صحیح نہ ہونے کے سبب ائمہ حدیث کے نزدیک قابل حجت نہ ہو۔اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

مقبول حدیث کی دو قسمیں ہیں :

1۔ صحیح 2۔ حسن

1۔صحیح:

صحیح حدیث وہ ہے جس میں درج ذیل باتیں موجود ہوں۔

1۔ اس حدیث کی سند متصل ہو۔
2۔ حدیث کے راوی عادل اور سیرت و کردار کے لحاظ سے قابل اعتماد ہوں۔
3۔ حدیث کے راویوں کا حافظہ درست ہو اور صاحب فراست ہوں۔
4۔ حدیث شاذ نہ ہو (یعنی اس حدیث میں کسی زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت نہ ہو)
5۔ حدیث معلل نہ ہو (یعنی اس میں کوئی علت (مخفی نقص) نہ پائی جاتی ہو)

علمائے حدیث نے صحیح حدیث کی دو قسمیں کی ہیں۔

1 صحیح لذاتہ 2 صحیح لغیرہ

-1 صحیح لذاتہ:

صحیح حدیث میں مذکور اگر تمام شرائط کسی حدیث میں پائی جائیں تو وہ صحیح لذاتہ ہے یعنی اس سے مراد وہ حدیث یا روایت ہے جس کی سند اپنے قائل تک متصل ہو۔اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے۔نیز اس میں کوئی شذوذ (انفرادیت) یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔

-2 صحیح لغیرہ:

اس حدیث کو کہتے ہیں جو حقیقت میں حسن لذاتہ (اس کا ذکر آگے آئے گا) ہو مگر مزید اس جیسی یا اس سے قوی سندوں کے ذریعے بھی منقول ہو۔اس طرح کی حدیث کو صحیح لغیرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے صحیح کا درجہ اپنی سند کی وجہ سے نہیں حاصل ہوا بلکہ اس کی سند کے ساتھ کسی اور سند

کے مل جانے کی وجہ سے وہ صحیح کے درجہ تک پہنچی ہے۔اس کا درجہ حسن لذاتہ سے بلند اور صحیح لذاتہ سے کم ہے۔

2۔حسن:

وہ حدیث جس میں صحیح حدیث کی تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں۔حدیث کے راوی کا صرف تھوڑا حافظہ کمزور ہو تو اس حدیث کو حسن کہیں گے۔

علمائے حدیث نے حسن حدیث کی بھی دو قسمیں کی ہیں۔1 حسن لذاتہ 2 حسن لغیرہ

1- حسن لذاتہ:

خبر واحد جس کے راوی عادل اور ضابط ہوں، سند متصل ہو، حدیث معلل اور شاذ نہ ہو تو وہ حدیث صحیح کہلاتی ہے۔لیکن اگر راوی کا ضبط ضعیف (تھوڑا حافظہ کمزور) ہو تو اس صورت میں اسے حسن لذاتہ کہیں گے۔

2- حسن لغیرہ:

وہ ضعیف روایت جو کئی سندوں سے ثابت ہو مگر ضعف کا باعث راوی کا فسق یا کذب نہ ہو تو اصول حدیث کی اصطلاح میں حسن لغیرہ قرار پائے گی۔یعنی کوئی بھی ضعیف حدیث ذیل کی دو شرطوں کے ساتھ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

(الف) وہ حدیث مزید ایک یا دو سندوں سے ثابت ہو اور یہ دوسری سند بھی اسی جیسی یا اس سے قوی تر ہو۔

(ب) اس روایت کے ضعف کا سبب اس کے راوی کے حافظہ کی کمزوری، سند کا انقطاع یا راویوں کا مجہول ہونا نہ ہو۔

حسن لذاتہ کے مقابلے حسن لغیرہ کا درجہ کم ہے۔

مقبول حدیث کی ایک اور تقسیم:

خبر مقبول کی بعض دوسری اقسام یہ ہیں: 1- محکم 2- مختلف الحدیث 3- ناسخ ومنسوخ 4- متوقف فیہ۔

1- محکم:

اصول حدیث کی اصطلاح میں محکم سے مراد وہ مقبول حدیث ہے جو اپنی جیسی دوسری احادیث سے متعارض نہ ہو۔زیادہ تر حدیثیں اسی قسم کی ہیں اور وہ حدیثیں جو ایک دوسرے سے متعارض ہوں بہت ہی کم ہیں۔

2- مختلف الحدیث:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مختلف الحدیث وہ مقبول حدیث ہے جو اپنی جیسی حدیث کے بظاہر معارض ہو لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان جمع و تطبیق کا امکان موجود ہو۔

یعنی مختلف الحدیث ایسی صحیح یا حسن حدیث ہے جس کے مقابلے میں اسی قوت و مرتبہ کی ایک دوسری حدیث بھی موجود ہو جو ظاہری معنی کے

لحاظ سے اس کی مخالف ہو۔لیکن اس کے باوجود اہل علم وفہم کے لئے ممکن ہو کہ ان دونوں حدیثوں کو قابل قبول شکل میں تطبیق دے دیں۔

3- ناسخ ومنسوخ:

اصول حدیث کی اصطلاح میں ناسخ ومنسوخ کا حکم یہ ہے کہ شارع نے پہلے کوئی حکم دیا پھر بعد میں دوسرا حکم دے کر اس پہلے حکم کو ختم یا زائل کر دیا۔

یعنی اگر مقبول حدیث کے مقابلے میں کوئی دوسری مقبول حدیث آجائے اور دونوں میں مطابقت ممکن نہ ہو تو جو حدیث مقدم (پہلے) ہوگی وہ منسوخ قرار پائے گی۔اور جو موخر (بعد میں) ہوگی اسے ناسخ قرار دیں گے۔شرط یہ ہے کہ دونوں کے راوی ایک ہی درجے کے ہوں۔

4- متوقف فیہ:

جب دو حدیثوں میں تعارض ہو اور دونوں میں تطابق (مطابقت پیدا کرنا) ناممکن ہو اور شان نزول کے لحاظ سے ان میں سے کسی کو ناسخ و منسوخ قرار دینا بھی ممکن نہ ہو (اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے) تو ایسی صورت میں ان دونوں پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

☆ مردود حدیث

حدیث کے علماء نے مردود حدیث کی بہت سی قسمیں کی ہیں اور ان کے الگ نام بھی لکھے ہیں لیکن عام طور پر ان سب کے لیے ضعیف کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ضعیف:

اصول حدیث کی اصطلاح میں ضعیف ہر اس حدیث کو کہتے جس میں حسن حدیث کی ضروری شرطوں میں سے کوئی ایک شرط موجود نہ ہو۔ راویوں کے ضعف کے لحاظ سے ضعیف حدیث کی متعدد قسمیں ہیں، ان میں بعض ضعیف، بعض بہت زیادہ ضعیف، بعض واہی (بے کار) اور بعض منکر (جس کا انکار کیا جائے) ہوتی ہیں۔ان میں بدترین قسم موضوع حدیث کی ہے۔

15.6 اکتسابی نتائج

خلاصہ یہ کہ اصول حدیث کی حیثیت حدیث کو جاننے اور سمجھنے کے لئے مقدمہ کی ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے حدیث کی سند اور متن کے احوال کی نہ صرف معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کو قبول کیا جائے اور کسے قبول نہ کیا جائے۔ یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ روایت اور نقل اخبار سے متعلق اصولی باتیں قرآن مجید اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں موجود ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے قرآن وسنت کے ان اصولوں پر نہ صرف یہ کہ احادیث کو قبول کیا بلکہ انہیں اپنے بعد والوں تک پہنچانے اور محفوظ کرنے کا کام بھی کیا۔ بعد میں جب فتنوں کا زمانہ شروع ہوا تو احادیث کے اخذ وقبول کے لئے قرآن وحدیث کی بنیاد پر اصول اور پیمانے وجود میں آنے شروع ہوئے، یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری میں، جب مختلف اسلامی علوم کی باضابطہ تدوین عمل میں آئی، اصول حدیث کے علم کو بھی اس کے ماہرین نے ایک مستقل علم کی حیثیت دے دی اور اس پر کتابیں بھی لکھیں۔

15.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ ہم تک پہنچنے کے لحاظ سے حدیث کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کون سی ہیں؟ ایک تعارفی نوٹ لکھئے۔

2۔ اخبار آحاد کی قسموں کی وضاحت کیجیے۔

3۔ قوت وضعف کے لحاظ سے خبر واحد کی قسموں پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ اصول حدیث کی تاریخ پر بیان کیجیے۔

2۔ حدیث کی بنیادی اصطلاحات کا تعارف کرائیے۔

3۔ حدیث کی قسموں پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

15.8 تجویز کردہ کتابیں

1۔ معجم اصطلاحات الحدیث : ضیاء الرحمٰن الاعظمی/سہیل حسن

2۔ علوم الحدیث : صبحی صالح/ غلام احمد حریری

3۔ اصطلاحات حدیث۔تعریف اور تشریح : محمود الطحان/مظفر حسین ندوی

4۔ علم حدیث ایک تعارف : محمد فاروق خاں

5۔ تذکرۃ المحدثین : غلام رسول سعیدی

۔:oOo:۔

اکائی 16 : حدیث کی اصطلاحات اور قسمیں (حصہ دوم)

اکائی کی ساخت

16.1 تمہید

16.2 مقصد

16.3 حدیث کی بنیادی قسمیں (تکملہ)

16.3.1 نسبت کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

16.3.2 راویوں کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

16.3.3 راوی پر تنقید (طعن) کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

16.4 حدیث کی کچھ متفرق اصطلاحات

16.5 اکتسابی نتائج

16.6 نمونہ امتحانی سوالات

16.7 تجویز کردہ کتابیں

16.1 تمہید

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت، اقوال، افعال، اور تقریرات کی جمع و تدوین اور حفاظت جس طریقے سے کی اور ان کی اس کوشش کے نتیجے میں احادیث رسول ﷺ سے متعلق جو اصول اور علوم وجود میں آئے آج وہ اسلامی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے رسول ﷺ کی باتوں کو سنا اور ان پر خود عمل پیرا ہوئے بلکہ رسول مقبول ﷺ کے ارشاد و ہدایت کے مطابق ان کی تعلیمات کو اپنے بعد والوں تک پہنچایا بھی اور اس طرح پہنچایا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج رسول مقبول ﷺ کی حدیثیں نہ صرف یہ کہ اپنے الفاظ کے ساتھ محفوظ ہیں بلکہ ان اصولوں اور اصطلاحات وغیرہ کے ساتھ محفوظ ہیں جن کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ان کی صحت کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے بلکہ ان کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے میں بھی ان سے مدد ملتی ہے۔

16.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اصول حدیث کی تعریف و تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی بنیادی اور ضروری اصطلاحات کا بھی ایک مختصر اور جامع تعارف پیش کر دیا جائے۔ اسی طرح حدیث کی مختلف اقسام کا تذکرہ بھی اس اکائی میں کر دیا گیا ہے۔

16.3 حدیث کی بنیادی قسمیں (تکملہ)

16.3.1 نسبت کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں:

حدیث کی جس کی طرف نسبت کی جائے اس لحاظ سے اس کی چار قسمیں ہیں:

(1) حدیث قدسی

(2) حدیث مرفوع

(3) حدیث موقوف

(4) حدیث مقطوع

1۔ حدیث قدسی:

یعنی وہ حدیث جو ذات اقدس یعنی اللہ تعالی کی طرف منسوب ہو۔

اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث قدسی وہ حدیث ہے جو حضور ﷺ سے روایت ہو کر ہم تک اس طرح پہنچے کہ آں حضرت ﷺ نے اس کی نسبت اللہ عز و جل کی طرف کی ہو۔ مطلب یہ کہ حدیث قدسی وہ ہے جس کی روایت نبیؐ اللہ کی طرف منسوب کر کے فرمائیں۔

2۔ حدیث مرفوع:

اصول حدیث کی اصطلاح میں جس قول، فعل، تقریر اور صفت کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی جائے وہ حدیث مرفوع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ قول، فعل، تقریر اور صفت جو نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو وہ مرفوع حدیث ہے۔ خواہ اسے آپ کی طرف کسی صحابی نے منسوب کیا ہو یا کسی تابعی نے یا نچلے درجے کے راویوں میں سے کسی دوسرے راوی 'شخص' نے۔ خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔ اگر حدیث کی سند متصل نہیں ہے تو وہ حدیث ضعیف قرار پائے گی اور اگر سند متصل ہو تو پھر راویوں کے درجے کے اعتبار سے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا جائے گا۔

جیسا کہ اس کی تعریف سے ہی ظاہر ہے، مرفوع حدیث کی چار قسمیں ہیں:

1۔ مرفوع قولی، 2۔ مرفوع فعلی، 3۔ مرفوع تقریری، 4۔ مرفوع وصفی

(1) مرفوع قولی: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حضور ﷺ کا قول نقل کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے یہ فرمایا............

(2) مرفوع فعلی: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث بیان کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا یا کسی دوسرے نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ اس طرح کام کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر صحابی یا تابعی وغیرہ کہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کیا......

(3) مرفوع تقریری: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث بیان کرنے والا یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں میں نے یا کسی دوسرے شخص نے ایسا کیا اور آپ ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ مثال کے طور پر صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے یہ کام کیا گیا۔

(4) مرفوع وصفی: اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث بیان کرنے والا حضور ﷺ کی کسی صفت یا خوبی کو بیان کرے۔ مثال کے طور پر صحابی یا تابعی وغیرہ یہ کہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔

3۔ حدیث موقوف:

اصول حدیث کی اصطلاح میں ایسے قول، فعل یا تقریر کو حدیث موقوف کہا جاتا ہے جس کی نسبت کسی ایک صحابی یا صحابہ کرام کی جماعت کی طرف کی جائے۔ یہ نسبت متصل سند کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور منقطع سند کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(1) موقوف قولی

(2) موقوف فعلی

(3) موقوف تقریری

4۔ حدیث مقطوع:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مقطوع اس قول کو کہیں گے جس کی نسبت تابعی یا اس سے نیچے کے راویوں کی طرف کی گئی ہو۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

(1) مقطوع قولی

(2) مقطوع فعلی

بعض لوگ موقوف اور مقطوع کو اثر کہتے ہیں یعنی یہ لوگ صحابی اور تابعی کے قول وعمل کو بالترتیب موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک مقطوع (حدیثوں) سے شریعت کے احکام میں استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور موقوف کے بارے میں بعض اہل علم کی یہی رائے ہے۔

16.3.2 راویوں کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں:

راویوں کے سے لحاظ سے حدیث کی درج ذیل قسمیں ہیں:

(1)۔مسند(2)۔متصل(3)۔معلق(4)۔مرسل(5)۔معضل(6)۔منقطع

(1) مسند:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مسند وہ روایت ہے جس کی سند اتصال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع (پہنچتی) ہو۔

(2) متصل:

اصول حدیث کی اصطلاح میں متصل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کا سلسلہ شروع سے آخر تک متصل ہو یعنی پوری سند میں کہیں سے بھی کوئی راوی ساقط (غیر موجود) نہ ہو۔خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف۔

(3) مُعلّق:

اصول حدیث کی اصطلاح میں معلق اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کی ابتدا سے ایک یا ایک سے زائد راوی لگاتار چھوڑ دیے گئے ہوں۔ یا پوری سند ہی کو حذف کر دیا گیا ہو۔(اصطلاح حدیث میں ایسا کرنے کو تعلیق کہتے ہیں۔)

(4) مُرسل:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے سلسلے میں تابعی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صحابی کا ذکر نہ ہو یعنی تابعی سے اوپر کا راوی ساقط ہو۔

(5) مُعضل:

اصول حدیث کی اصطلاح میں معضل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے سلسلے سے لگاتار دو راوی چھوڑ دیے گئے ہوں۔

(6) منقطع:

اصول حدیث کی اصطلاح میں منقطع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو یا درمیان میں کوئی مبہم راوی آ گیا ہو یعنی سند کے سلسلے سے کہیں پر ایک یا اس سے زیادہ راوی ساقط ہو گئے ہوں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ منقطع کا اطلاق اسی حدیث پر ہوگا جو معلق، مرسل اور معضل کی تعریف میں نہ آتی ہو۔

حدیث کی درج بالا قسموں میں سند کا سقوط ظاہر ہوتا ہے۔حدیث کی بعض اقسام وہ ہیں جن میں سند کا سقوط ظاہر نہیں ہوتا بلکہ مخفی ہوتا ہے مثلاً مدلّس اور مرسل خفی۔

☆ مدلّس:

اصول حدیث کی اصطلاح میں اس روایت کو مدلّس کہتے ہیں جس میں تدلیس واقع ہوئی ہو۔ذیل میں ہم تدلیس کی تعریف اور اس کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔

تدلیس: عربی زبان میں تدلیس عیب چھپانے کو کہتے ہیں خاص طور پر جب کسی چیز کو بیچنے والا اس کے خریدار سے اس چیز کا عیب چھپائے۔ مدلّس حدیث میں اس کے طالب سے اس حدیث کا عیب چھپا لیا جاتا ہے۔ تدلیس کرنے والے کو مدلّس (ل کے زیر کے ساتھ) کہتے ہیں۔

اصول حدیث کی اصطلاح میں سند کے عیب کو چھپانے اور اس کی ظاہری شکل کو حسین بنا دینے کو تدلیس کہتے ہیں۔ یعنی راوی جس سے روایت کرے اس سے اس کی ملاقات ہو مگر روایت اس نے اس سے براہ راست نہ سنی ہو البتہ الفاظ ایسے استعمال کرے جس سے یہ گمان گزرے کہ اس نے اس سے براہ راست سنی ہے۔

تدلیس کی دو اہم قسمیں ہیں:

1۔ تدلیس الاسناد 2۔ تدلیس الشیوخ

(1) تدلیس اسناد

اصول حدیث کی اصطلاح میں تدلیس اسناد کی تعریف یہ ہے کہ راوی اپنے کسی ہم عصر سے جس سے اسے سماعت حاصل ہو، کوئی ایسی روایت بیان کرے جو درحقیقت اس سے نہ سنی ہو، مگر اس کی جانب نسبت کرتے ہوئے سننے کی صراحت بھی نہ کرے۔

مطلب یہ ہوا کہ ایک راوی نے کسی شیخ سے کچھ روایات سنی ہوتی ہیں اور کچھ کسی دوسرے سے۔ بعض اوقات راوی کوئی حدیث اپنے معروف شیخ کی طرف نسبت کر کے بیان کر دیتا ہے، حالاں کہ وہ روایت اس نے مذکورہ شیخ سے نہیں سنی ہوتی ہے۔ اور اصل شیخ جس سے سنی ہے اس کا نام وہ کسی وجہ سے حذف کر دیتا ہے، اور اس موقع پر قال (اس نے کہا)، عن (فلاں سے) جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن میں سماع کا شبہ اور احتمال تو ہے مگر صراحت نہیں۔

(2) تدلیس شیوخ

راوی اپنے کسی شیخ سے کوئی حدیث روایت کرے، مگر سند بیان کرتے ہوئے اس کے معروف نام کی جگہ اس کی کنیت، نسب یا وصف کا ذکر کرے جو معروف نہ ہو۔ اس عمل سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیخ کی پہچان نہ ہو سکے۔

☆ مرسل خفی:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مرسل خفی اس روایت کو کہتے ہیں جس کو راوی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس نے ملاقات کی ہو یا اس کا ہم زمانہ ہو مگر اس سے روایت نہ سنی ہو اور پھر ایسے لفظ سے روایت کرے جس سے سماع کا احتمال ہوتا ہو مثلاً یوں کہے: ''قال'' (شیخ نے کہا)

تدلیس اور ارسال خفی کے درمیان فرق:

تدلیس اور ارسال خفی کے درمیان فرق یہ ہے کہ ارسال راوی کی اس شخص سے روایت ہے جس سے اس نے نہ سنا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدلّس اور مرسل میں سے ہر ایک اپنے شیخ (استاذ) سے وہ روایت کرتا ہے جو اس نے اس سے نہیں سنا اور وہ بھی ایسے لفظ سے جس میں سماع کا

احتمال ہے، لیکن مدلّس نے بسا اوقات اس شیخ سے ان احادیث کے علاوہ جن میں اس نے تدلیس کی ہے دوسری حدیثیں بھی سنی ہوئی ہیں۔ مگر مرسل (مرسل خفی کا راوی) جب ارسال خفی کرتا ہے تو اس نے اس شیخ سے کبھی کچھ سنا ہی نہیں ہوتا۔ البتہ وہ اس کا ہم زمانہ ہوتا ہے یا اس سے ملاقات کی ہوتی ہے۔

مُعنعن (مُعَنْعَن):

معنعن اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ایک راوی اپنے سے پہلے والے راوی سے عن کے لفظ کے ساتھ روایت کرتا ہے مثلاً وہ کہے: عن عروۃ عن عائشہ (یعنی یہ روایت مجھ تک عروہ سے اور عروہ تک حضرت عائشہ سے پہنچی) اس سے یہ بات صاف اور واضح نہیں ہوتی کہ اس نے یہ حدیث خود سنی ہے یا درمیان میں کوئی اور بھی ہے جس کو اس نے حذف کر دیا ہے۔ اسی لیے معنعن حدیث میں تدلیس یا ارسال کا شبہ ہوتا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عن یا قال جیسے الفاظ کا استعمال اکثر اہل فن کے نزدیک سماعت کے لیے ہوتا ہے اور اس سے مراد مطلق اجازت اور اتصال کے لیے ہوتا رہا ہے۔ البتہ سماع کے مقابلے میں اس کا مرتبہ بہر حال کم تر ہے۔

مؤنن (مُؤَنَّن):

اصول حدیث کی اصطلاح میں مؤنن وہ حدیث ہوتی ہے جس میں راوی حدثنا فلان ان فلاناً قال (ہم سے فلاں نے بیان کیا کہ اس سے فلاں نے کہا) کے الفاظ استعمال کرے۔ جمہور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اَنّ بھی بالکل عن کی طرح ہے اور اس کی مطلق صورت کو عن کی شرائط کے ساتھ سماع پر محمول کیا جائے گا۔

16.3.3 راوی پر تنقید (طعن) کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں:

دس چیزیں ایسی ہیں جن کو راوی میں طعن کا درجہ دیا گیا ہے اور جن کی وجہ سے حدیث مردود ہو جاتی ہے۔ ان میں سے پانچ کا تعلق عدالت و ثقاہت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط و حفظ سے ہے۔

(الف) جو پانچ باتیں راوی کی عدالت وثقاہت کو مجروح کرتی ہیں:

1۔ کذب یعنی جھوٹ

2۔ جھوٹ کی تہمت

3۔ فسق (تقوی کا فقدان)

4۔ بدعت

5۔ جہالت

(ب) پانچ چیزیں جو ضبط وحفظ کو مجروح کر دیتی ہیں۔

1۔ فاش غلطی

2۔ حافظہ کی خرابی

3۔ غفلت اور لاپرواہی

4۔ کثرت اوہام

5۔ ثقہ راویوں کی مخالفت

اس طرح کی مردود روایتوں کی تفصیل اس طرح ہے:

1۔ موضوع :

راوی پر تنقید کا سبب اگر کوئی جھوٹی بات ہو جس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہو تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں موضوع اس جھوٹ کو کہتے ہیں جسے اپنی طرف سے گھڑ لیا جائے اور پھر اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی جائے۔ (نعوذ باللہ) علماء کے نزدیک یہ بدترین روایت ہے اور جانتے ہوئے ایسی روایت کا بیان کرنا ناجائز ہے۔

2۔ متروک :

اگر راوی پر کذب (جھوٹ) کی تہمت لگائی گئی ہو تو اس کی بیان کردہ حدیث متروک کہلائے گی۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں متروک وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب (جس پر جھوٹ کی تہمت لگ چکی ہو) ہو۔ متروک حدیث بھی موضوع کے قریب قریب ہے۔

3۔ منکر :

اگر راوی کے اندر فاش غلطیاں، بہت زیادہ غفلت اور لاپرواہی یا فسق پایا جائے تو اس کی بیان کی ہوئی حدیث منکر کہلائے گی۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں منکر وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی فاش غلطی، بہت زیادہ غفلت اور نمایاں طور پر فسق میں مبتلا ہو۔ ساتھ ہی وہ راوی ضعیف ہو اور اپنے سے ثقہ اور قوی راوی کی مخالفت کرتا ہو۔ اس کا درجہ متروک کے بعد آتا ہے۔

اس کے برعکس وہ حدیث جس کا راوی قوی ہو اور اس کی مخالفت کسی ضعیف راوی نے بھی نہ کی ہو، معروف کہلاتی ہے اور یہ مقبول کی ایک قسم ہے۔

4۔ معلل :

اگر راوی پر تنقید اس وجہ سے کی گئی ہو کہ وہ بہت زیادہ وہم کا شکار ہے تو اس کی روایت کی ہوئی حدیث معلل کہلائے گی۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں معلل وہ حدیث ہے جس کی کوئی ایسی کمزوری معلوم ہو جائے جو اس کی صحت کو مجروح کر دے۔ اگرچہ حدیث اس سے پاک نظر آتی ہو۔ یعنی معلل سے مراد وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی مخفی علت پائی جائے جو اس کے صحیح ہونے پر اثر انداز ہوتی ہو جب کہ ظاہری طور پر وہ بے عیب معلوم ہوتی ہو۔

5۔ مدرج :

اصول حدیث کی اصطلاح میں مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند کو بدل دیا گیا ہو یا حدیث کے متن میں باہر سے ایسے الفاظ شامل کر دیے گئے ہوں جن کے بارے میں متن حدیث ہونے کا شبہ ہو یعنی کوئی خط امتیاز نہ ہو۔

مدرج کی دو قسمیں ہیں (الف) مدرج الاسناد (ب) مدرج المتن

(الف) مدرج الاسناد:

مدرج الاسناد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند میں تغیر اور تبدیلی کر دی گئی ہو۔

(ب) مدرج المتن:

مدرج المتن اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن (اصل عبارت) میں ایسے الفاظ شامل کر دئے جائیں جو متن کا حصہ نہ ہوں لیکن حدیث کے متن سے ان کی علیحدگی ظاہر کرنے کے لیے کوئی علامت باقی نہ رہنے دی گئی ہو۔

6۔ مقلوب :

اصول حدیث کی اصطلاح میں وہ حدیث مقلوب کہلاتی ہے جس کی سند میں راویوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہو یا متن حدیث کے الفاظ مقدم و مؤخر ہو گئے ہوں، یعنی سند یا متن میں الٹ پھیر ہوا ہو۔ مقلوب کی بھی دو قسمیں ہیں: (الف) مقلوب الاسناد (ب) مقلوب المتن

(الف) مقلوب الاسناد:

مقلوب الاسناد وہ حدیث ہے جس کی سند کے الفاظ میں تبدیلی کر دی گئی ہو خواہ یہ ناموں کا الٹ پھیر ہو یا ایک نام کی جگہ کوئی دوسرا نام لیا گیا ہو۔

(ب) مقلوب المتن :

مقلوب المتن وہ حدیث ہے جس کے متن کے الفاظ میں راوی نے تقدیم و تاخیر کر دی ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ الفاظ آگے پیچھے ہو گئے ہوں یا ایک حدیث کی سند میں دوسری کا متن جوڑ دیا گیا ہو۔

7۔ المزید فی متصل الاسانید :

اصول حدیث کی اصطلاح میں مزید فی متصل الاسانید اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں جو متصل ہو کسی جگہ ایک راوی کا اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اس اضافے کو ہی فی الواقع مزید فی متصل الاسانید کہا جاتا ہے۔

8۔ مضطرب :

اصول حدیث کی اصطلاح میں مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف طرق (طریقوں) سے مروی ہو اور سب طرق قوت میں مساوی ہوں۔

یعنی مضطرب وہ حدیث ہے جومختلف اور متعارض شکلوں پر مروی ہوجن کو باہم جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ نیز یہ تمام روایتیں ایسے طرق سے مروی ہوں جو ہر لحاظ سے یکساں درجے کے ہوں جس کی وجہ سے کسی ایک طریق یعنی سلسلہ روایت کو دوسرے طرق پر کسی صورت میں ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

9۔ مصحف :

اصول حدیث کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے ان کلمات کو جوثقہ راویوں نے بیان کیے ہوں لفظی ومعنوی طور پر بدل دیا گیا ہو۔ یہ تبدیلی سند میں بھی ہوسکتی ہے اور معنی میں بھی۔

16.4 حدیث کی کچھ متفرق اصطلاحات

1۔ شاذ:

اصول حدیث کی اصطلاح میں شاذ وہ حدیث ہے جسے مقبول راوی نے روایت کیا ہولیکن یہ روایت اس سے بہتر روایت کے خلاف ہو۔ یعنی شاذ وہ حدیث ہے جس میں ثقہ راوی اپنے سے قوی تر راوی کی مخالفت کرتا ہو۔

2۔ محفوظ:

اصول حدیث کی اصطلاح میں محفوظ وہ حدیث ہے جس میں زیادہ ثقہ راوی اپنے سے کم تر ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو یعنی محفوظ حدیث شاذ حدیث کے برعکس ہے۔

3۔ مجہول:

اصول حدیث کی اصطلاح میں مجہول حدیث کے اس راوی کو کہتے ہیں جس کے حالات محدثین کے یہاں معروف نہ ہوں۔ یعنی اس کے مشاغل خصوصا حدیث کے ساتھ اس کا تعلق بالکل اندھیرے میں ہو۔

4۔ متفق علیہ:

محدثین کے نزدیک اس سے مراد امام بخاری وامام مسلم کا کسی حدیث پر متفق ہونا ہے۔ اس سے مراد پوری امت کا اتفاق نہیں ہے تاہم ان دونوں ائمہ کا اتفاق پوری امت کے اتفاق کے مترادف ہے کیوں کہ تمام امت نے ان دونوں محدثین کی احادیث کو قبول کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

5۔ شاہد:

اصول حدیث کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے حدیث کے الفاظ ومعانی کے لحاظ سے یا صرف معنی کے اعتبار سے مشابہ ہو۔ یعنی ایک صحابی کی راویت کی تائید کسی دوسرے صحابی کی روایت اگر کرے تو وہ شاہد کہلائے گی۔

6۔ ثلاثیات:

ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں راوی اور حضورﷺ کے درمیان صرف تین واسطے پائے جاتے ہوں۔

16.5 اکتسابی نتائج

- اصول حدیث کی حیثیت حدیث کو جاننے اور سمجھنے کے لئے مقدمے کی ہے۔

- یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے حدیث کی سند اور متن کے احوال کی نہ صرف معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کو قبول کیا جائے اور کسے قبول نہ کیا جائے۔

- روایت اور نقل اخبار سے متعلق اصولی باتیں قرآن مجید اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں موجود ہیں۔

- اللہ کے رسولﷺ کے صحابہ کرامؓ نے قرآن وسنت کے ان اصولوں پر نہ صرف یہ کہ احادیث کو قبول کیا بلکہ انہیں اپنے بعد والوں تک پہنچانے اور محفوظ کرنے کا کام بھی کیا۔

- بعد میں جب فتنے کا زمانہ شروع ہوا تو احادیث کے اخذ وقبول کے لئے قرآن وحدیث کی بنیاد پر اصول اور پیمانے وجود میں آنا شروع ہوئے یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری میں، جب مختلف اسلامی علوم کی باضابطہ تدوین عمل میں آئی، اصول حدیث کے علم کو بھی اس کے ماہرین نے ایک مستقل علم کی حیثیت دے دی اور اس پر کتابیں بھی لکھیں۔

16.6 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ حدیث مرفوع اور حدیث موقوف کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے ان کی قسموں پر روشنی ڈالیے۔

2۔ تدلیس کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی قسموں کی تفصیلی نوٹ لکھیں، نیز تدلیس اور ارسال کے درمیان فرق واضح کریں۔

3۔ حدیث کی اصطلاحات مضطرب، معنعن، متفق علیہ، شاذ، محفوظ، مجہول، شاہد اور ثلاثیات کا تعارف کرائیں۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ نسبت کے لحاظ سے حدیث کی قسموں کو بیان کریں۔

2۔ راویوں کے لحاظ سے حدیث کی قسموں پر مفصل روشنی ڈالیے۔

3۔ حدیث کے مردود ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

16.7 تجویز کردہ کتابیں

1۔ ضیاء الرحمٰن الاعظمی/سہیل حسن : معجم اصطلاحات الحدیث

2۔ صبحی صالح/غلام احمد حریری : علوم الحدیث

3۔ محمود الطحان/مظفر حسین ندوی : اصطلاحات حدیث۔تعریف اور تشریح

4۔ محمد فاروق خاں : علم حدیث ایک تعارف

5۔ غلام رسول سعیدی: : تذکرۃ المحدثین

۔:oOo:۔

اکائی 17 : حدیث کی مشہور کتابیں (صحاح)

اکائی کی ساخت

17.1 تمہید

17.2 مقصد

17.3 حدیث کی مشہور کتابیں

17.4 طبقات کتب حدیث

17.4.1 طبقہ اول

17.4.2 طبقہ دوم

17.4.3 طبقہ سوم

17.4.4 طبقہ چہارم

17.5 اقسام کتب حدیث

17.6 صحاح ستہ/ کتب ستہ

17.6.1 صحیح بخاری

17.6.1.1 احادیث اور ابواب وغیرہ کی تعداد

17.6.1.2 صحیح بخاری کی خصوصیات

17.6.1.3 صحیح بخاری کی شرحیں

17.6.1.4 امام بخاری: مختصر حالات زندگی

17.6.2 صحیح مسلم

17.6.2.1 صحیح مسلم کی خصوصیات

17.6.2.2 صحیح مسلم کی شرحیں
17.6.2.3 امام مسلم: مختصر حالات زندگی
17.6.2.4 تصانیف وتالیفات
17.7 اکتسابی نتائج
17.8 نمونہ امتحانی سوالات
17.9 تجویز کردہ کتابیں

17.1 تمہید

حفاظت حدیث کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ ایسی بے بہا اور بیش قیمت ہیں کہ دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ انہوں نے اپنے رسول کی زندگی کی پبلک اور پرائیوٹ زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ کر کے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو ایسا آئینہ بنا دیا جس میں ہر مؤمن اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔ مسلمانوں نے حدیث کے سرمایے کو رسول اللہ ﷺ سے سن کر نہ صرف یہ کہ زبانی یاد اور محفوظ کیا بلکہ دور اول سے ہی کتابت حدیث کا اہتمام کیا۔ حدیث کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ الزام غلط، سراسر اتہام اور بہتان تراشی ہے کہ حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے احادیث کے لکھنے کا اہتمام خود نبی ﷺ کے زمانہ میں کر رکھا تھا۔ خود حضور پاک ﷺ نے بعض چیزیں اپنے فرمان سے لوگوں کو نقل کروائیں۔ ابتداء میں مصلحتاً اور ضرورتاً حدیثوں کو لکھنے کی ممانعت کے بارے میں ارشاد رسول ﷺ سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثیں لکھتے تھے۔ بعد میں اجازت مل جانے کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے ایک بڑی تعداد نے حدیثوں کو لکھنے کا اہتمام رکھا اور مختلف صحیفے بھی تیار کیے۔ ان کے بعد تابعین کرام نے بھی اس سلسلے کو اسی طرح جاری رکھا۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق کے مطابق 252 تابعین کے پاس حدیث کے مجموعے تھے یا ان کے شاگردوں نے ان سے حدیثیں لکھیں۔ اور بعد کے ادوار میں دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں کچھ دوسری چیزیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان کی جانے لگیں تو مسلمان علماء نے نہ صرف یہ کہ حدیثوں کی پرکھ اور چھان بین کے لیے ایسے اصول وضع کیے جن کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثوں کو الگ کیا جا سکے بلکہ حدیثوں کے ایسے مستند اور صحیح ترین مجموعے بھی تیار کر دیے جن میں رسول اللہ کے تمام اقوال، افعال، احوال اور اوصاف کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

17.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ علم حدیث کی تاریخ کے طالب علم کو حدیث رسول ﷺ کی ان اہم اور بنیادی کتابوں کے بارے میں کافی معلومات ہو جائے جنہیں کتب حدیث میں امہات کا درجہ حاصل ہے اور جو حدیث کی معتبر اور مستند ترین کتابیں باور کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حدیث کی چھ جامع اور صحیح ترین باور کی جانے والی کتابوں اور ان کے مرتبین کا تعارف کرایا جائے گا۔ اگلی اکائی میں ان حدیث کی دیگر

معروف اور مستند کتابوں اور ان کے مرتبین کا بھی جامع اور مختصر تعارف دیا جائے گا تا کہ طلبہ حدیث کے مستند مجموعوں اور ان کے مرتبین سے کما حقہ واقف ہو جائیں۔

17.3 حدیث کی مشہور کتابیں

حدیث کی مشہور کتابیں بہت زیادہ ہیں۔ان میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کو شہرت دوام حاصل ہوئی اور جو ہر زمانے اور ہر دور میں یکساں طور پر مقبول رہیں۔صحاح ستہ یا کتب ستہ کا شمار انہیں مشہور ترین کتابوں میں ہوتا ہے البتہ صحاح ستہ یا کتب ستہ میں حدیث کی کون سی کتابیں شامل ہیں اس بارے میں علمائے حدیث کے درمیان تھوڑا اختلاف رہا ہے' کچھ لوگ ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شامل کرتے ہیں جب کہ کچھ علمائے حدیث نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔البتہ زیادہ معروف ومقبول روایت کے مطابق صحاح ستہ یا کتب ستہ میں درج ذیل کتابیں شمار ہوتی ہیں۔1۔صحیح بخاری، 2۔صحیح مسلم، 3۔جامع ترمذی، 4۔سنن ابوداؤد، 5۔سنن نسائی، 6۔سنن ابن ماجہ۔مؤطا امام مالک کا درجہ بہت بلند ہے اور اکثر علماء حدیث نے اس کو صحیحین کے برابر درجہ دیا ہے جب کہ کچھ لوگ ان پر بھی اسے فوقیت دیتے ہیں۔ہم نے حدیث کی ابتدائی کتب کے تحت اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

17.4 طبقات کتب حدیث

بعض علماء حدیث نے حدیث کی کتابوں کی صحت، شہرت اور مقبولیت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی درجہ بندی بھی کی ہے جسے طبقات کتب حدیث کے نام سے جانا جاتا ہے۔مشہور ہندوستانی محدث شاہ ولی اللہ دہلوی نے کتب حدیث کے چار طبقات بیان کیے ہیں جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

17.4.1 طبقہ اول

اس طبقے میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک کا شمار ہوتا ہے۔ان کتابوں میں صرف صحیح اور حسن حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ان کتابوں کے علاوہ صحیح ابن حبان، مختار ضیاء قدسی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن سکن، صحیح حاکم اور منتقی ابن جارود کو بھی پہلے طبقے میں جگہ دی گئی ہے۔البتہ صحت کے اعتبار سے بخاری، مسلم اور مؤطا امام مالک کو ان سب پر فوقیت حاصل ہے۔

17.4.2 طبقہ دوم

کتب حدیث کے دوسرے طبقے میں سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی کا شمار ہوتا ہے۔اس طبقے کی کتابوں میں اکثر حدیثیں صحیح اور حسن ہیں، بعض ضعیف روایتیں بھی ان میں آ گئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔اس طبقے کی کتب حدیث میں بیان کی گئی حدیثیں پہلے طبقے کی حدیثوں سے قریب تر ہیں اس لیے انہیں قابل اعتماد مانا گیا ہے۔زوائد کو چھوڑ کر مسند احمد کا شمار بھی اسی طبقے میں ہوتا ہے۔

17.4.3 طبقہ سوم

کتب حدیث کے تیسرے طبقے میں حدیث کی وہ کتابیں آتی ہیں جن میں صحیح اور حسن حدیثوں کے علاوہ ضعیف روایتیں بھی موجود ہیں یہاں تک کہ ان میں شامل بعض حدیثیں متہم بالوضع بھی ہوسکتی ہیں' البتہ قابل اعتماد روایات کا عنصر ان میں غالب ہے۔ سنن دارمی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی، کتب طبرانی، تصانیف طحاوی اور مسند شافعی کا شمار اس طبقے کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ علماء حدیث نے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور زوائد مسند احمد (زوائد مسند سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن کو امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہؒ نے مسند کی تدوین کے وقت اس میں شامل کیا) کے علاوہ مسند طیالسی، مسند سعید بن منصورؒ، مسند ابی یعلیٰ موصلیؒ، مسند عبد بن حمیدؒ، مسند بزار، مسند ابن حریریؒ، تفسیر ابن جریرؒ، تفسیر ابن مردویہؒ، معجم صغیرؒ، معجم کبیرؒ، معجم اوسط للطبرانیؒ وغیرہ کو بھی تیسرے طبقے کی کتب حدیث میں جگہ دی ہے۔

17.4.4 طبقہ چہارم

کتب حدیث کے چوتھے طبقے میں حدیث کی وہ کتابیں شامل ہیں جن میں بیان کی ہوئی حدیثوں کا قرون اولیٰ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ محدثین کو ان کی کوئی اصل نہیں ملی یا پھر انہوں نے ان میں کوئی علت خفیہ (چھپا ہوا عیب) دیکھ کر انہیں نظر انداز کر دیا۔ ان کتب حدیث کی سبھی روایات ضعیف ہیں۔ دیلمی، ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف اس طبقے میں شامل ہیں۔

17.5 اقسام کتب حدیث

مشہور کتب حدیث کے تعارف سے پہلے یہ جان لینا بھی ضرری ہے کہ حدیث کی کتابوں کی معروف ومشہور قسمیں کون کون سی ہیں تا کہ ان کی روشنی میں ان کتب حدیث کو سمجھنا آسان ہوجائے۔ علماء حدیث نے کتب حدیث کی معروف اقسام اس طرح بیان کی ہیں:

-1 صحیح :

جس کتاب کے مؤلف نے اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیثوں کو بیان کرنے کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ

-2 جامع :

جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جن میں آٹھ عنوانوں کے تحت حدیثیں آئی ہوں اور 8 عنوانات یہ ہیں۔ (1) سیر، (2) آداب (3) تفسیر (4) عقائد، (5) فتن (6) احکام، (7) اشراط، (علامات قیامت) (8) مناقب۔ جیسے جامع بخاری، جامع مسلم، جامع ترمذی۔

-3 سنن :

حدیث کی جس کتاب میں صرف احکام سے متعلق حدیثیں ہوں اور جسے فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ

-4 مسند :

حدیث کی اس کتاب کو مسند کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو۔ صحابہ کرام کی ترتیب کو بعض لوگوں نے ان کے مراتب کے اعتبار سے رکھا ہے۔ اور بعض لوگوں نے حروف تہجی کے اعتبار سے۔ جیسے مسند احمد بن حنبل، مسند ابی داؤد طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ۔

-5 معجم :

حدیث کی اس کتاب کو معجم کہتے ہیں جس میں شیوخ کی ترتیب کے اعتبار سے حدیثیں بیان کی گئی ہوں، یہ ترتیب ناموں کے حروف تہجی کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے۔ اور قبائل کے ناموں کے مطابق بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے معجم طبرانی۔

-6 مستدرک :

مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں وہ حدیثیں بیان کی گئی ہوں جو کسی مؤلف کی بیان کی ہوئی شرطوں پر پوری اترتی ہوں مگر اس مؤلف کی کتاب میں موجود نہ ہوں خواہ مؤلف نے جان بوجھ کر انہیں ترک کر دیا ہو یا سہواً ایسا ہوا ہو۔ اس طرح کی کتابوں میں امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین بہت زیادہ مشہور ہے، اسے مستدرک حاکم بھی کہا جاتا ہے۔

-7 مستخرج :

حدیث کی اس کتاب کو مستخرج کہتے ہیں جس میں کسی کتاب کی حدیثوں کو ثابت کرنے کے لئے اس کتاب کے مؤلف کے علاوہ ان حدیثوں کو اپنی سند سے بیان کیا گیا ہو اور یہ سند کتاب کے مؤلف کے شیخ سے یا اس سے اوپر جا کر ملتی ہو اور مؤلف کتاب اس میں حائل نہ ہو۔ جیسے مستخرج ابوعوانہ علی المسلم، مستخرج ابی بکر اسماعیل علی البخاری،

-8 رسالہ :

جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو اسے رسالہ کہتے ہیں۔ جیسے آداب میں امام احمدؒ کی کتاب الزہد اور تفسیر میں ابن جریر طبری کی کتاب۔

-9 اربعین :

جس کتاب میں چالیس حدیثیں بیان کی گئی ہوں: جیسے اربعین نووی

-10 امالی :

امالی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں شیخ کے املا کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں، جیسے: امالی امام محمد۔

17.6 صحاح ستہ/کتب ستہ

پہلے ذکر کیا جا چکا کہ حدیث کی چھ صحیح ترین کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں ان میں سب سے بلند پایہ کتاب امام بخاری کی صحیح بخاری ہے۔

17.6.1 صحیح بخاری

صحیح بخاری کا اصل نام 'الجامع الصحیح المسند من امور رسول اللہ و سننہ و ایامہ' ہے۔اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی جامعیت اور صحت کو دیکھتے ہوئے اس کا اس سے بہتر کوئی دوسرا نام نہیں ہوسکتا تھا۔ایک ایسے دور میں جب حدیثوں کی کتابت اور تدوین کا کام بڑے پیانے پر ہو رہا تھا' امام بخاری پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کے بے شمار مجموعوں میں سے صرف صحیح ترین حدیثوں کو چھان پھٹک کر اکٹھا اور یکجا کیا۔

17.6.1.1 احادیث اور ابواب وغیرہ کی تعداد

صحیح بخاری میں تقریباً دس ہزار (بعض کے مطابق نو ہزار) حدیثیں ہیں جو چھ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کر کے لکھی گئی ہیں۔امام نووی اور شیخ ابن صلاح کے مطابق بخاری میں کل سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور ان میں اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل چار ہزار حدیثیں بچ رہتی ہیں۔صحیح بخاری میں کتابوں کی تعداد 160 ہے اور تراجم ابواب تین ہزار چار سو پچاس کی تعداد میں ہیں۔امام بخاری نے اپنے جن شیوخ سے صحیح بخاری کے اندر حدیثیں لی ہیں ان کی تعداد دو سو نواسی ہے۔صحیح بخاری میں 22 روایتیں ایسی ہیں جو نبی کریم سے صرف تین واسطوں کے ذریعے امام بخاری تک پہنچتی ہیں۔انہیں ثلاثیات کہتے ہیں اور امام صاحب کو ان پر بڑا فخر تھا۔

17.6.1.2 صحیح بخاری کی خصوصیات

صحیح بخاری حدیث کی پہلی کتاب ہے جس میں حدیث کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا گیا۔امام بخاری نے انتہائی محنت اور کوشش کے ذریعہ پہلے لاکھوں حدیثیں جمع کیں، پھر ان پر ناقدانہ نظر ڈالی اور حدیث کے اصول وقواعد کو استعمال کرتے ہوئے ان میں سے تقریباً دس ہزار حدیثوں کا انتخاب کر کے انہیں ایک جلد میں جمع کر دیا۔صحیح بخاری کی تدوین کے لیے امام بخاری نے سب سے پہلے حدیثوں کے درجے مقرر کیے، ان کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا اور کوشش کی کہ صحت وسند کے اعتبار سے مستفیض، متواتر اور حسن حدیثیں جمع کی جائیں، اس کے بعد صحیح حدیثوں کو لیا جائے مگر صحیح سے نیچے درجے کی حدیثوں (مثلاً مطلق حسن) کو صحیح بخاری میں جگہ نہ دی جائے۔گو اس طرح کا التزام صحاح ستہ کی بقیہ پانچ کتابوں میں بھی ان کے مؤلفین نے کیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مؤطا امام مالک بھی اس خصوصیت میں ان کی شریک ہے لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس التزام کو جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ امام بخاری نے برتا ہے اس کی نظیر حدیث کے کسی بھی دوسرے مجموعے میں نہیں ملتی۔صحیح بخاری کی ترتیب فقہی ہے اور ترتیب احادیث میں فقہی فوائد کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بخاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی احادیث سے امام بخاری اس زمانے کی معاشرت کا بھی پتہ لگاتے ہیں اور معمولی واقعات سے نہایت مفید نتائج نکالتے ہیں۔علماء تحقیق وتنقید اور چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بخاری حدیث کی وہ واحد کتاب ہے جس میں سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔اس طرح صحیح بخاری حدیث کی صحت، احتیاط، قوت رواۃ، اتصال اسناد اور اس قسم کی دوسری بہت سی بے نظیر خوبیوں کے سبب علماء حدیث کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار پاتی ہے۔

17.6.1.3 صحیح بخاری کی شرحیں

حدیث کی کتابوں میں جتنی مقبولیت اور شہرت صحیح بخاری کو حاصل ہوئی کسی بھی دوسری کتاب کو نہیں ملی۔یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے

میں اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے۔ صاحب کشف الظنون نے صحیح بخاری کی 53 شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم حدیث مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے سیرۃ البخاری میں اس کی 143 شرحوں کے نام لکھے ہیں۔ ایک پاکستانی اسکالر محترمہ غزالہ بٹ نے اپنے ایم اے کے مقالے (برائے پنجاب یونی ورسٹی لاہور، 1969ء) میں بخاری کی دوسو سات شرحوں اور حواشی کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ترجموں کا تعلق ہے صرف اردو زبان میں ہی اس کے 27 تراجم (تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے) معلوم وموجود ہیں۔

17.6.1.4 امام بخاری: مختصر حالات زندگی

امام بخاری کا پورا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ان کے جد اعلیٰ بردزبہ فارس (ایران) کے رہنے والے اور مذہباً مجوسی تھے۔ ان کے بیٹے مغیرہ نے اسلام قبول کرلیا۔ امام صاحب کے خاندانی احوال کچھ زیادہ نہیں معلوم لیکن ان کے والد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا شمار معتبر محدثین میں ہوتا تھا۔ امام بخاری اپنے نام سے زیادہ اپنے وطن کی نسبت سے مشہور ہیں۔ بخارا ان کا وطن ہے اسی لیے بخاری کہلاتے ہیں۔ وہیں پر دوسری صدی ہجری کے اواخر یعنی 194ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ انہیں اور ان کے بڑے بھائی کو لے کر مکہ چلی گئیں اور وہیں پر امام صاحب کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں فقہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علم حدیث کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنے زمانے کے باکمال اساتذہ سے اس فن کی تعلیم حاصل کی جن میں اسحاق بن راہویہؒ اور علی بن المدینیؒ کے نام سب سے نمایاں ہیں۔ امام بخارا کا حافظہ بہت قوی تھا۔ استاد سے جو حدیث بھی سنتے فوراً یاد کرلیتے۔ ابتدا میں کتابت حدیث کے سخت خلاف تھے لیکن بعد میں ضروریات زمانہ کے تحت انہوں نے اپنی رائے بدل لی۔ امام بخاریؒ نے اپنے دور کی مسلم دنیا کے تمام اہم شہروں مثلاً بغداد، بصرہ، خراسان، کوفہ، خوارزم، حجاز اور شام ہر مقام پر پہنچ کر اور سفر کی مشکلات برداشت کرکے وہاں کے ائمہ فن سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تکمیل تعلیم سے پہلے ہی ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔

مکہ کے علاوہ امام بخاری کا قیام اس دوران بصرہ اور نیشاپور میں رہا جو ان دنوں مختلف علوم وفنون کے بہت بڑے مرکز تھے۔ آخر میں اپنے وطن بخارا آ گئے لیکن آخری وقت میں حاکم بخارا سے بعض اختلافات کے سبب ان کو بخارا چھوڑنا پڑا لہذا وہ سمرقند کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں آکر رہنے لگے جہاں پہلے سے ہی ان کے کچھ رشتہ دار سکونت پذیر تھے۔ آخر عمر تک وہیں رہے۔ 256ھ میں انتقال ہوا۔ جنازے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

امام بخاری سادگی، قناعت اور خودداری کا نمونہ تھے انہوں نے اپنی پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ گزاری اور کبھی بھی اپنے علم وفضل کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ خوددار ایسے تھے کہ جلاوطنی منظور کرلی مگر علم کی ذلت کو گوارا نہیں کیا۔ امام صاحب کی ایک خاص بات ان کی بے تعصبی او رواداری ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انہوں نے ان لوگوں سے روایتیں لی ہیں جو مذہباً اہل سنت کے خلاف تھے۔ اسی طرح ان سے مختلف ممالک اور اطراف کے ہزارہا طلبہ نے حدیث کا درس لیا۔ ان کے درس کی اکثر مجلسیں یا تو مسجد میں ہوتیں یا پھر ان کے گھر کے صحن میں۔ صحیح بخاری کے علاوہ انہوں نے درج ذیل کتابیں لکھی ہیں۔ 1 تاریخ کبیر، 2 تاریخ اوسط، 3 تاریخ صغیر، 4 خلق افعال عباد، 5 رسالہ رفع الیدین، 6 رسالہ قرأت فاتحہ خلف الامام، 7 الادب المفرد، 8 سیر الوالدین، 9 کتاب الضعفاء، 10 الجامع الکبیر، 11 التفسیر الکبیر، 12 کتاب الاشربہ، 13 کتاب الھبہ،

14 کتاب المبسوط، 15 کتاب الکنی، 16 کتاب العلل، 17 کتاب الفوائد، 18 کتاب المناقب، 19 اسامیٔ الصحابہ، 20 کتاب الوحدان، 21 قضایا الصحابہ

17.6.2 صحیح مسلم

مشہور محدث امام مسلمؒ کی تالیف ہے۔ کتاب کا پورا نام الجامع الصحیح ہے۔ علمی دنیا میں اسے نمایاں مقام حاصل ہے۔ شہرت و مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ اگرچہ علماء حدیث نے متعدد حیثیتوں سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی۔ اس کے باوجود صحیح مسلم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہمیشہ بخاری کے ساتھ مسلم کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اور دونوں کتابوں کے لیے صحیحین کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جو احادیث بخاری اور مسلم دونوں کتابوں میں موجود ہیں انہیں متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں مکررات کو حذف کردینے کے بعد چار ہزار حدیثیں ہیں جن کا انتخاب امام مسلم نے تین لاکھ حدیثوں میں سے کیا ہے۔

صحیح مسلم کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے امام مسلم لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض تلامذہ نے درخواست کی کہ میں احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کردوں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر اپنی صحیح کی میں نے تالیف کی۔ امام مسلم کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے جن مشائخ کی احادیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ان سب سے انہوں نے بالمشافہ اور براہ راست حدیث کا سماع کیا ہے۔ صحیح مسلم میں انہوں نے صرف اپنی ذاتی تحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر اس میں صرف ان حدیثوں کو بیان کیا ہے جن کی صحت پر اس وقت کے اکابرین کا اتفاق تھا۔ امام مسلم نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ تحقیق مزید کے لیے کتاب کے مکمل ہوجانے کے بعد اس زمانے کے مشہور حافظ حدیث ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ابوزرعہ اپنے زمانے میں جرح و تعدیل اور علل حدیث کے فن میں امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور جس روایت کے بارے میں انہوں نے کسی علت کی نشان دہی کی، امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح سے خارج کردیا۔ اس طرح پندرہ سال کی لگاتار جدوجہد اور محنت کے نتیجے میں صحیح مسلم کی صورت میں حدیث کا یہ لازوال مجموعہ تیار ہوا۔

صحیح مسلم کا ایک خاص امتیاز اس کا مقدمہ ہے۔ کیوں کہ یہ مقدمہ ایک طرف جرح و تعدیل اور اصول حدیث سے متعلق انتہائی اہم نکتوں کی نشان دہی کرتا ہے تو دوسری جانب مقدمہ مسلم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام مسلم نے جس زمانے میں اپنی صحیح کو مرتب کیا ہے اس وقت احادیث کے معاملے میں عام صورت حال کیا تھی اور کس قدر موضوع حدیثیں عام ہوگئی تھیں۔ امام مسلم نے مقدمے میں ان کے اسباب و وجوہات پر سے پردہ ہی نہیں اٹھایا ہے بلکہ ایسے مشکل حالات میں صحیح مسلم کو مرتب کر کے ان کا صحیح معنوں میں تدارک کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

17.6.2.1 صحیح مسلم کی خصوصیات

صحیح مسلم میں امام مسلم نے صرف وہ حدیثیں لی ہیں جو بالکل صحیح ہوں، اور جن کے راوی یا بیان کرنے والے متقن، حافظ، ضابط اور ثقہ تسلیم کئے گئے ہوں۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں حدیثوں کا انتخاب صرف محدثانہ اصولوں کے پیش نظر کیا ہے۔ اسی لئے اس میں تعلیقات اور منقطع روایتیں نہیں کے برابر ہیں۔ صحیح مسلم میں راوی کے نام، کنیت، صفت یا نسب میں اختلاف ہونے کی صورت میں اس اختلاف کو بیان کردیا گیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایتوں میں زبان و بیان کی پیچیدگیاں نہیں ہیں۔ صحیح مسلم کا طرز اور اسلوب ادا واضح اور قریب الفہم ہے۔ صحیح مسلم کی ایک خصوصیت یہ

بھی ہے کہ اس میں روایتوں کے بیان کرنے میں ہی صحت وقطعیت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے بلکہ امام مسلم کے بعد جن لوگوں نے صحیح مسلم کی روایت کی ہے وہ بھی انتہائی باکمال لوگ ہیں۔

17.6.2.2 صحیح مسلم کی شرحیں

صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم بھی حدیث کی انتہائی اہم اور مقبول کتاب رہی ہے۔اس کی شہرت اور مقبولیت کا انداز اس سے بھی لگایا جایا سکتا ہے کہ صحیح مسلم کی شرحیں یا تعلیقات لکھنے کے علاوہ اہل علم کے ایک بہت بڑے طبقے نے تالیف حدیث میں ان کی پیروی کی ہے اور صحیح مسلم کے طرز پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔صحیح مسلم کے مستخرجات کی تعداد ہی امام نووی نے آٹھ لکھی ہے۔صحیح مسلم کی شرحوں کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔صاحب کشف الظنون نے اپنے زمانے تک 15 شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ صحیح مسلم کی مختصرات بھی لکھی گئیں اور ان کی شرحیں بھی ہوئیں۔مستخرجات، شروح اور مختصرات کے علاوہ مختلف زبانوں میں صحیح مسلم کے ترجمے بھی ہوئے ہیں۔صرف اردو زبان میں ہی تقریباً دس ترجموں کا پتہ ملتا ہے۔

17.6.2.3 امام مسلم: مختصر حالات زندگی

امام مسلم کا پورا نام مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد ہے۔ابوالحسین کنیت اور عساکرالدین لقب ہے۔ان کا سلسلہ نسب عرب کے مشہور قبیلے قشیر سے ملتا ہے۔اس لیے قشیری بھی کہلاتے ہیں۔امام مسلم 206ھ یعنی تیسری صدی ہجری کے آغاز میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔اس زمانے میں اگر ایک طرف علم حدیث کے بڑے بڑے ائمہ فن اور مجتہدین فن موجود تھے تو دوسری طرف ان کا مولد و مسکن نیشاپور ہر طرح کے علوم وفنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔اور وہاں پر اسحاق بن راہویہ اور امام ذہیلی جیسے حدیث کے بڑے ائمہ فن موجود تھے۔

امام مسلم کی ابتدائی زندگی اور شروع کی تعلیم وتربیت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتی اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے کس کے سامنے سب سے پہلے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ہاں اتنا ان کے بارے میں مشہور ہے کہ صرف 12 برس کی عمر سے انہوں نے حدیث کی سماعت شروع کر دی تھی۔امام مسلم نے علم حدیث کے حصول کے لئے صرف نیشاپور کے علماء پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس زمانے میں سفر کی تمام مشکلات کے باوجود مسلم دنیا کے ان تمام مقامات کی خاک پیمائی کی جہاں جہاں کہ انہیں علم حدیث کا نور مل سکتا تھا۔چنانچہ امام مسلم نے رے، عراق، حجاز، مصر وغیرہ علاقوں کا سفر کیا اور ان علاقوں کے شہروں میں موجود ائمہ حدیث سے استفادہ کیا۔امام بخاریؒ جن دنوں نیشاپور میں مقیم تھے۔امام مسلم نے ان سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ان کے مشہور اساتذہ میں اسحاق بن راہویہؒ، ابوحاتمؒ، ابوزرعہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ شامل ہیں۔

امام مسلم کو اپنے زمانے میں بہت زیادہ شہرت اور ناموری حاصل ہوئی۔ان کی فطری قابلیت اور قوت حافظہ کا اعتراف خود ان کے اساتذہ نے کیا ہے۔ان کے ہم عصروں میں گو بڑے بڑے ماہرین فن موجود تھے لیکن وہ امام مسلم سے روایتوں کو بیان کرنے میں ذرا بھی نہ شرماتے تھے۔ اسی طرح ان کے کئی ہم عصروں نے ان کی تالیف صحیح مسلم کی پیروی اور تائید میں اسی کے طرز پر حدیث کی کتابیں تالیف کیں۔غرض امام مسلم کی شہرت ومقبولیت اتنی زیادہ تھی کہ کچھ لوگوں نے ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔

امام مسلم کی وفات کا واقعہ بھی حیرت انگیز ہے اور علم حدیث کے تئیں ان کے شوق اور دلچسپی کا مظہر ہے۔ہوا یہ کہ ان کی مجلس میں لو

گوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی جوانہیں یاد نہ تھی، گھر آ کرانہوں نے اپنے ذخیرہ حدیث میں اس حدیث کوتلاش کرنا شروع کیا۔ پاس ہی کھجور کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا تلاش کے دوران امام صاحب کھجوریں نکال نکال کر کھاتے جاتے تھے۔ تلاش حدیث میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ کتنی کھجوریں کھالیں، اوراسی وجہ سے ان کی موت ہوگئی۔ اس طرح 261ھ میں آسمان علم حدیث کا یہ درخشاں وتابندہ ستارہ صرف 55 برس کی عمر میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ نیشاپور کے باہر ایک مقام مصرآباد میں سپرد خاک ہوئے۔

17.6.2.4 تصانیف وتالیفات

امام مسلم کوتصنیف وتالیف کے کام سے فطری لگاؤ تھا۔ درس وتدریس کے کام میں مشغول ہونے کے باوجودانہوں نے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں۔ صحیح مسلم توان کاعلمی شاہ کار ہے ہی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے:

1- مسند کبیر 2- الاسماء والکنی، 3- جامع کبیر، 4- کتاب العلل، 5- کتاب التمیز 6- کتاب الوحدان، 7- کتاب الافراد، 8- کتاب الاقران، 9- کتاب سوالاتہ لاحمد بن حنبل، 10- کتاب حدیث عمرو بن شعیب، 11- کتاب الانتفاع باہاب السباع، 12- کتاب مشائخ مالک 13- کتاب مشائخ ثوری، 14- کتاب مشائخ شعبہ، 15- کتاب من لیس لہ الا راو واحد 16- کتاب المخضر مین 17- کتاب اولاد الصحابہ 18- کتاب اوہام المحد ثین، 19- کتاب الطبقات، 20- کتاب افراد الشامیین۔

کتابوں میں موضوعات کے تنوع اور وسعت سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام مسلم علم وفضل کے کس مرتبے اور مقام پر فائز تھے اور انہوں نے حدیث وعلم حدیث کی کتنی زیادہ خدمت کی ہے۔

17.7 اکتسابی نتائج

- قرآن مجید کے بعد حفاظت واشاعت کا جتنا اہتمام مسلمانوں نے حدیث کے لئے کیا اتنا کسی بھی اور چیز کے لئے نہیں کیا۔

- دنیا کی کوئی بھی قوم اس معاملے میں مسلمانوں کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ پہلے اسے اپنے حافظوں میں محفوظ رکھا اور جب فتنوں کا دور شروع ہوا اور بعض شرپسندوں نے اللہ کے رسول کے نام پر اپنی باتیں لوگوں میں پھیلانا شروع کیں تو نہ صرف یہ کہ حدیثوں کی جانچ پرکھ اور چھان بین کے بے مثال طریقے وضع کیے، بلکہ ایسی مستند اور معتبر کتابیں تیار کردیں جن کے ذریعے اللہ کے رسول کی زندگی کا ہر ہر پہلو اور گوشہ اور آپ کی تمام تر ہدایات ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئیں۔

- سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آج ہمارے سامنے حدیث کے مختلف مجموعے موجود ہیں جن کو اپنے اپنے طور پر اور اپنے مذاق کے مطابق احادیث رسول سے شغف رکھنے والے محدثین کرام نے جمع کیا ہے۔

- دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہوچکے ہیں اور احادیث کو سمجھنے کے لئے بے شمار حواشی اور شرحیں موجود ہیں۔

- حدیث کی ان بے شمار صحیح اور مستند ترین کتابوں میں سے درجہ اول کی چند اہم کتابوں اور ان کے مؤلفین کا یہاں تعارف دیا گیا ہے۔ ان میں نمایاں صحاح ستہ ہیں جو بغیر کسی اختلاف کے حدیث رسول کے صحیح ترین مجموعے ہیں۔

17.8 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ طبقات کتب حدیث پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اقسام کتب حدیث پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ امام بخاریؒ کے حالات زندگی کا تذکرہ کیجیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ صحیح بخاری کا تعارف اس کی خصوصیات کے حوالہ سے کرائیں۔

2۔ صحیح مسلم پر ایک تعارفی نوٹ لکھیے۔

3۔ امام مسلمؒ کی خدمات حدیث کا جائزہ لیجیے۔

17.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔ مولانا مناظر احسن گیلانی : تدوین حدیث

2۔ غلام رسول سعیدی : تذکرۃ المحدثین

3۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی : تذکرۃ المحدثین

4۔ محمد فاروق خاں : علم حدیث: ایک تعارف

5۔ صبحی صالح، اردو ترجمہ غلام احمد حریری : علم الحدیث

6۔ ضیاء الرحمٰن اعظمی، اردو ترجمہ سہیل حسن : معجم اصطلاحات الحدیث

۔:oOo:۔

عقیدہ، قرآن اور حدیث

بلاک 6 : حدیث (حصہ دوم)

اکائی 18 : حدیث کی مشہور کتابیں (جامع اور سنن)

اکائی کی ساخت

18.1 تمہید
18.2 مقصد
18.3 جامع ترمذی
18.3.1 جامع ترمذی کی خصوصیات
18.3.2 امام ترمذی: مختصر حالات زندگی
18.4 سنن ابی داوٗد
18.4.1 سنن ابی داوٗد کی خصوصیات
18.4.2 امام ابوداوٗد سجستانی: مختصر حالات زندگی
18.5 سنن نسائی
18.5.1 سنن نسائی کی خصوصیات
18.5.2 امام ابوعبدالرحمان نسائی: مختصر حالات زندگی
18.6 سنن ابن ماجہ
18.6.1 سنن ابن ماجہ کی خصوصیات
18.6.2 امام ابن ماجہ: مختصر حالات زندگی
18.7 اکتسابی نتائج
18.8 نمونہ امتحانی سوالات
18.9 تجویز کردہ کتابیں

18.1 تمہید

حفاظت حدیث کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ ایسی بے بہا اور بیش قیمت ہیں کہ دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ انہوں نے اپنے رسول کی زندگی کی پبلک اور پرائیوٹ زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ کر کے رسول اللہ کی زندگی کو ایسا آئینہ بنا دیا جس

میں ہر مؤمن اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے۔اور یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ کس مقام پر کھڑا ہے۔مسلمانوں نے حدیث کے سرمایے کورسول اللہ سے سن کر نہ صرف یہ کہ زبانی یاداور محفوظ کیا بلکہ دوراول سے ہی کتابت حدیث کا اہتمام کیا۔حدیث کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ الزام غلط،سراسر اتہام اور بہتان تراشی ہے کہ حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے ڈھائی سوسال بعد لکھی گئیں۔حقیقت واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے احادیث کے لکھنے کا اہتمام خود نبی ﷺ کے زمانے میں کر رکھا تھا۔خود حضور پاک ﷺ نے بعض چیزیں اپنے فرمان سے لوگوں کو نقل کروائیں۔ابتداء میں مصلحتاً اور ضرورتاً حدیثوں کو لکھنے کی ممانعت کے بارے میں ارشاد رسول سے ہی یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مسلمان اللہ کے رسول کی حدیثیں لکھتے تھے۔بعد میں اجازت مل جانے کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے ایک بڑی تعداد نے حدیثوں کو لکھنے کا اہتمام رکھا اور مختلف صحیفے بھی تیار کیے۔ان کے بعد تابعین کرام نے بھی اس سلسلے کو اسی طرح جاری رکھا۔ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق کے مطابق 252 تابعین کے پاس حدیث کے مجموعے تھے یا ان کے شاگردوں نے ان سے حدیثیں لکھیں۔اور بعد کے ادوار میں دشمنان اسلام کی سازشوں کے نتیجے میں کچھ دوسری چیزیں اللہ کے رسول کی طرف نسبت کر کے بیان کی جانے لگیں تو مسلمان علماء نے نہ صرف یہ کہ حدیثوں کی پرکھ اور چھان بین کے لیے ایسے اصول وضع کیے جن کے ذریعہ اللہ کے رسول کی حدیثوں کو الگ کیا جاسکے بلکہ حدیثوں کے ایسے مستند اور صحیح ترین مجموعے بھی تیار کردیے جن میں رسول اللہ کے تمام اقوال،افعال،احوال اور اوصاف کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کردیا گیا۔

18.2 مقصد

امید ہے کہ گزشتہ اکائی میں آپ کو حدیث رسول ﷺ کی ان اہم اور بنیادی کتابوں کے بارے میں کافی معلومات مل چکی ہوگی۔وہیں حدیث کی چھ جامع اور صحیح ترین باور کی جانے والی کتابوں اور ان کے مرتبین کا تعارف بھی کرایا جاچکا۔اس اکائی میں ان حدیث کی دیگر معروف اور مستند کتابوں اور ان کے مرتبین کا جامع اور مختصر تعارف دیا جائے گا تا کہ طلبہ حدیث کے مستند مجموعوں اور ان کے مرتبین سے کماحقہ واقف ہوجائیں۔

18.3 جامع ترمذی

جامع ترمذی امام ترمذی کی مشہور و معروف تالیف ہے۔اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں اس کا نام الجامع الصحیح ہے۔ترمذی کے جامع ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں ہاں صحیح ہونے پر اعتراض کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بعض حدیثیں ضعیف بھی ہیں، لیکن چوں کہ زیادہ روایتیں صحیح ہیں اس لیے غالب کا خیال کرتے ہوئے اس کو الجامع الصحیح کا نام دیا جاسکتا ہے۔اور چونکہ ترمذی کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے،اس لئے کچھ لوگ اسے سنن میں شمار کرتے ہیں اور اس کا نام سنن ترمذی لکھتے ہیں۔بہرحال جامع ترمذی کو الجامع الصحیح کہا جائے یا سنن ترمذی اس سے اس کے معیار و کمال میں فرق نہیں پڑتا۔کیوں کہ عام طور پر علماء حدیث نے صحیحین کے بعد جامع ترمذی کو صحاح میں تیسرے درجے پر رکھا ہے۔جب کہ بعض علماء حدیث نے سنن نسائی اور ابوداؤد کے بعد اس کو پانچویں درجے پر رکھا ہے،کیوں کہ ترمذی قوت سند اور صحت کے اعتبار سے ان کے درجے کو نہیں پہنچتی،ہاں حسن ترتیب،جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے یہ ان سے بہتر ہے۔جامع ترمذی میں احادیث کو نقل کرنے میں امام ترمذی نے صحاح کی بنیادی شرطوں یعنی راوی کا اسلام،فہم وفراست،صداقت،عدم تدلیس،عدالت مع جملہ شرائط حفظ،ضبط،تیقظ،عدم وہم،سلامت ذہن اور صحت عقیدہ کو عام طور پر ملحوظ رکھا ہے۔البتہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ روایت (حدیث) پر کسی نہ کسی امام یا محدث کا عمل ہونا چاہیے خواہ راوی اور سند

اصول حدیث کی رو سے یکسر نقائص سے پاک نہ ہوں، چنانچہ وہ چوتھے طبقے تک کے راویوں کی روایتیں قبول کر لیتے ہیں اور صحیح، مسلسل اور مرفوع راویتوں کے ساتھ ضعیف، مرسل، منقطع اور مضطرب روایتوں کو بھی رد نہیں کرتے۔ البتہ اس طرح کی روایتوں کو امام صاحب کسی صحیح روایت کی تائید او رحمایت میں قبول کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی خوبی یہ ہے کہ ہر روایت کا عیب و ہنر اور نقص وکمال بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس لیے پڑھنے والے کو اس حدیث کی حیثیت اور درجے کا علم ہو جاتا ہے۔ یہ خصوصیت ترمذی کے علاوہ صحاح کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ توابع اور شواہد کے ساتھ جامع ترمذی کی روایات کی تعداد 3956 ہے اور اگر انہیں الگ کر دیا جائے تو احادیث مقصودہ کی تعداد 1385 رہ جاتی ہے۔

18.3.1 جامع ترمذی کی خصوصیات

جامع ترمذی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام حدیثوں پر کسی نہ کسی امام، فقیہ یا محدث کا عمل رہا ہے یعنی ترمذی کی ہر روایت کسی نہ کسی عالم کے نزدیک قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ (دو حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں)۔ ترمذی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں روایت حدیث میں تکرار بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ امام ترمذی حدیث بیان کرنے کے بعد اس سے متعلق احادیث کی طرف اشارہ ضرور کر دیتے ہیں۔ جامع ترمذی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی جس روایت میں بھی جرح وتعدیل کے اصولوں کے مطابق کوئی کمی ہے، صاحب کتاب نے اس کے عیب و ہنر کو ظاہر کر دیا ہے۔ مثلاً لکھ دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، مرسل ہے، مضطرب ہے، منقطع ہے، سند قوی نہیں ہے، راوی کے بارے میں کلام ہے وغیرہ۔ جامع ترمذی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فقہی حدیثوں کو بیان کرتے ہوئے وہ فقہاء کے مذاہب، ان کے استنباطات، دلائل، اختلافات اور اس پر اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ ترمذی کی اس خصوصیت کی وجہ سے اس سے فقہی فائدہ اٹھانا آسان ہو گیا ہے۔ جامع ترمذی کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی راویوں کا ذکر کرتے وقت ان کے ناموں، کیفیتوں اور القاب وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی بیان کر دیتے ہیں۔ جامع ترمذی اپنی انہیں خصوصیات کی وجہ سے ہمیشہ علماء اور عوام کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حسن ترتیب، مکررات کی کمی اور فائدے کی زیادتی کے لحاظ سے ترمذی حدیث کی بہترین کتابوں میں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک جامع ترمذی، بخاری مسلم اور ابوداؤد تینوں کی بعض اچھی خصوصیات کی جامع ہے اور اس میں ان سے زیادہ مفید باتیں ہیں۔ جامع ترمذی کی ان خصوصیات کے باوجود بعض محدثین نے اس پر تنقید بھی کی ہے جن میں ابن حزم اور ابن الجوزی کے نام نمایاں ہے۔

18.3.2 امام ترمذی: مختصر حالات

امام ترمذی کا پورا نام محمد بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی بوغی ہے۔ کنیت ابوعیسیٰ اور وطن خراسان کا مشہور شہر ترمذ ہے۔ امام ابوعیسیٰ محمد ترمذی 209ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے۔ امام ترمذی کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن اس زمانے تک خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے علم وفن کے بڑے مرکز بن چکے تھے اور چھوٹے بڑے شہروں میں ہر طرف علوم وفنون کا چرچا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ امام ترمذی کی ابتدائی تعلیم وتربیت یہیں ہوئی ہوگی۔ ابتدائی صدیوں میں علم حدیث کی حفاظت واشاعت کا جیسا اہتمام مسلمانوں نے کیا کوئی بھی قوم اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ حجاز، عراق، خراسان، ماوراء النہر، شام، مصر، مغرب وغیرہ تمام دنیائے اسلام میں جگہ جگہ حدیث کے بڑے بڑے مراکز قائم ہو گئے تھے۔ جہاں پر حدیث اور اس سے متعلق علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ حجاز کے بعد عراق اور خراسان کے علاقے کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے

کہ یہاں اکثر بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان علاقوں میں علم حدیث کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد امام ترمذی کو بھی حدیث نبوی کو سیکھنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے خراسان اور ماوراء النہر کے علاوہ بھی دنیائے اسلام کے مختلف حصوں کا سفر صرف اس مقصد سے کیا کہ زیادہ سے زیادہ حدیثیں سنیں اور سیکھیں۔ امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں اکثر محدثین وہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے استفادہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام بخاریؒ، امام مسلم، علی بن حجرؒ، قتیبہ بن سعیدؒ اور ابوبکر محمد بن بشارؒ وغیرہ اکابر سے علم حدیث میں انہوں نے استفادہ کیا۔ امام ترمذی امام بخاریؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور ان سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔

امام ترمذی نے حافظہ بہت قوی پایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدثین سے استفادے کا موقع بھی ملا جس کی وجہ سے انہوں نے علم حدیث میں وہ مہارت اور کمال پیدا کیا کہ ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مختلف ماہرین فن حدیث نے ان کو حدیث کا امام لکھا ہے۔ حدیث کے علاوہ امام ترمذی کو تفسیر اور فقہ جیسے علوم میں بھی مہارت حاصل تھی اور وہ صحیح معنوں میں امام بخاریؒ کے جانشین تھے۔ امام بخاری نے اپنے لائق شاگرد کے بارے میں فرمایا کہ تم نے مجھ سے جتنا فائدہ حاصل کیا، اس سے زیادہ میں نے تم سے حاصل کیا۔ امام بخاری نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ مشہور روایت کے مطابق 679ھ میں امام ترمذی نے اپنے وطن میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

مورخین کے بیان کے مطابق امام ترمذی نے کثرت سے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان میں سے ان کی صرف تین کتابوں کا نام ملتا ہے۔ ان میں سے ایک جامع یا سنن ترمذی ہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ امام ترمذی کی دوسری کتاب شمائل ترمذی ہے جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اخلاق کا بیان ہے۔ امام ترمذی کی اس کتاب کو بھی جامع ترمذی کی طرح لازوال شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ تیسری کتاب کا نام کتاب العلل ہے۔

18.4 سنن ابی داؤد

سنن ابی داؤد کا شمار حدیث کی امہات (بڑی) کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ صحاح ستہ میں شامل ہے اور علمائے حدیث کی بڑی تعداد نے صحیحین (بخاری و مسلم) کے بعد سنن ابی داؤد کو حدیث کی سب سے اہم کتاب قرار دیا ہے۔ اس کے مؤلف امام ابوداؤد سلیمان ہیں۔ انہوں نے 5 لاکھ حدیثوں میں سے 4 ہزار آٹھ سو حدیثوں کا انتخاب اس کتاب میں کیا ہے۔ سنن ابی داؤد سنن کی پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے حدیث کی جو کتابیں لکھی گئیں ان کا تعلق جوامع اور مسانید سے ہے۔ امام ابوداؤد نے سب سے الگ ہٹ کر صرف احکامی حدیثیں اپنی سنن میں جمع کی ہیں۔ گویا اس کی تقریباً 5 ہزار احادیث صرف احکام و مسائل سے متعلق ہیں۔ سنن ابی داؤد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام ابوداؤد نے مرتب کرنے کے بعد جب اسے امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابی داؤد ہر دور میں علماء اور محدثین کے درمیان مقبول و متداول رہی ہے۔ اور لوگوں نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میرے اس مجموعہ احادیث میں صرف 4 حدیثیں انسان کو دین پر عمل کرنے کے لئے کافی ہیں:

1۔ انما الاعمال بالنیات

(اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے/ یا اعمال نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں)۔

2۔ من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه

(یہ آدمی کے اسلام کی خوبی ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے)۔

3۔ لایکون المومن حتی یرضی لاخیه مایرضی لنفسه

(مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

4۔ الحلال بین و الحرام بین و بین ذلك امور مشتبهات فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه

(حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور جو کچھ اس کے درمیان ہے مشتبہات ہیں پس جو شخص مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین کو بے داغ رکھا)۔

پہلی حدیث عبادات کی صحت و درستی کے لئے، دوسری عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت کے لئے، تیسری پڑوسیوں، قرابت داروں، متعارف لوگوں اور دوسرے متعلقین وغیرہ کے حقوق کی ادائی کے لئے اور چوتھی ان تمام شکوک وشبہات کے ازالے کے لئے کافی ہے جو علماء کے اختلافات اور دلائل کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

18.4.1 سنن ابی داؤد کی خصوصیات

سنن ابی داؤد کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام ومسائل کے احادیث پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے اس قسم کی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ صحاح ستہ میں فقہی احادیث کا سب سے بڑا ذخیرہ اس کتاب میں ہے۔ فقہ واستنباط مسائل میں سنن ابی داؤد بہت اہم مرتبہ رکھتی ہے کیوں کہ اس کے مؤلف خود بہت بڑے فقیہ ومجتہد ہیں۔ ترمذی کی طرح سنن ابی داؤد کی بھی بیشتر روایتوں پر علماء اور ائمہ مجتہدین کا عمل رہا ہے۔ اس میں صحیح الاسناد، قوی، متصل اور مرفوع حدیثوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک ہی سند اور ایک ہی متن میں متعدد متون اور اسانید کو جمع کر دیا گیا ہے اور ہر حدیث کے الفاظ کو علاحدہ علاحدہ بیان کر دیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں راویتوں کی تکرار بہت کم ہے۔ جامعیت کے ساتھ اس میں حسن ترتیب وتالیف کا بھی خاص اہتمام پایا جاتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ایک روایت ثلاثی بھی ہے۔ اس میں راویوں کے ناموں، کیفیتوں اور القاب وغیرہ کی وضاحت کے ساتھ ان کے حسن وقبح اور صحت وسقم کی وضاحت بھی ہے۔

صحاح کی دیگر کتابوں کی طرح سنن ابی داؤد کی بھی متعدد شرحیں وغیرہ لکھی گئی ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے ہیں۔

18.4.2 امام ابوداؤد بحستانی: مختصر حالات زندگی

امام ابوداؤد کا پورا نام سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران ہے۔ نام کے مقابلے اپنی کنیت ابوداؤد سے زیادہ مشہور ہیں۔ 202ھ میں خراسان کے مشہور علاقہ بحستان (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسبی تعلق قبیلہ ازد سے تھا۔ اس لئے ازدی بھی کہلاتے

ہیں۔امام ابوداؤد بجستان میں پیدا ہوئے لیکن بصرہ کو اپنی سکونت کے لئے منتخب کیا جہاں اس زمانے میں بڑے ماہرین علم وفن اور فقہا و محدثین رہتے تھے۔حدیثوں کو سننے کے لئے کئی بار بغداد بھی گئے۔اسی طرح حجاز، عراق، خراسان، مصر، شام، جزیرہ، نیشاپور، مرو اور اصفہان وغیرہ میں مقیم محدثین کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بھی استفادہ کیا۔ان کا حافظہ بہت قوی تھا اور علمائے فن نے ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔حفظ وضبط اور ثقاہت وعدالت کی طرح جرح وتعدیل میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔اور صحیح وسقیم، قوی وضعیف، مشہور ومنکر اور حسن وشاذ ہر قسم کی روایتوں کے پرکھنے میں ان کو پورا ملکہ حاصل تھا۔ایک ایسے دور میں جب کہ عالم اسلام میں چاروں طرف بڑے بڑے علماء اور محدثین موجود تھے۔امام ابوداؤد نے ان کے درمیان نہ صرف اپنی جگہ بنائی بلکہ ائمہ فن میں شمار ہوئے۔حدیث کے علاوہ فقہ واجتہاد میں بھی انہیں خصوصی بصیرت حاصل تھی۔72 سال کی عمر میں 16 شوال جمعہ کے دن 275ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔

امام ابوداؤد نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔سنن ابی داؤد کے علاوہ متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔1۔کتاب الرد علی اہل القدر، 2۔کتاب الناسخ والمنسوخ، 3۔کتاب المسائل، 4۔مسند مالک، 5۔کتاب المراسیل، 6۔کتاب المصابیح، 7۔کتاب المصاحف، 8۔کتاب البعث والنشور، 9۔کتاب التفسیر، 10۔کتاب نظم القرآن، 11۔کتاب فضائل القرآن، 12۔کتاب شریعۃ التفسیر، 13۔کتاب شریعۃ القاری۔

18.5 سنن نسائی

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کی تالیف ہے۔امام نسائی نے سنن میں دو کتابیں لکھی تھیں۔سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ۔سنن صغری کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور یہی کتاب سنن نسائی کے نام سے صحاح ستہ میں شامل ہے۔اس کے دوسرے نام المجتبیٰ اور المجتنی بھی ہیں۔سنن نسائی امام نسائی کا سب سے بڑا علمی ودینی کارنامہ ہے۔اور یہی سب سے زیادہ مشہور ہے۔

سنن نسائی کی اہمیت کو بتانے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا شمار صحاح ستہ میں ہے۔عام طور پر صحیحین کے بعد ابوداؤد اور ترمذی کے بعد نسائی کو جگہ دی جاتی ہے۔تاہم اس کا ذکر بھی ان دونوں کتابوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔جس طرح صحاح میں شامل ہر کتاب بعض امتیازی خصوصیات کے سبب دوسروں پر فوقیت رکھتی ہے اسی طرح سنن نسائی بھی بعض ایسی خصوصیات وامتیازات کی حامل ہے جن سے کہ دوسری کتابیں خالی ہیں۔بعض ائمہ فن نے صحیحین کے بعد نسائی کو رکھا ہے۔کیوں کہ اس میں سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔اور اس کے رجال زیادہ قوی ہیں۔اسی طرح بعض علماء کے خیال میں قبول روایت کے لئے نسائی کے شرائط امام بخاری اور امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔بہر حال اتنا طے ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کی طرح امام نسائی نے صرف صحیح سند والی حدیثیں ہی اپنی کتاب میں بیان کی ہیں اور اگر کہیں کم تر درجہ کی حدیثیں بیان کی ہیں تو ان کے ضعف کو بیان کردیا ہے۔بعض لوگوں کے مطابق سنن نسائی میں بیان کی گئی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار سات سو اکسٹھ (5761) ہے۔

18.5.1 سنن نسائی کی خصوصیات

سنن نسائی کی سب سے اہم خصوصیت اس کے شرائط ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام بخاری ومسلم سے بھی سخت ہیں۔امام نسائی نے نہ صرف ان بعض راویوں سے حدیثیں نہیں لی ہیں جن سے کہ ابوداؤد وترمذی نے روایت کی ہے بلکہ بخاری ومسلم کے راویوں کی ایک جماعت

سے بھی حدیثیں لینے سے اجتناب کیا ہے۔سنن نسائی کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اس میں حدیث کی علتوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔امام نسائی کو اللہ رب العزت کی بارگاہ سے جرح وتعدیل اور نقد ونظر کا غیر معمولی ملکہ عطا ہوا تھا۔سنن نسائی، بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔غریب الفاظ اور مبہم چیزوں کی وضاحت جیسی سنن نسائی میں کی گئی ہے حدیث کی دوسری کتابیں اس سے خالی ہیں۔اس کتاب میں راویوں اور روایات کا موازنہ کر کے صحیح روایات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔سنن نسائی میں متعدد فوائد کے پیش نظر ایک ہی روایت کو کئی جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے۔سنن نسائی فقہ واجتہاد اور نظر واستدلال کی حیثیت سے بھی نہایت جامع ہے۔کیوں کہ امام نسائی خود بلند پایہ مجتہد اور فقیہ تھے۔سنن نسائی کی تالیف وترتیب میں حسن اور موزونیت پائی جاتی ہے۔ابن رشید کا بیان ہے کہ سنن نسائی تمام کتب سنن میں تصنیف وترتیب کے لحاظ سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔

صحاح ستہ کی دیگر کتابوں کی طرح سنن نسائی کی بھی متعدد شرحیں اور تعلیقات لکھی گئی ہیں۔البتہ دوسری کتابوں کے مقابلے میں اس کے شروح وحواشی اور تعلیقات کی تعداد کم ہے۔اس طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں سنن نسائی کے ترجمے بھی ہوئے ہیں۔اردو زبان میں اس کے دو ترجمے موجود ہیں۔

18.5.2 امام ابوعبدالرحمٰن نسائی: مختصر حالات زندگی

امام نسائی کا پورا نام احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار ہے۔اپنی کنیت ابوعبدالرحمٰن سے زیادہ مشہور ہیں۔214 یا 215ھ میں امام نسائی خراسان کے مشہور شہر نسأ میں پیدا ہوئے۔نسأ پرانے زمانے سے ہی علم وفن اور ارباب کمال کا مرکز رہ چکا ہے۔اور وہاں پر بہت سے نامور علماء پیدا ہوئے ہیں۔نسأ کی نسبت سے ہی امام صاحب نسائی کہلاتے ہیں۔نسأ چوں کہ خراسان میں ہے اس لئے انہیں خراسانی بھی کہا جاتا ہے۔

امام نسائی کی ابتدائی زندگی کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہیں۔تاہم ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ اس زمانے کے دستور کے مطابق انہوں نے خراسان میں جو کہ علم وفن کا بڑا مرکز تھا تعلیم کے ابتدائی منازل طے کئے۔بعد ازاں مختلف علاقوں اور شہروں کا سفر کیا۔ان کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد بے شمار ہے۔جو مختلف علوم وفنون میں اپنے زمانے کے ماہرین فن تھے۔صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے امام بخاری اور امام ابوداؤد سجستانی سے انہیں شاگردی کا شرف حاصل ہے۔تیسری صدی ہجری کا امتیاز یہ ہے کہ اس صدی میں سب سے زیادہ اور بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے۔امام نسائی کا تعلق بھی اسی صدی سے ہے۔اور انہوں نے اپنی محنت سے اس علم میں جو تبحر اور کمال پیدا کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔بارگاہ رب العزت سے انہیں غیر معمولی قوت حافظہ عطا ہوئی تھی۔وہ فن جرح وتعدیل کے ماہر تھے۔اور حدیث کے مشہور ناقدوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔علم حدیث کے علاوہ دوسرے دینی علوم میں بھی انہیں خاص مہارت حاصل تھی۔فقہ واجتہاد کے علاوہ قرأت وتفسیر کے علوم پر انہیں بھرپور دسترس حاصل تھی۔فقہ واجتہاد میں کمال کے سبب ہی امام نسائی حمص میں قضا اور ولایت (گورنری) کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔زہد وتقویٰ اور عبادت واخلاق میں بھی امام نسائی بلند مقام پر فائز تھے۔

303ھ میں امام نسائی کی وفات بہت ہی مظلومانہ انداز میں ہوئی۔واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ایک کتاب خصائص علی لکھی تھی۔اسے انہوں نے جامع دمشق میں سنانا شروع کیا۔ابھی تھوڑا ہی حصہ پڑھا تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ امیر معاویہؓ کے مناقب بھی لکھے ہیں۔امام نسائی نے کہا کہ امیر معاویہؓ کی شخصیت اور نجات سے انکار نہیں لیکن ان کے مناقب حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ایسے نہیں کہ

ان کولکھوں۔اس پر شامی (جوزیادہ تر امیر معاویہ کے حمایتی تھے) ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ ان میں اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی۔ابھی جان باقی تھی ،لوگ انہیں رملہ (فلسطین) لے گئے۔وہیں ان کا انتقال ہوا۔اور تدفین عمل میں آئی۔

امام نسائی کی تصنیفات یہ ہیں: 1۔خصائص سیدنا علیؓ، 2 مسند علی، 3 مسند مالک، 4 کتاب الضعفاء والمتروکین، 5 کتاب الجمعہ، 6 کتاب التمییز، 7 کتاب المدلسین، 8 فضائل الصحابہ۔خصائص سیدنا علیؓ میں حضرت علی کے فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں۔اور کتاب الضعفا والمتروکین میں ضعیف اور متروک الحدیث راویوں کا حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر ہوا ہے۔

18.6 سنن ابن ماجہ

امام ابن ماجہ کی تالیف ہے۔اس کو ان کی زندگی کا سب سے بڑا علمی وتصنیفی اور دینی کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔موجودہ دور میں حدیث کی جو کتابیں رائج اور متداول ہیں ان میں سنن ابن ماجہ ایک اہم کتاب ہے اور اکثر اسلامی مدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے۔سنن ابن ماجہ حدیث کی ان چھ مشہور اور معتبر کتابوں میں شامل ہے جو صحاح ستہ یا کتب ستہ کہلاتی ہیں۔علماء حدیث نے اس کو اسلامی علوم کی اہم اور علم حدیث کی امہات کتابوں (بڑی) میں شمار کیا ہے۔سنن ابن ماجہ امام ابن ماجہ کے علمی تبحر اور کثرت معلومات کا مظہر ہے۔اس کی اہمیت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ امام ابن ماجہ کے استاذ حافظ ابوزرعہ جو اپنے زمانے کے باکمال محدث گزرے ہیں، کا قول ہے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی تو حدیث کی سب یا اکثر کتابیں بالکل معطل ہو جائیں گی۔

اسی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر سنن ابن ماجہ کو ہر زمانے اور ہر دور میں نہایت مستند اور قابل حجت کتاب مانا گیا ہے۔محدثین نے اس کتاب کو صحیحین اور سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی کے ساتھ شامل کیا ہے۔اور اس کی روایتوں کو حجت مانا ہے۔البتہ علمائے حدیث کی ایک مختصر تعداد ہے جو اسے صحاح ستہ میں شامل نہیں کرتی اس کے بجائے ان کی اکثریت مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شامل کرتی ہے جب کہ چند لوگ سنن دارمی کو صحاح میں شمار کرتے ہیں۔سنن حدیث کی عام کتابوں کی طرح سنن ابن ماجہ میں بھی ایمانیات سے وصایا تک جملہ ابواب فقہی ترتیب کے ساتھ شامل ہیں۔یہ سنن 32 کتابوں، 1500 ابواب اور چار ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔امام ابن ماجہ سے ان کے متعدد شاگردوں نے اسے روایت کیا ہے۔

18.6.1 سنن ابن ماجہ کی خصوصیات

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کو آخری درجہ پر رکھا گیا ہے۔اس کے باوجود یہ کتاب متعدد خصوصیتوں کی حامل ہے۔سنن ابن ماجہ میں ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جن سے کہ صحاح ستہ کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔یہی وہ اہم خصوصیت ہے کہ جس کی بنا پر علماء فن حدیث نے اس کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔حسن ترتیب اور ابواب بندی کے لحاظ سے حدیث کی تمام کتابوں اور صحاح ستہ میں یہ نمایاں اور ممتاز ہے۔یعنی سنن ابن ماجہ میں حدیثوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ بغیر کسی تکرار کے اور اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔یہ خوبی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی۔عدم تکرار اور اختصار کے باوجود سنن ابن ماجہ کی خوبی یہ ہے کہ یہ نہایت ہی جامع کتاب ہے۔اور دوسری کتابوں کے مقابلہ زیادہ مسائل اور معلومات پر مشتمل ہے۔سنن ابن ماجہ میں 5 ثلاثی روایتیں شامل ہیں۔اس خصوصیت میں اس کو صحیح بخاری کے علاوہ صحاح کی تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔حدیث کی کتابوں کی

عام خصوصیات یعنی متعدد اور طرح طرح کی تشریحات اور حدیث کی مختلف قسموں کی وضاحتیں وغیرہ سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہیں۔

18.6.2 امام ابن ماجہ: مختصر حالات زندگی

امام ابن ماجہ کا پورا نام محمد بن یزید بن عبداللہ ہے۔ ابوعبداللہ کنیت اور ابن ماجہ لقب ہے۔ ماجہ ان کے والد کا لقب تھا۔ یہ لفظ اصل میں ماہ یا ماچہ کا معرب ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ اصلاً عجمی نژاد تھے۔ 209ھ میں ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے قزوینی بھی کہلاتے ہیں۔ تیسری صدی ہجری ان کا بھی زمانہ ہے۔ اس لئے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں ہر طرف اور ہر جگہ حدیث اور علوم حدیث کا چرچا تھا۔ اور اس کی طلب و تکمیل کو ہی فضل و کمال کا اصل معیار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن ماجہ کی توجہ کا مرکز بھی یہی متبرک فن بنا۔ اور انہوں نے اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ ان کی تالیف سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں شمار کی گئی۔

امام ابن ماجہ کے ابتدائی حالات کا علم بہت کم ہے۔ 21۔22 سال کی عمر تک اپنے وطن قزوین کے علماء و مشائخ سے تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں اس زمانے کے دستور کے مطابق انہوں نے بھی دنیائے اسلام کے مختلف ملکوں کا سفر کر کے حدیث اور دیگر علوم حاصل کئے۔ اور اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ حدیث کے در پر حاضر ہو کر ان سے حدیثیں سیکھیں۔ علم و فضل کی طرح تدین و تقویٰ اور زہد و صلاح میں بھی باکمال تھے اور احکام شریعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ 22 رمضان المبارک 273ھ کو 64 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور دوسرے دن تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ امام ابن ماجہ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں سنن کے علاوہ دو اہم یادگاریں چھوڑی ہیں۔ (1)۔ تفسیر، یہ ایک اہم ماثور و منقول تفسیر ہے۔ اس میں احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کو سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اس کا تذکرہ تفسیر ابن جریر کے ساتھ کیا ہے۔ (2)۔ امام ابن ماجہ کو تاریخ میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ یہ عہد صحابہ سے لے کر ان کے اپنے زمانہ تک کی تاریخ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اسلامی علاقوں اور حدیث کے راویوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ اہم کتاب دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔

18.7 اکتسابی نتائج

- سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آج ہمارے سامنے حدیث کے مختلف مجموعے موجود ہیں جن کو اپنے اپنے طور پر اور اپنے مذاق کے مطابق احادیث رسول سے شغف رکھنے والے محدثین کرام نے جمع کیا ہے۔

- دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں اور احادیث کو سمجھنے کے لئے بے شمار حواشی اور شرحیں موجود ہیں۔

- حدیث کی ان بے شمار صحیح اور مستند ترین کتابوں میں سے درجہ اول کی چند اہم کتابوں اور ان کے مؤلفین کے تعارف کے بعد یہاں دیگر کتب احادیث کے حوالے سے جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے وہ بھی معیاری اور مستند و معروف کتب حدیث ہیں۔

18.8 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ امام ترمذی کی حالات زندگی قلم بند کریں۔

2۔ سنن ابن ماجہ کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے امام ابن ماجہ پر نوٹ لکھیں۔

3۔ امام ابوداؤد سجستانی کی خدمات حدیث پر روشنی ڈالئے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ جامع ترمذی کی امتیازی خصوصیات کے ساتھ امام ترمذی کی خدمات حدیث کا تذکرہ کیجئے۔

2۔ سنن ابوداؤد کا تعارف اس طرح پیش کیجئے کہ اس کی خصوصیات واضح ہوجائیں۔

3۔ سنن نسائی پر ایک تعارف کراتے ہوئے امام نسائی کی خدمات حدیث کا جائزہ لیجئے۔

18.9 تجویز کردہ کتابیں

1۔ مولانا مناظر احسن گیلانی	:	تدوین حدیث
2۔ غلام رسول سعیدی	:	تذکرۃ المحدثین
3۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی	:	تذکرۃ المحدثین
4۔ محمد فاروق خاں	:	علم حدیث: ایک تعارف
5۔ صبحی صالح، اردو ترجمہ غلام احمد حریری	:	علم الحدیث
6۔ ضیاء الرحمٰن اعظمی، اردو ترجمہ سہیل حسن	:	معجم اصطلاحات الحدیث

۔:oOo:۔

اکائی 19 : حدیث کی دیگر مشہور کتابیں

اکائی کی ساخت

19.1 تمہید
19.2 مقصد
19.3 سنن دارمی
19.3.1 سنن دارمی کی خصوصیات
19.3.2 امام دارمی: مختصر حالات زندگی
19.4 معاجم ثلاثہ (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر)
19.4.1 معجم صغیر کی خصوصیات
19.4.2 امام طبرانی: مختصر حالات زندگی
19.5 مستدرک حاکم
19.5.1 مستدرک حاکم کی خصوصیات
19.5.2 امام ابوعبداللہ حاکم: مختصر حالات زندگی
19.6 سنن کبریٰ (سنن بیہقی)
19.6.1 سنن بیہقی کی خصوصیات
19.6.2 امام بیہقی: مختصر حالات زندگی
19.7 مشکوۃ المصابیح
19.7.1 امام ولی الدین خطیب تبریزی: مختصر حالات زندگی
19.8 اکتسابی نتائج
19.9 نمونہ امتحانی سوالات
19.10 تجویز کردہ کتابیں

19.1 تمہید

حدیث کی مذکورہ چھ صحیح ترین کتابوں کے علاوہ بھی صحیح ترین احادیث کے مختلف مجموعے ہیں جنہیں علماء حدیث نے مختلف ادوار میں مرتب

کیا ہے۔مثال کے طور پر ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمان بن فضل دارمی (متوفی 255ھ) جوامام دارمی کے نام سے مشہور ہیں، کی سنن دارمی، امام طحاوی (احمد بن محمد ابوجعفر الطحاوی متوفی 321ھ) کی معانی الآ ثار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار کی مسند بزار، ابویعلیٰ موصلی (احمد بن علی بن المثنیٰ بن یحیٰ بن عیسیٰ بن بلال تمیمی (متوفی 307ھ) کی مسند ابویعلیٰ، ابوعوانہ (یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشا پوری (متوفی 316ھ) کی صحیح ابوعوانہ (صحیح مسلم پر مستخرج ہے) ابن حبان (محمد بن حبان بن احمد متوفی 354ھ) کی صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)، امام طبرانی (ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی متوفی 360ھ) کی معجم الکبیر، معجم الاوسط اور معجم الصغیر، امام دارقطنی (ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی متوفی 385ھ) کی سنن دارقطنی، امام حاکم (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم متوفی 405ھ) کی مستدرک حاکم، حافظ ابونعیم (احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن وائل بن مہران متوفی 430ھ) کی حلیۃ الاولیاء اور احمد بن حسین بیہقی (ابوبکر احمد بن سیف متوفی 258ھ) کی سنن بیہقی، ولی الدین خطیب تبریزی (متوفی 737ھ) کی مشکوۃ المصابیح وغیرہ۔ یہاں ہم ان میں سے 5 نمائندہ کتابوں اور ان کے مصنفین کا مختصر تعارف کراتے ہیں۔

19.2 مقصد

امید ہے کہ گزشتہ دو اکائیوں میں آپ کو حدیث رسول ﷺ کی ان اہم اور بنیادی کتابوں کے بارے میں کافی معلومات مل چکی ہوگی۔ وہیں حدیث کی چھ جامع اور صحیح ترین باور کی جانے والی کتابوں اور ان کے مرتبین کا تعارف بھی کرایا جاچکا۔ اور اس حدیث کی دیگر معروف اور مستند کتابوں اور ان کے مرتبین کا جامع اور مختصر تعارف دیا گیا تا کہ طلبہ حدیث کے مستند مجموعوں اور ان کے مرتبین سے کما حقہ واقف ہو جائیں۔ اس اکائی میں مزید حدیث کی کتابوں کا تعارف کرایا جائے گا۔

19.3 سنن دارمی

امام دارمی کی تالیف ہے اور صحاح ستہ کے بعد حدیث کی جو کتابیں سب سے زیادہ اہم اور مستند تسلیم کی جاتی ہیں ان میں ایک سنن دارمی بھی ہے۔ بلکہ بعض علماء حدیث نے تو مسند دارمی کو صحاح ستہ میں بھی شامل کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسے کتب حدیث کے تیسرے درجہ میں رکھا ہے، اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کا شمار حدیث کی اہم کتابوں میں کیا ہے۔ سنن دارمی میں 35 کتابیں (فصلیں) اور ایک ہزار چار سو آٹھ ابواب ہیں، احادیث کی تعداد تین ہزار پانچ سوستاون ہے۔ اس کے مختلف ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔

حدیث کی عام کتابوں سے ہٹ کر سنن دارمی کا آغاز باب ما کان علیه الناس قبل مبعث النبی صلی الله علیه وسلم من الجهل والضلالة سے ہوتا ہے۔ اس فصل کے مختلف ابواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کو بیان کیا گیا ہے جو قدیم کتابوں میں مذکور ہیں اور آپؐ کے معجزات وفضائل کے ساتھ اتباع سنت اور علم کی اہمیت پر بھی ابواب ہیں۔ اس کے بعد سنن کی عام کتابوں کی طرح طہارت سے شروع ہو کر وصایا اور فضائل قرآن پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

19.3.1 سنن دارمی کی خصوصیات

سنن دارمی میں 15 ثلاثی حدیثیں ہیں۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی سندیں نہایت بلند پایہ ہیں اور صحت کا خاص خیال

رکھا گیا ہے۔اس میں فقہی مسائل ومباحث اوران کے متعلق فقہاء کے اختلافات ودلائل بھی بیان کے گئے ہیں۔احادیث کی طرح صحابہ وتابعین کے آثار وفتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں بلکہ بعض ابواب میں تو صرف صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار ہی ہیں۔روایات کے مفہوم اور منشاء کی وضاحت کی گئی ہے۔حدیث میں اگر کہیں ابہام ہے تو اس کی تشریح کردی گئی ہے۔مشکل الفاظ کو حل کیا گیا ہے۔مقامات کی تحقیق کی گئی ہے۔حدیث کے مسند، مرفوع، منقطع اور موقوف ہونے کی وضاحت کردی گئی ہے وغیرہ۔سنن دارمی کو سنن اور مسند دونوں کہا جاتا ہے۔

19.3.2 امام دارمی: مختصر حالات زندگی

پورا نام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمان بن فضل بن بہرام ہے۔181ھ میں خراسان کے مشہور شہر سمرقند میں پیدا ہوئے۔قبیلہ تمیم کی ایک شاخ دارم سے نسبی تعلق تھا اور اسی نسبت سے دارمی کے نام سے شہرت پائی۔امام دارمی نے اپنے زمانے کی رائج ابتدائی تعلیم کے بعد اس زمانے کی روایت کے مطابق مختلف علاقوں کا سفر کر کے وہاں کے مشائخ اور اساتذہ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔شام، عراق، خراسان، بغداد، مصر اور مکہ مدینہ کا سفر حصول علم حدیث کے مقصد سے کیا۔ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی سفر کئے۔بارگاہ الٰہی سے انہیں غیر معمولی قوت حافظہ ملی تھی جس کا کہ حدیث کے اماموں نے بھرپور اعتراف کیا ہے اور ان کی ثقاہت وعدالت کے بھی علماءِ فن معترف ہیں۔حدیث کے علاوہ فقہ وتفسیر کے علوم میں بھی انہیں مہارت حاصل تھی خاص طور پر ان کی فقہی بصیرت کو سنن میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔75 سال کی عمر میں اپنے وطن سمرقند میں 8 ذی الحجہ 255ھ کو وفات پائی اور اگلے دن تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔امام بخاری کو جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو فرط غم سے سر جھکا کر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔سنن دارمی کے علاوہ امام دارمی کی دیگر تصانیف یہ ہیں: 1۔کتاب التفسیر، 2۔الجامع یا کتاب الجامع۔

19.4 معاجم ثلاثہ (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر)

حدیث کی یہ تینوں کتابیں امام ابوالقاسم طبرانی کی تالیف ہیں۔علماء حدیث کے نزدیک معجم ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں شیوخ کی ترتیب پر حدیثیں درج کی گئی ہوں۔عموماً حروف تہجی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔لیکن کبھی کبھی شیوخ کی وفات اور علم وتقویٰ میں اولیت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔اسی طرح کبھی کبھی شیوخ کے بجائے صحابہ یا بلاد وامصار (شہروں) کی ترتیب پر بھی معجم کو مرتب کیا جاتا ہے۔معجم کبیر میں صحابہ کی ترتیب پر ان کی مرویات کو شامل کیا گیا ہے۔یہ کتاب 12 جلدوں میں ہے اور اس میں 60 ہزار حدیثیں شامل ہیں۔کتب معاجم میں سب سے بڑی کتاب یہی ہے۔(اس کتاب میں حضرت ابوہریرہ کی مرویات نہیں ہیں کیوں کہ امام طبرانی ان کو الگ سے مرتب کرنا چاہتے تھے، جو شاید وہ نہیں کرسکے) دوسری کتاب معجم اوسط ہے۔اس کو امام طبرانی نے شیوخ کے نام پر مرتب کیا ہے۔اس میں انہوں نے اپنے تقریباً ایک ہزار شیوخ کے افراد وغرائب جمع کیے ہیں۔(افراد وغرائب ان حدیثوں کو کہا جاتا ہے جو ایک ہی شیخ کے پاس ہوں اور دوسرے شیوخ ان سے واقف نہ ہوں)۔اس میں نفیس عزیز اور منکر ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں۔یہ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔معجم صغیر ان سب میں مختصر ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مقبول ومتداول ہے۔یہ بھی شیوخ کے ناموں پر حروف تہجی کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔اور ایک ہزار سے زائد شیوخ سے انہوں نے ایک ایک حدیث لی ہے۔آخر میں بعض خواتین کی بھی حدیثیں ہیں۔اس کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار بتائی گئی ہے لیکن بعض نے ڈیڑھ ہزار بھی لکھا ہے۔

19.4.1 معجم صغیر کی خصوصیات

اس کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں:

اس میں روایت اور راوی کے متعلق مختلف قسم کی تصریحات کی گئی ہیں۔ حدیث کے بارے میں اہل علم کے بیان کردہ مفہوم کو ذکر کرنے کے علاوہ خود بھی کہیں کہیں اس کی مراد واضح کی ہے۔ اس میں امام طبرانی نے فقہ کے اماموں اور محدثین کے اقوال اور رائیں بھی نقل کی ہیں۔ بعض حدیثوں کے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کے جواب بھی دیے ہیں۔ معجم صغیر کی مختلف شرحیں اور حواشی بھی لکھے گئے ہیں اور مختلف مقامات سے اس کے مطبوعہ ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔

19.4.2 امام طبرانی: مختصر حالات زندگی

امام طبرانی کا پورا نام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر ہے۔ 260ھ میں طبریہ میں پیدا ہوئے جو اردن سے قریب واقع ہے اور اسی کی نسبت سے وہ طبرانی کہلاتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن طبریہ میں حاصل کی۔ 13 سال کی عمر سے ہی تحصیل علم کی خاطر مختلف مقامات کے سفر بھی کیے ان میں حمص، جبلہ، شام، مکہ، مدینہ، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، جزیرہ، فارس اور اصفہان وغیرہ شامل ہیں۔ اصفہان کو اس زمانے میں جو مرکزیت حاصل تھی اس کے سبب بعد میں مستقل یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔ علم حدیث کے حصول کے لئے انہوں نے کافی مشکلات کا سامنا کیا۔ علماء حدیث نے لکھا ہے کہ ان کا علم حدیث بہت ہی وسیع اور درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے تذکرۃ المحدثین میں امام طبرانی کی 75 کتابوں کے نام دیے ہیں۔ چند نام اس طرح ہیں: (1) کتاب الاوائل، (2) کتاب التفسیر، (3) کتاب المناسک، (4) مسند العشرہ، (5) مسند عائشہ۔ 28 ذی قعدہ 360ھ کو سو سال کی عمر میں اصفہان میں انتقال ہوا۔ مشہور محدث حافظ ابونعیم اصفہانی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

19.5 مستدرک حاکم

امام ابوعبداللہ الحاکم کی مشہور اور اہم تالیف ہے۔ اس کا پورا نام المستدرک علی الصحیحین ہے۔ علمائے حدیث مستدرک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان حدیثوں کو نقل کیا جاتا ہے جو حدیثیں کسی اور کتاب کی شرط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں۔ مستدرک حاکم میں ان حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے جو امام حاکم کے خیال میں صحیحین کے معیار و شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔ مستدرک حاکم کا شمار حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقے میں اس کو مسند دارمی اور سنن دارقطنی جیسی اہم کتابوں کے ساتھ رکھا ہے۔

19.5.1 مستدرک حاکم کی خصوصیات

مستدرک حاکم کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

مستدرک حاکم میں صحیحین کی ان متروک حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے جو ان کے شرائط اور معیار کے مطابق ہیں۔ دونوں میں سے کسی ایک کی متروک حدیثوں کو بھی درج کیا گیا ہے۔ مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی شامل ہیں جو صحیحین کے اصول و شرائط کے مطابق تو نہیں لیکن امام حاکم کی

تحقیق میں صحیح ہیں۔امام حاکم نے بعض وہ حدیثیں بھی اس میں شامل کی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے لیکن ان کی حیثیت شواہد یا تابع کی ہے۔حلال وحرام سے متعلق احادیث کو نقل کرنے میں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے۔مستدرک حاکم کی جمع وترتیب میں حسن وموزونیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے لیکن جہاں انہوں نے فقہی اختلافات ذکر کیے ہیں ان سے امام حاکم کی فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ مستدرک میں بڑی تعداد میں ایسی حدیثیں ہیں جن سے حدیث کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔حدیث اوراس کے راویوں کے بارے میں وضاحتیں بھی کی ہیں۔مستدرک پر شروح وحواشی کے علاوہ اس کی تلخیص کا کام بھی ہوا ہے خاص طور پر امام ذہبی کی تلخیص نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

19.5.2 امام ابوعبداللہ حاکم: مختصر حالات زندگی

امام حاکم کا پورا نام محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن حکم ہے۔منصب قضا پر فائز ہونے کی وجہ سے حاکم کے لقب سے شہرت پائی۔ دوشنبہ 3 ربیع الاول 321ھ کو خراسان کے مردم خیز شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔امام حاکم نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں علم وفن کا پہلے سے ہی کافی چرچا تھا۔ان کے والد اور ماموں دونوں کا شمار نیشاپور کے علماء میں ہوتا تھا۔ان کے فیض اور توجہ سے امام حاکم بھی بچپن میں ہی علم وفن کی تحصیل میں لگ گئے۔امام حاکم کو تقریباً دو ہزار علماء ومشائخ سے استفادے کا موقع ملا۔حدیث کے علاوہ فقہ وکلام میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ حدیث کا علم حاصل کرنے کے مقصد سے امام حاکم نے مسلم دنیا کے مختلف مقامات کے سفر بھی کیے اور اس طرح روایت حدیث میں امتیاز وکمال پیدا کیا۔دینی علوم کے ساتھ ساتھ امام حاکم سیاسی واجتماعی امور میں بھی اچھی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اسی لیے انہیں قاضی بنایا گیا اور سامانی حکمراں ان سے مشورے بھی لیتے تھے۔3 صفر بدھ کے روز 405ھ میں امام حاکم کا نیشاپور میں انتقال ہوا۔امام حاکم کا شمار کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے لیکن ان کی اکثر کتابیں نایاب ہیں۔مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے مستدرک سمیت 24 معلوم تصانیف کا نام وتعارف دیا ہے۔ان میں المدخل الی علم الحدیث اور تاریخ نیشاپور خاص ہیں۔

19.6 سنن کبریٰ (سنن بیہقی)

سنن میں امام بیہقی کی دو کتابیں السنن الکبیرہ (سنن کبریٰ) اور السنن الصغیرہ (سنن صغریٰ) کے نام سے مشہور ہیں۔یہ احکامی احادیث کے مجموعے ہیں اور ان کو فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔سنن صغریٰ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔اس کے ناقص قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں البتہ سنن کبریٰ دس جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔سنن بیہقی سے مراد عام طور پر سنن کبریٰ ہی ہوتی ہے۔صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو اسلامی دنیا میں غیر معمولی شہرت اور بقائے دوام حاصل ہوا یہ کتاب ان میں سے ایک ہے۔اسلامیات کے ذخیرے میں اسے عظیم الشان اضافہ ہی نہیں، معتبر اور مستند بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اسے بھی کتب حدیث کے تیسرے طبقے میں شامل کیا ہے۔سنن کبریٰ کا کمال یہ ہے کہ اسے مؤلف کی زندگی میں ہی شہرت ومقبولیت اور اعتبار واستناد حاصل ہو گیا تھا۔امام بیہقی نے اس کی ترتیب وتالیف اور متون واسناد کی صحت وجودت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیا ہے۔اور علماء حدیث کو یہ اعتراف ہے کہ سنن کبریٰ میں دیدہ ودانستہ کوئی موضوع حدیث شامل نہیں کی گئی ہے۔

19.6.1 سنن بیہقی کی خصوصیات

سنن کبریٰ یا سنن بیہقی کی کچھ نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

جامعیت، ضخامت اور حجم وغیرہ سے قطع نظر سنن بیہقی میں متعدد ایسی حدیثیں شامل ہیں جو حدیث کی معروف ومعتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ بے شمار ایسی حدیثیں بھی ہیں جو دوسری کتابوں میں موجود ہیں لیکن بیہقی کے اسناد ومتون میں بعض مفید اضافے ہیں۔ امام بیہقی نے متعدد طریقوں اور سندوں سے ایک ہی معنی والی روایتوں کو جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ تراجم ابواب کی کثرت بھی سنن بیہقی کا نمایاں وصف ہے۔ انہوں نے ہر ہر مسئلہ کے لیے مستقل اور علاحدہ ابواب قائم کیے ہیں۔ معانی ومطالب کی وسعت وتنوع اور استدلال، استنباط اور استخراج کے لحاظ سے سنن بیہقی کو بے نظیر کتاب مانا جاتا ہے۔ جمع وترتیب اور تہذیب کے اعتبار سے بھی یہ ایک بہترین کتاب ہے، بخاری کی طرح سنن بیہقی کے ابواب بھی حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ سنن بیہقی کا ایک نمایاں امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں حوالوں اور حدیثوں کے مآخذ کی نشان دہی کر دی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حدیث کن کن کتابوں میں موجود ہے۔ صحیحین کے حوالے بہت زیادہ ہیں۔ سنن بیہقی فقہی مسائل ومعلومات کا خزانہ ہے۔ ایک ایک حدیث سے مختلف مسائل مستنبط کئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں صحابہ وتابعین کے آثار اور ائمہ کے اقوال ومسالک کو بھی جمع کر دیا گیا ہے۔ چوں کہ امام بیہقی جرح وتعدیل میں بھی امامت کے منصب پر فائز تھے اس لیے اس میں اسانید ومتون پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

19.6.2 امام بیہقی: مختصر حالات زندگی

امام بیہقی کا پورا نام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ بیہقی ہے۔ شعبان 384ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کے قریب واقع علاقے بیہق میں پیدا ہوئے۔ یہ کئی گاؤں پر مشتمل بہت ہی زرخیز آباد علاقہ ہے۔ اسی نسبت کی وجہ سے امام صاحب بیہقی کہلاتے ہیں۔ امام بیہقی کی ابتدائی نشو ونما اور تعلیم وتربیت بیہق میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ امام بیہقی نے بھی دیگر محدثین کی طرح طلب حدیث میں دور دراز کے سفر کیے اور مختلف مقامات پر پہنچ کر وہاں کے اصحاب علم وفن سے استفادہ کیا۔ ان کے حفظ وثقاہت اور ضبط واتقان پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ وہ اپنے زمانے میں یگانہ روزگار محدث گزرے ہیں اور علم حدیث میں متعدد بے نظیر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ شروع میں اپنے وطن بیہق میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن بعد میں لوگوں کے اصرار پر وہاں سے اٹھ کر نیشاپور آ گئے جہاں بڑے بڑے ارباب کمال ان کے درس میں شریک ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ 74 سال کی عمر میں سنیچر 10 جمادی الاولیٰ 458ھ کو نیشاپور میں انتقال ہوا۔ لاش بیہق لائی گئی اور یہیں تدفین عمل میں آئی۔ امام بیہقی کو قدرت کی جانب سے تصنیف وتالیف کا خاص ملکہ عطا ہوا تھا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر کثرت سے لکھا۔ اس کے باوجود ان کی کتابیں مفید جامع اور پر مغز ہیں۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے امام بیہقی کی 36 کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بعض نام یہ ہیں۔ (1) کتاب الاسرار، (2) کتاب المعرفہ والآثار، (3) کتاب الآداب، (4) کتاب الاربعین، (5) دلائل النبوۃ، (6) کتاب الزہد، (7) شعب الایمان وغیرہ۔

19.7 مشکوٰۃ المصابیح

دنیائے اسلام میں حدیث کی جن کتابوں کو لازوال شہرت اور بقائے دوام حاصل ہے مشکوٰۃ المصابیح ان میں ایک نمایاں نام ہے۔ یہ

حدیث کی مقبول ہی نہیں اہم ترین کتاب ہے اور صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں کی حدیثوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی مستند و معتبر سمجھی جاتی ہے۔ امام ولی الدین خطیب تبریزی اس کے مؤلف ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کو اپنے استاد علامہ طیبی کی مدد اور مشورے سے لکھا' یہ ایک طرح سے حدیث کے مشہور عالم امام بغوی کی کتاب مصابیح السنہ کا تکملہ ہے۔ اس کی اہمیت ومقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ہر دور میں علماء حدیث نے اس کتاب کے ساتھ خاص معاملہ کیا ہے اور اس پر ان کی کافی توجہ رہی ہے۔ آج تک دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا یہ کتاب لازمی حصہ ہے۔ یہ اس کی اہمیت ہی ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں اور کثرت سے اس پر شروح وحواشی لکھے گئے ہیں۔

19.7.1 امام ولی الدین خطیب تبریزی: مختصر حالات زندگی

امام صاحب کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد ہے۔ ولی الدین ان کا لقب ہے لیکن خطیب تبریزی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آذربائجان کے مشہور شہر تبریز میں پیدا ہوئے اور اسی کی نسبت سے تبریزی کہلاتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق سے تھا۔ ان کے اساتذہ میں صرف ایک یعنی علامہ حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی کا نام معلوم ہے جن کے مشورے اور مدد سے انہوں نے مشکوۃ المصابیح مرتب کی۔ خطیب تبریزی کا امتیاز یہ ہے کہ ان کی کتاب کی شرح خود ان کے استاذ نے لکھی ہے۔ ملا علی قاری نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ علم وفضل اور حقائق و دقائق کا بحر بے کراں تھے۔ خاص طور پر مشکوۃ ان کے علمی تبحر اور علم حدیث میں عظمت وبرتری کا ثبوت ہے۔ خطیب تبریزی کے حالات زندگی زیادہ تر لوگوں کو نہیں معلوم۔ جس طرح ان کے سنہ ولادت کا علم نہیں اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم کہ کس سنہ میں ان کا انتقال ہوا۔ البتہ اتنا طے ہے کہ ان کی وفات 737ھ کے بعد کسی وقت ہوئی کیوں کہ اسی سال انہوں نے مشکوۃ کی ترتیب وتالیف کا کام مکمل کیا تھا۔

19.8 اکتسابی نتائج

- خلاصہ یہ ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آج ہمارے سامنے حدیث کے مختلف مجموعے موجود ہیں جن کو اپنے اپنے طور پر اور اپنے مذاق کے مطابق احادیث رسول سے شغف رکھنے والے محدثین کرام نے جمع کیا ہے۔
- دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں اور احادیث کو سمجھنے کے لئے بے شمار حواشی اور شرحیں موجود ہیں۔
- حدیث کی ان بے شمار صحیح اور مستند ترین کتابوں میں سے درجہ اول کی چند اہم کتابوں اور ان کے مؤلفین کا یہاں تعارف دیا گیا ہے۔
- ان میں نمایاں صحاح ستہ ہیں جو بغیر کسی اختلاف کے حدیث رسول کے صحیح ترین مجموعے ہیں، اسی طرح دیگر کتب احادیث کے حوالے سے جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے وہ بھی معیاری اور مستند ومعروف کتب حدیث ہیں۔

19.9 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ حدیث کی مشہور کتاب سنن دارمی کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ مستدرک حاکم کا تعارف کرائیے۔

3۔ مشکوٰۃ المصابیح اور امام خطیب تبریزی پر ایک تعارفی نوٹ لکھیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ حدیث کی کتابوں میں مستدرک کسے کہتے ہیں؟ مستدرک حاکم اور امام حاکم کی خدمات حدیث پر روشنی ڈالیے۔

2۔ معاجم ثلاثہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے امام طبرانی کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ سنن بیہقی کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے حدیث میں امام بیہقی کی خدمات سے بحث کریں۔

19.10 تجویز کردہ کتابیں

1۔ مولانا مناظر احسن گیلانی	:	تدوین حدیث
2۔ غلام رسول سعیدی	:	تذکرۃ المحدثین
3۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی	:	تذکرۃ المحدثین
4۔ محمد فاروق خاں	:	علم حدیث: ایک تعارف
5۔ صبحی صالح، اردو ترجمہ غلام احمد حریری	:	علم الحدیث
6۔ ضیاء الرحمٰن اعظمی، اردو ترجمہ سہیل حسن	:	معجم اصطلاحات الحدیث

۔:oOo:۔

اکائی 20 : علم حدیث میں ہندستانی علماء کی خدمات

اکائی کی ساخت

20.1 تمہید
20.2 مقصد
20.3 ہندوستان میں علم حدیث کی اجمالی تاریخ
20.4 علم حدیث میں ہندوستانی علماء کی خدمات
20.5 مشہور ہندستانی علماء حدیث
20.5.1 ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ نزیل السند
20.5.2 ابوجعفر دیبلی
20.5.3 شیخ محمد اسماعیل لاہوری
20.5.4 امام حسن صغانی
20.5.5 شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی
20.5.6 حضرت نظام الدین اولیاء
20.5.7 شیخ علی متقی
20.5.8 شیخ محمد بن طاہر
20.5.9 شیخ عبدالحق محدث دہلوی
20.5.10 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
20.6 اکتسابی نتائج
20.7 نمونہ امتحانی سوالات
20.8 تجویز کردہ کتابیں

20.1 تمہید

ہندوستان مسلمانوں کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی، کیوں کہ ہندوستان کے مغربی سواحل کے ساتھ عربوں کی تجارت زمانہ قبل از اسلام سے

ہی جاری تھی اور مالابار سے لے کر گجرات اور موجودہ مہاراشٹر تک کے ساحلی علاقوں میں جا بجا عربوں کی نوآبادیاں بھی قائم تھیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کو عام طور پر ترکوں اور افغانوں کے ہندوستان پر حملوں سے جوڑا جاتا ہے جو چوتھی صدی ہجری کا زمانہ ہے یا زیادہ سے زیادہ محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ ہندوستان کے مغربی ساحلوں پر زمانہ ماقبل اسلام سے جو عرب آبادیاں قائم تھیں سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کی آمد انہیں کے حوالے سے ہوئی۔ عربوں میں اسلام کا جب عام چرچا ہوا تو نور اسلام کی روشنی ان آبادیوں تک بھی پہنچی۔ مسلمانوں کی علمی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے جس چپہ زمین پر بھی قدم رکھا علم و ہنر کی تازہ بستیاں آباد کردیں، ہندوستان بھی ان کے علم وفن کی برکتوں سے محروم نہیں رہا۔ اس کا آغاز عرب نوآبادیات میں قائم مساجد سے ہوا جو مسلمانوں کے دینی علوم کے مراکز تھے اور جہاں بیٹھ کر مسلمان علماء قال اللہ وقال الرسول کا درس دیا کرتے تھے۔ ہندوستان میں علم حدیث کا اولین چرچا عربوں کی ان ہی نوآبادیات میں ہوا اور پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔

20.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ طلبہ کو ہندوستان میں حدیث اور علم حدیث کی اجمالی تاریخ بتائی جائے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ برصغیر کے علماء نے اس میدان میں کیا اور کون سی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس ضمن میں ہندوستان کے چند مشہور علماء حدیث کا تعارف اور خدمات کا ذکر بھی ہوگا۔

20.3 ہندوستان میں علم حدیث کی اجمالی تاریخ

مولانا سید سلیمان ندوی کے قول کے مطابق مسلمان ہندوستان کو اپنا مفتوحہ ملک نہیں بلکہ موروثی وطن سمجھتے تھے، کیوں کہ بعض ضعیف روایتوں میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو زمین کی اسی جنت یعنی ہندوستان میں اتارے گئے۔ ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا سب سے پہلے ان عرب آبادیوں میں ہوا جو زمانہ قبل از اسلام سے ہندوستان کے مغربی سواحل پر قائم تھیں۔ بعد ازاں 93ھ میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے بعد سے یہ علاقہ تیسری صدی ہجری کے شروع تک مسلمانوں کے تسلط میں رہا' اس دوران سندھ اور اطراف کے علاقوں میں مسلمانوں نے اپنی حکومت ہی قائم نہیں کی بلکہ ان کی کوششوں سے ان علاقوں میں اسلامی علوم وفنون کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے تذکرۃ المحدثین میں اس زمانے کے ہندوستان سے متعلق عرب اور ہندی علماء ومحدثین کی ایک فہرست دی ہے جو اس طرح ہے:

> ربیع بن صبیح سعدی بصری (متوفی 160ھ) ابومعشر نجیح بن عبدالرحمان سندھی (متوفی 170ھ)، اسرائیل بن موسیٰ بصری (دوسری صدی ہجری)، ابوخالد یزید بن عبداللہ بیسری سندھی (دوسری صدی ہجری)، عبدالرحمان ابوامید سندھی (دوسیر صدی ہجری)، ابراہیم بن محمد دیبلی مکی (اوائل تیسری صدی ہجری)، ابومحمد رجا بن سندھی اسفرائینی (متوفی 221ھ)، ابومحمد خلف بن سالم سندھی بغدادی (متوفی 231ھ)، ابوالحسن محمد بن عبداللہ سندھی بصری (تیسری صدی ہجری)، ابومحمد موسیٰ بن سندھی (تیسری صدی ہجری)، ابوجعفر سندھی (تیسری صدی ہجری)، ابومحمد عبداللہ المنصوری، ابوالعباس احمد بن محمد المنصوری

(چوتھی صدی ہجری)،شعیب بن محمد دیبلی (315 ہجری کے بعد)،ابوجعفر محمد بن ابرہیم دیبلی مکی (322ھ)،ابوالعباس احمد بن عبداللہ دیبلی نیشاپوری (343ھ)،ابوالفوارس احمد بن محمد صابونی سندھی مصری (349ھ)،ابوالقاسم منصور بن محمد (متوفی 386ھ)، ابوبکر محمد بن علی بامیانی (متوفی 390ھ)،علی بن موسیٰ دیبلی بغدادی (چوتھی صدی ہجری) وغیرہ۔ (تذکرۃ المحد ثین،جلدسوم،ص7)

سندھ میں عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعدغزنوی اورغوری حکومتیں قائم ہوئیں،بعدازاں اندرون ہند دہلی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ اس دوران کئی سو برس تک بحر ہند کے ساحلی علاقوں کے علاوہ پورے ہندوستان میں حدیث اورعلوم حدیث پر کچھ زیادہ کام نہیں ہوا کیوں کہ ایران اور وسطی ایشیا کے راستے سے ہندوستان آنے والے مسلمانوں میں معقولات کے علوم زیادہ مقبول اوررائج تھے۔لہذاان کے زیراثر ہندوستان میں بھی علماء کی توجہ کا زیادہ مرکز فقہ وکلام اورتصوف ومنطق جیسے علوم رہے۔حدیث کی بنیادی کتابوں کے بجائے ثانوی مصادر کوداخل درس کیا گیا۔لہذا علوم حدیث وعلوم قرآن کا جیسا چرچا کہ یہاں ہونا چاہیے تھانہیں ہوا۔اس دوران ہندوستان میں حدیث کے جوبڑے عالم گزرے ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں۔

ابوالفتح عبدالصمد بن عبدالرحمان اشعثی لاہوری (متوفی 429ھ)،شیخ اسماعیل لاہوری (متوفی 448ھ)،ابوالقاسم محمود بن خلف لاہوری اسفرائینی (متوفی 540ھ)،ابومحمد بختیار بن عبداللہ ہندی (متوفی 541ھ)،ابوالحسن بختیار بن عبداللہ ہندی (متوفی 443ھ)،ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی سندھی (متوفی 600ھ)،ابوالفضائل حسن بن محمد صغانی (متوفی 650ھ)،شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی (متوفی 666ھ)،حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء(متوفی 725ھ)،مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی (متوفی 747ھ)،عمرغزنوی (متوفی 773ھ)،شیخ شرف الدین یحیٰ منیری (782ھ)، امیرکبیرسیدعلی ہمدانی (متوفی 786ھ)،مولانا فخرالدین زرادی،مولانا برہان الدین محمود دہلوی (متوفی 887ھ)وغیرہ۔

ان میں امام صغانی اورخاص طورپران کی تصنیف مشارق الانوارکو ہندوبیرون ہند بہت زیادہ شہرت ملی۔اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نویں صدی ہجری تک ہندوستان میں حدیث اورعلوم حدیث کو جومقام ملنا چاہیے تھانہیں ملا۔کہا جاتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے بعد ہندوستان میں علم حدیث کا ازسرنوآغاز ہوا۔اوردسویں وگیارہویں صدی ہجری کے دوران ہندوستان میں حدیث کے بڑے بڑے علماءگزرے ہیں اورانہوں نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں نمایاں کرداراداکیا۔اس زمانے کے علماءحدیث کی ایک طویل فہرست مولانا ضیاءالدین اصلاحی نے تذکرۃ المحد ثین جلدسوم میں دی ہے یہاں پران میں سے صرف چندنام ذکرکیے جاتے ہیں۔

مولانا راجح بن داؤد گجراتی (متوفی 904ھ) مولانا علاءالدین احمد نہروالی،شیخ رفیع الدین شیرازی (متوفی 954ھ)، ملاعلی محدث سمرقندی(متوفی ۹۸۱ھ)، مولانا عبدالرحمان محدث سرہندی(استاد شیخ احمد سرہندی)، شیخ عبداللہ لاہوری اور شیخ محمد بن طاہری پٹنی (متوفی986ھ)،شیخ علی متقی (متوفی 975ھ)اورشیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی 1052ھ)وغیرہ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ یہ ہے کہ ان کےاوران کے خاندان کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں حدیث کا چرچاعام ہوا۔اورپھر شاہ ولی اللہ دہلوی اوران کے خانوادے نے اس میں چارچاندلگادیا۔ان دونوں خانوادوں کا فیض اس طرح جاری ہوا کہ ہندوستان کا کوئی خطہ اورعلاقہ

بھی اس سے محروم نہ رہا، شاہ ولی اللہ کے بعد شاہ عبدالعزیز، شاہ اسحاق اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی نے اس مشن کو مزید آگے بڑھایا اور اب ہندوستانی مدارس کے توسط سے ہندوستان کے ہر گوشے اور کوچے میں حدیث اور علم حدیث کا چرچا عام ہے۔ ان میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو مرکزیت حاصل ہے۔

20.4 علم حدیث میں ہندوستانی علماء کی خدمات

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا مسلمان حملہ آوروں کی یہاں آمد سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا مسلمانوں کے دیگر علوم کی طرح علم حدیث کا فروغ بھی سب سے پہلے ہندوستان کے مغربی سواحل پر آباد ان عرب آبادیوں میں ہوا جو اسلام کی آمد کے بعد مسلم بستیاں بن چکی تھیں۔ اسی دوران پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سندھ پر مسلمانوں کی فتح اور مسلم حکومت کے قیام نے بھی ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ میں اہم رول ادا کیا اور اس دوران یہاں پر خاص طور پر سندھ کے علاقوں میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی علماء حدیث کا تذکرہ مختلف تاریخی مآخذ میں ملتا ہے، جن میں سے بعض کو لازوال شہرت بھی حاصل ہوئی۔ لاہور میں غزنی حکومت اور بعدازاں دہلی میں سلطنت حکومت کے قیام کے بعد گرچہ کہ ہندوستان میں علم حدیث کی مقبولیت پہلی جیسی نہیں رہی اور اس کی جگہ علم فقہ نے لے لی (جس کے بعض تاریخی عوامل بھی تھے) لیکن اس دوران بھی ہندوستان میں علماء حدیث کی قابل ذکر تعداد موجود رہی، اس سلسلے میں صوفیاء کی خانقاہوں کا رول نہایت اہمیت کا حامل ہے جن میں سے بعض میں صحاح ستہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ نویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث کا احیاء ہوا اور بڑے پیمانے پر خاص طور پر شمالی ہند میں علم حدیث کو فروغ ملا۔ اس میں کلیدی رول شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خانوادوں نے ادا کیا جن کے جلائے ہوئے چراغوں سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ آئندہ صفحات میں ہماری کوشش ہوگی کہ ہر دور کے نمائندہ ہندوستانی علماء حدیث کا مختصر تعارف دے دیا جائے۔

20.5 مشہور ہندوستانی علماء حدیث

1۔ ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ نزیل السند (متوفی 155ھ/ 771ء)

2۔ ابوجعفر دیبلی (متوفی 322ھ/ 934ء)

3۔ شیخ محمد اسماعیل لاہوری (متوفی 448ھ/ 1056ء)

4۔ امام حسن صغانی (متوفی 650ھ/ 1252ء)

5۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (متوفی 666ھ/ 1267ء)

6۔ حضرت نظام الدین اولیاء (634ھ۔725ھ/ 1236ء۔1325ء)

7۔ شیخ علی متقی (متوفی 975ھ/ 1567ء)

8۔ شیخ محمد بن طاہر (متوفی 986ھ/1578ء)

9۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (958ھ۔1052ھ)

10۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1114ھ/1703-1176ھ/1462ء)

20.5.1 ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ نزیل السند

ابوموسیٰ بصرہ کے باشندے تھے۔ تجارت کے مقصد سے سندھ آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کر لی۔ ابوموسیٰ حدیث کے ایک ثقہ راوی تھے اور حضرت حسن بصری اور ابوحازم اشجعی سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ روایت حدیث میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور یحیٰ بن سعید جیسے حدیث کے بڑے عالم ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ امام بخاری نے ابوموسیٰ کی بیان کی ہوئی حدیثوں کا حوالہ صحیح بخاری میں چار مختلف مقامات پر دیا ہے اور سنن کی کتابوں میں بھی ان کی احادیث محفوظ کی گئی ہیں۔

20.5.2 ابوجعفر دیبلی

ابوجعفر دیبلی، دیبل (سندھ) کے پہلے عالم ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک سفر کیا۔ ان کا نام محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی ہے لیکن ابوجعفر کے لقب (کنیت) سے مشہور ہیں۔ ابوجعفر دیبلی نے مکہ جا کر وہاں کے محدثین اور علماء سے حدیث اور دیگر اسلامی علوم کا درس لیا۔ انہوں نے مکہ کے محدث محمد بن زنبور، عبدالرحمان بن صبیح اور دوسرے محدثین سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علم حدیث کی تکمیل کے بعد ابوجعفر وطن واپس نہیں لوٹے بلکہ مکہ میں ہی اس علم کی خدمت کرتے رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں جن میں محمد بن ابراہیم المقری (متوفی 381ھ) نمایاں ہیں۔ انہوں نے جمادی الاول 322ھ/ اپریل 934ء میں مکہ میں انتقال کیا۔

20.5.3 شیخ محمد اسماعیل لاہوری

شیخ محمد اسماعیل کا اصل وطن بخارا تھا۔ 395ھ/1004ء میں وہ بخارا سے ہندوستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی اور اس نسبت سے لاہوری کہلاتے ہیں۔ اس وقت تک لاہور مسلم حکومت کا حصہ نہیں تھا۔ شیخ محمد اسماعیل حدیث و تفسیر کے بڑے عالم تھے اور لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز انہیں کا مرہون منت ہے۔ شیخ محمد اسماعیل لاہوری کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے تعلیم حدیث کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کا کام بھی کیا۔ لاہور میں ان کا وعظ سننے کے لئے بڑی تعداد میں لوگ حاضر ہوتے تھے۔ ان میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی ہوتے تھے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ مدت تک ہندوستان میں اسلام اور علوم اسلامی کی اشاعت کا کام کیا۔ 448ھ/1056ء میں لاہور میں انتقال فرمایا۔

20.5.4 امام رضی الدین حسن صغانی لاہوری

ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ کے حوالے سے جو چند نام سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ امام رضی الدین حسن صغانی لاہوری ان میں سے ایک ہیں۔ ان کے آباء و اجداد وسطی ایشیا میں ترمذ کے قریب صغان (چغان) کے رہنے والے تھے جو بعد کے زمانے میں لاہور میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ یہیں پر 577ھ/1181ء میں حسن صغانی کی ولادت ہوئی، حسن نام اور رضی الدین لقب ہے۔ پہلے انہوں نے اپنے والد محمد صغانی سے

مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی جو اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے۔ضروری علوم کی تحصیل وتکمیل کے بعد مزید حصول علم کے شوق اور جستجو میں انہوں نے اسلامی دنیا کے مختلف شہروں کا سفر کیا اوران مقامات کے علماء سے مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔وہ مختلف علوم وفنون میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔لیکن حدیث، فقہ، لغت اور ادب میں انہیں خصوصی مہارت حاصل تھی۔37 برس کی عمر میں شعبان 650ھ/ 1252ء کو بغداد میں وفات ہوئی۔وصیت کے مطابق تدفین مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

علم حدیث سے امام حسن صغانی کو خصوصی لگاؤ اور دل چسپی تھی۔ ہندوستان کے علماء حدیث میں ان کا نام سرفہرست ہے۔روایت حدیث کے ساتھ ساتھ حدیث کے متعلقہ علوم رجال، جرح وتعدیل اور توثیق وتضعیف میں بھی یکتا تھے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ان کے بارے میں فوائد الفؤاد میں بیان کرتے ہیں:

’جب وہ بغداد سے دہلی پہنچے تو اس زمانے میں دہلی مختلف فنون کے علماء کبار اور منتخب لوگوں سے معمور تھی لیکن حدیث میں کوئی شخص صغانی سے زیادہ ممتاز یا ان کے ہم پایہ نہ تھا‘

ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ عراق وحجاز کے علماء بھی ان کے علم وفضل کا لوہا مانتے تھے۔گو امام صغانی کا ہندوستان میں قیام کم رہا اور انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عراق وعرب میں گزارا۔ ہندوستان میں تقریباً 20 برس تک وہ خلفائے عباسیہ کے سفیر کے طور پر رہے اور اسی دوران ہندوستانیوں کو ان سے اخذ واستفادے کا موقع ملا۔انہوں نے بغداد میں ایک عرصے تک درس وتدریس کا کام بھی کیا۔درس وتدریس اور سفارت کے علاوہ وہ تصنیف وتالیف کے کام میں بھی مشغول رہے۔مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان کی 41 تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ان میں سب سے زیادہ اور لازوال شہرت مشارق الانوار کو حاصل ہوئی۔

مشارق الانوار امام حسن صغانی کی سب سے اہم اور مشہور تالیف ہے۔اس کتاب کا پورا نام مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویہ ہے۔ ہندوستان میں نویں صدی ہجری تک صرف یہی کتاب درس وتدریس میں داخل تھی۔اس لیے ہندوستان میں سب سے زیادہ شہرت بھی اسی کتاب کو حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے علاوہ بھی مسلم دنیا میں اسے کافی شہرت ملی اوراس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں۔ یہ کتاب عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔انہوں نے اس میں 2246 حدیثیں جمع کی ہیں۔اور یہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔حدیث کی کتابوں میں اس کی نوعیت مشکوۃ جیسی ہے،فرق یہ ہے کہ مشکوۃ مختلف کتابوں کی احادیث کا مجموعہ ہے اوراس کی ترتیب فقہی ابواب پر کی گئی ہے مگر مشارق الانوار اصلاً صحیحین کی حدیثوں کا انتخاب یا انڈکس ہے اوراس کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے۔انہوں نے مشارق الانوار میں صرف قولی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔مشارق الانوار کی ایک اہم خوبی اس کا مختصر ہونا ہے کیوں کہ مؤلف نے سندیں حذف کردی ہیں۔اسی طرح کہیں کہیں موقع ومحل کی صراحت کردینے کی وجہ سے حدیثوں کا مفہوم زیادہ واضح ہوگیا ہے۔اسی طرح حدیث کے سلسلے میں دوسری وضاحتیں بھی کی ہیں۔مشارق الانوار متعدد بار شائع ہوچکی ہے اوراس کے قلمی نسخے بھی مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ہندوستانی ریاست راجستھان میں ٹونک کے کتب خانے میں مشارق الانوار کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس کی قرأت مؤلف کے فرزند محمد بن حسن نے ان کے سامنے کی تھی۔مشارق الانوار کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اردو زبان میں حدیث کی جس کتاب کا سب سے پہلے ترجمہ ہوا وہ یہی کتاب ہے اس کے مترجم مولانا خرم علی بلہوری ہیں۔ 1249ھ/ 1833ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا اور تین سال بعد لکھنؤ کے مطبع محمدی نے اسے شائع کیا۔

20.5.5 شیخ بہاءالدین زکریاملتانی

ہندوستان میں سہروردیہ صوفی سلسلے کے بانی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید خاص شیخ بہاءالدین زکریاملتانی کا شمار علماءحدیث میں بھی ہوتا ہے۔ وہ ایک صحابی رسول ہبار بن اسود کی اولاد میں تھے۔ ملتان کے قریب قلعہ کٹ کرا میں پیدا ہوئے۔ بخارا اور خراسان میں تعلیم حاصل کی۔ پھر زیارت حرمین کے مقصد سے حجاز گئے۔ وہاں مکہ معظّمہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور پانچ سال تک مدینہ میں قیام کر کے وہاں کے مشہور محدث کمال الدین محمد الیمنی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اس علم میں مہارت حاصل کی۔ واپسی پر مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اور یہاں قیام کر کے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ صفر 666ھ/ 1267ء میں ملتان میں وفات پائی۔

20.5.6 حضرت نظام الدین اولیاء

حضرت نظام الدین اولیاء634ھ/ 1236ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے جہاں ان کا خاندان منگولوں کے حملوں کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے آباد ہوگیا تھا۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کرنے کے بعد دہلی وارد ہوئے اور یہاں پر علماء کی صحبت میں صرف 20 برس کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم مکمل کر لی۔ مشہور چشتی بزرگ شیخ فریدالدین گنج شکر سے بیعت ہوئے اور ان کے بعد ان کے خلیفہ بنے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے باضابطہ حدیث کی تعلیم اس وقت حاصل کی جب ان کی ولایت کا دور دور تک شہرہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ مشارق الانوار کی حدیثیں انہیں زبانی یاد تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کے اندر مریدوں میں حدیث کے مطالعے کا شوق پیدا کیا۔ اس طرح حدیث کے مطالعے کی وجہ سے ان کے مذہبی فکر میں کافی وسعت پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے جامد تقلید پسندی ترک کر دی تھی اور کئی معاملوں میں وہ عام حنفی علماء کی رائے سے الگ مسلک رکھتے تھے۔ مثلاً قرأت خلف الامام اور صلاۃ الجنازۃ علی الغائب۔

20.5.7 شیخ علی متقی

شیخ علی متقی کے آباءواجداد کا وطن شیراز ہند جون پور تھا۔ لیکن شیخ علی متقی کی ولادت برہان پور میں ہوئی جہاں کہ ان کا خاندان منتقل ہوگیا تھا۔ 888ھ میں انکی ولادت ہوئی۔ برہان پور اور دیگر مقامات پر تعلیم حاصل کی۔ آخر میں مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور بیت اللہ کے جوار میں قیام پذیر ہوئے۔ مکہ کے مشہور علماء اور مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔ دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ سلوک وتصوف میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کا بیشتر وقت علم کی اشاعت اور افادہ وتربیت میں گزرتا تھا۔ علم حدیث سے انہیں خاص شغف تھا اور اپنے زمانے کے باکمال اساتذہ سے انہوں نے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ انہوں نے حدیث نبوی کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور آخر وقت تک درس ومطالعے میں مصروف رہے۔ اس فن میں انہوں نے تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا جن میں کنزالعمال کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے یہ کتاب دراصل علامہ سیوطی کی جمع الجوامع (جامع کبری) کی ترتیب وتہذیب ہے۔ 975ھ میں مکہ میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔

20.5.8 شیخ محمد بن طاہر

شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی شمالی گجرات میں نہروالا (پٹن) کے مقام پر 14۔ 913ھ/ 1508ء میں پیدا ہوئے۔ پٹن کی نسبت سے پٹنی

کہلاتے ہیں۔ان کا خاندان حنفی المسلک سنی بوہرہ تھا۔شیخ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔کم عمری میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور پندرہ برس کی عمر میں علوم معقولات ومنقولات میں کمال پیدا کرلیا۔گجرات میں ان کے اساتذہ میں شیخ ناگوری اور ملامہتہ (متھ) مشہور ہیں۔مزید تعلیم کے حصول کے لئے 944ھ میں زیارت حرمین کے لئے حجاز تشریف لے گئے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ معظّمہ میں چھ برس قیام کیا اور اس دوران وہاں کے علماء و مشائخ سے حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔مکہ معظّمہ میں ہی شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے مشہور ہندوستانی عالم حدیث شیخ علی متقی سے بھی تعلیم حاصل کی۔950ھ کے قریب شیخ محمد بن طاہر مکہ سے گجرات واپس لوٹے اور اپنے وطن میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے نہروالا (پٹن) میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں ہر قسم کے علوم پڑھائے جاتے تھے،البتہ حدیث کی تعلیم کے لئے اسے زیادہ شہرت حاصل تھی۔تعلیم کے ساتھ ساتھ شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا،خاص طور پر علوم حدیث سے متعلق کئی اہم کتابیں لکھیں۔ایک کامیاب معلم ومصنف ہونے کے علاوہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی بہت اچھے مصلح بھی تھے۔انہوں نے تمام عمر اپنے ہم فرقہ بوہروں کے عقائد کی اصلاح کے لیے کوشش کی جو سید محمد جونپوری کے معتقد بن گئے تھے۔ان ہی کوششوں کی وجہ سے 6 شوال 986ھ/ 1578ء کو اجین اور سارنگ پور کے درمیان ایک مقام پر مہدویوں نے ان کو شہید کردیا۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی کو علم وفن سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔انہوں نے اپنی زندگی میں نادر اور بیش بہا کتابوں پر مشتمل ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جو ان کے بعد بھی ایک عرصے تک باقی رہا۔مگر شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا اصل کمال علم حدیث میں ان کی مہارت تھی۔وہ اس فن کے امام تھے اور بہت سے لوگوں نے انہیں رئیس المحدثین اور ملک المحدثین کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔حدیث کے علاوہ لغت اور عربی زبان میں بھی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔اور اپنی اس مہارت کی وجہ سے انہوں نے علم حدیث کی بڑی مفید اور گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔صاحب تذکرۃ المحدثین مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی 31 کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں المغنی فی ضبط الرجال، تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات اور مجمع بحار الانوار خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ذیل میں ان کتابوں کا مختصر تعارف دیا جاتا ہے:

1۔ المغنی

یہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی پہلی تصنیف ہے جسے انہوں نے حجاز سے واپسی پر لکھا۔اس کتاب میں حدیث کے راویوں اور ان کے آباء واجداد کے نام،کنیت اور لقب کو،جن کے غلط پڑھے جانے کا احتمال ہوتا ہے،اس طرح لکھا ہے کہ وہ صحیح طور پر پڑھے جائیں اور ان کے پڑھنے میں غلطی نہ ہو۔اس کے علاوہ شیخ نے جگہ جگہ راویوں کے مختصر حالات اور ان کے متعلقہ طبقے کے بارے میں مختصر نوٹ بھی تحریر کئے ہیں۔اس کتاب کے آخر میں فاضل مصنف نے آنحضرت ﷺ،خلفائے راشدین، مذاہب اربعہ کے اماموں اور صحاح کے مؤلفین کے مختصر حالات بھی درج کیے ہیں جس سے اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔یہ کتاب متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔

2۔ تذکرۃ الموضوعات

شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی یہ ایک اہم اور محققانہ کتاب ہے۔اس میں انہوں نے موضوع اور ضعیف حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کے بارے میں حدیث کے اماموں اور نقادوں کی رایوں کو نقل کیا ہے تاکہ لوگ حدیثوں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت احتیاط سے کام لیں۔اس کتاب کی

ترتیب میں اپنے متقدمین کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے ہر حدیث کا ماخذ اور اس کے بارے میں اہل فن کی اور اپنی رائے بیان کی ہے۔ کتاب میں مختلف عنوانات قائم کر کے ان کے تحت موضوع حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ مصر سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

3۔ قانون الموضوعات

یہ بھی ایک مفید اور اہم کتاب ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مصنف نے حروف تہجی کی ترتیب سے ان راویوں کے ناموں کو جمع کیا ہے جو موضوع حدیثیں گھڑتے یا بیان کرتے ہیں۔ اس میں ناموں کے ساتھ ساتھ راویوں کے وہ اوصاف بھی بیان کئے گئے ہیں جن سے ان کا غیر معتبر ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ راویوں کے ناموں کے ساتھ ان کے بارے میں ناقدین کی رائے اور کتابوں کے حوالے بھی دئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی تذکرۃ الموضوعات کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

4۔ مجمع بحار الانوار

اس کتاب کا اصل اور مکمل نام مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل والاخبار ہے مگر مختصراً اسے مجمع البحار اور مجمع بحار الانوار بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا یہ سب سے اہم اور بڑا شاہکار ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے غرائب یعنی قرآن مجید اور احادیث کے مشکل اور غیر معمولی الفاظ کو ایک جامع لغت کی صورت میں جمع کر کے ان کی لغوی تحقیق کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مصنف نے اس کتاب میں ان حدیثوں کو بھی نقل کر دیا ہے جن میں کہ یہ الفاظ مذکور ہیں۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ قرآن مجید، صحاح ستہ اور مشکوۃ المصابیح کے تمام مشکل اور غیر معمولی الفاظ کا اس میں احاطہ کر لیا جائے۔ الفاظ کو حروف تہجی اور ان کے مصادر کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مشکل الفاظ کی لغوی تشریح کے علاوہ یہ کتاب ان کی نسبت سے مذکور حدیثوں کی بھی بہترین تشریح ہے۔ کتاب اصل کتاب کے علاوہ خاتمہ اور تکملہ پر مشتمل ہے۔ اصل کتاب میں جو الفاظ رہ گئے ہیں انہیں مصنف نے تکملہ میں بیان کیا ہے۔ مجمع بحار الانوار کو صحیح معنوں میں علم حدیث کی کلید کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب بھی متعدد مرتبہ مختلف مطابع سے شائع ہو چکی ہے۔

20.5.9 شیخ عبد الحق محدث دہلوی

ہندوستان کی تاریخ میں علم حدیث کی خدمت اور احیاء کے حوالے سے جو چند نام سب سے زیادہ نمایاں ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی ان میں ایک ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی 958ھ/ 1551ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ سیف الدین ایک صوفی منش درویش اور عالم دین تھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے آباء واجداد اصلاً ترک تھے اور سلطان علاء الدین (1296ء تا 1326ء) کے زمانے میں وسطی ایشیا (بخارا) سے ترک سکونت کر کے ہندوستان آئے اور یہیں بود و باش اختیار کی۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہی ہوئی اور اس میں سب سے نمایاں رول ان کے والد ماجد شیخ سیف الدین کا رہا۔ والد کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے اندر تعلیم سے لگاؤ تو پیدا ہوا ہی، ان کے اندر کے نور باطن کو بھی اس سے خاصی جلا ملی۔ 13۔14 برس کی عمر تک شیخ عبد الحق نے مروج تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد ایک برس کے اندر ان کو قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت بھی ملی۔ اس کے ساتھ ہی شیخ عبد الحق دہلی کے ایک مدرسے میں داخل ہوئے اور وہاں سے درسیات میں باقاعدہ فراغت حاصل کی۔ اسی دوران انہوں نے وسطی ایشیا (ماوراء النہر) کے علماء سے بھی خوب استفادہ کیا جن کی ایک بڑی تعداد ان دنوں دہلی میں موجود تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد

اور مزید تعلیم کے لیے حجاز روانہ ہونے سے قبل شیخ عبدالحق نے کچھ مدت کے لئے درس وتدریس کا کام بھی انجام دیا۔اس دوران کچھ دنوں کے لئے ان کا قیام فتح پور سیکری میں بھی رہا جہاں انہیں فیضی اور میرزا نظام الدین احمد جیسے اکابر درباری علماء کی مصاحبت حاصل رہی۔ 995ھ میں حج او رزیارت حرمین کے ارادے سے دہلی سے حجاز کے لئے روانہ ہوئے۔راستے میں ایک سال احمد آباد (گجرات) میں قیام رہااس طرح 996ھ میں مکہ معظّمہ پہنچے۔زیارت حرمین کے بعد بھی شیخ 3 یا4 برس حجاز میں رہےاور وہاں کے علماء سے استفادہ کرتے رہے۔اس سلسلے میں سب سے نمایاں نام شیخ علی متقی کے نامور شاگرد عبدالوہاب متقی کا ہےجن سے کہ شیخ عبدالحق نے علم حدیث میں خصوصی رہنمائی حاصل کی۔اوران ہی کی ہدایت اور بار بار کہنے پر دوبارہ ہندوستان آئے۔تا کہ اکبر کے زمانے سے یہاں بدعات وخرافات کا جوغلبہ ہوگیا تھااس کے خلاف قرآن وسنت کے غلبے اور چرچے کے لیےکوشش کریں۔1000ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہندوستان واپس لوٹے۔دہلی کوانہوں نے اپنا مستقر بنایااور یہاں پر ایک مدرسہ قائم کر کے درس وتدریس کے کام کے ذریعےاپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔

حجاز سے واپسی کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زندگی بالکل بدل چکی تھی۔انہوں نے حدیث اور خدمت حدیث کواپنے لئے اوڑھنا بچھونا بنالیا۔خودکوانہوں نے درس وتدریس کے کام تک ہی محدودنہیں رکھا بلکہ عمر کے آخری حصے تک تصنیف وتالیف کے کاموں میں مشغول رہنے کے ساتھ اصلاح عقائد اور خاتمہ بدعات کے لیےعملی کوششیں بھی کیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ انہوں نے شمالی ہندوستان میں علم حدیث کااحیاء کیا بلکہ بدعات وخرافات کےخلاف جدو جہد میں بھی انہوں نے نمایاں اوراہم رول ادا کیا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو مدرسہ قائم کیااس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کانصاب تعلیم اس دور کے نظام تعلیم سے مختلف تھا جس میں کہ معقولات کی بھر مار تھی اور دینی علوم خاص طور پرقرآن وسنت کو بہت کم جگہ دی گئی تھی۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے مدرسے میں دینی علوم خاص طور پر احادیث کی تعلیم پر خاص توجہ دی اور ایک ایسی تعلیمی روایت کی بنیا ڈالی جوان کے بعد بھی ایک عرصے تک جاری رہی اور جس کو شاہ ولی اللہ دہلوی اوران کے خانوادے نے مزید آگے بڑھایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو دیگر علوم وفون میں مہارت کے ساتھ علم حدیث پر خصوصی عبور حاصل تھا۔اورحدیث کے میدان میں ان کی نمایاں خدمات اور عظیم الشان کارناموں کے سبب ہی 'محدث' ان کے نام کا حصہ بن گیا۔علم حدیث میں ان کی مہارت کااعتراف سب نے کیا ہے۔ داراشکوہ نے انہیں 'امام محدثان وقت' (سکینۃ الاولیاءص 115، بحوالہ تذکرۃ المحدثین ،ص 226، جلدسوم) لکھا ہے۔ان کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے اندر علم حدیث کوغیر معمولی فروغ دیا، اور حجاز سے واپسی کے بعد 52 برس تک اس کام میں مشغول رہے۔شیخ کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے پہلی مرتبہ سندھ و گجرات کے بجائے دہلی کو علم حدیث کا مرکز بنایا۔اس دوران اوراس کے بعد بھی دہلی میں بڑی تعداد میں حدیث پر کتابیں لکھی گئیں اور درس وتدریس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے 23 ربیع الاول 1052ھ کو دہلی میں انتقال کیا،اس وقت ان کی عمر 94 برس تھی۔مہرولی میں حوض شمسی کے قریب انہیں دفن کیا گیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی درس وتدریس اور اصلاح وتبلیغ کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھےاورعمر کےآخری حصے تک اس کام میں مصروف رہے۔ان کا شمار کثیر التصانیف لوگوں میں ہوتا ہے، اوران کے تصنیفی ذخیرے کی تعداد ڈیڑھ سو بتائی جاتی ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تصنیفی کاموں کی نوعیت تین طرح کی ہے۔

1۔ کتابوں کی براہ راست تصنیف وتالیف

2۔ کتابوں کی تشریح (شروح) اوران پر حواشی

3۔ ترجمہ یعنی عربی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ

مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے تذکرۃ المحدثین میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی 70 تصانیف کی فہرست اور تعارف دیا ہے۔ ذیل میں فارسی زبان میں ان کی صرف ایک تصنیف کا تعارف دیا جارہا ہے۔

1۔ اشعۃ اللمعات فی المشکوۃ

یہ کتاب فارسی زبان میں حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح کی ایک مکمل اور جامع شرح ہے۔ اس کو شیخ نے فارسی زبان میں اس لیے لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھاسکیں۔ اس کتاب میں مشکل الفاظ اور گنجلک بحثوں کی بہت ہی اچھی تشریح کی گئی ہے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی شہرت میں اس کتاب کا بہت اہم رول ہے۔ اشعۃ اللمعات چار حصوں پر مشتمل ہے۔

1۔ پہلے حصے میں مقدمے کے علاوہ 5 کتابوں کا ذکر ہے: (۱) کتاب الایمان، (۲) کتاب العلم، (۳) کتاب الطہارۃ، (۴) کتاب الصلوۃ، (۵) کتاب الجنائز۔ مقدمے میں اصول ومصطلحات حدیث اور علم حدیث کی قسموں وغیرہ کا بیان ہے۔ ساتھ میں بعض بڑے محدثین کرام کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

2۔ دوسرے حصے میں چھ کتابیں شامل ہیں: (۱) کتاب الزکوۃ، (۲) کتاب الصوم، (۳) کتاب فضائل القرآن، (۴) کتاب الدعوات،

(۵) کتاب اسماء اللہ تعالی، 6۔ کتاب المناسک۔

3۔ کتاب کا تیسرا حصہ 9 کتابوں پر مشتمل ہے: (۱) کتاب البیوع، (۲) کتاب العتق، (۳) کتاب الحدود، (۴) کتاب الامارۃ والقضا، (۵) کتاب الجہاد، (۶) کتاب الصید والذبائح، (۷) کتاب الاطعمہ، (۸) کتاب اللباس، (۹) کتاب الطب والرقی

4۔ کتاب کے چوتھے حصہ میں کتاب الآداب اور کتاب الفتن سے متعلق ابواب قائم کئے گئے ہیں۔

اشعۃ اللمعات کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1۔ ترجمہ وتشریح کی زبان آسان، عام فہم اور انداز بیان دل نشین ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا آسان ہوگیا ہے۔

2۔ مسائل میں الجھنے کے بجائے حدیثوں کی تشریح اس طرح کی گئی کہ عام قاری کو حدیث کی روح اور منشا معلوم ہوجائے۔

3۔ مختصر ہونے کے باوجود احادیث کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہے۔

4۔ حدیثوں کے درمیان جمع و تطبیق کا کام بھی کیا گیا ہے۔

5۔ احادیث سے دلچسپ نتائج نکالے گئے ہیں۔

6۔ حدیثوں کی تشریح اوران کو سمجھانے کے لیے قرآن کی آیتوں اور دوسری حدیثوں کو دلیل بنایا گیا ہے۔اسی طرح ائمہ اور محدثین کے اقوال بھی پیش کئے گئے ہیں۔

7۔ الفاظ کی تحقیق اور راویوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہے۔

8۔ عام لوگوں کے علاوہ اساتذہ اور طلبہ کے لیے بھی یہ ایک مفید اور کارآمد کتاب ہے اور مشکوۃ پڑھنے پڑھانے والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

9۔ کتاب کا مقدمہ (جو اکثر مشکوۃ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے) دینی مدارس کے نصاب کا حصہ ہے۔مختلف مقامات سے یہ کتاب کئی بار شائع ہو چکی ہے۔مطبع نول کشور نے تو اس کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔

20.5.10 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ہندوستان میں گوناگوں مسالک و مکاتب فکر کی موجودگی میں اگر کوئی ایک شخصیت اور ذات ایسی ہے، جس پر سب کا اتفاق ہے اور جو سب کے لئے ماویٰ و مرجع کی حیثیت رکھتی ہے تو وہ شخصیت اور ذات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا اصل نام قطب الدین ہے۔1114ھ/ 1703ء اورنگ زیب عالم گیر کی وفات سے چار سال پہلے دہلی میں پیدا ہوئے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام سے شہرت پائی۔وہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں تھے۔ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک نامور عالم دین اور فقہ کی مایہ ناز کتاب فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔شاہ عبدالرحیم نے دہلی میں مذہبی تعلیم کے درس و تدریس کے لیے ایک مدرسہ بھی کھولا تھا جو ان کے نام کی نسبت سے مدرسہ رحیمیہ کہلاتا تھا۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے پانچ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے شاہ صاحب نے اپنے زمانے کی مروج اعلیٰ تعلیم مکمل کر لی تھی۔علم حدیث کی تعلیم اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حاصل کی۔مشکوۃ المصابیح شمائل النبیؐ اور صحیح بخاری کے ایک حصے کا درس افضل سیالکوٹیؒ (متوفی 1146ھ) سے لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے مزید تعلیم کی غرض سے 1143ھ/ 1703ء میں حرمین کا سفر اختیار کیا۔حرمین میں شاہ صاحب کا قیام چودہ مہینے رہا اور اس دوران وہ وہاں کے مشہور اساتذہ سے علم حدیث کے حصول میں مصروف رہے۔ابوطاہر بن ابراہیم کردی، شافعی، مدنی (متوفی 1145ھ) کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح اور حصن حصین کا درس لیا۔شیخ وفد اللہ المالکی المکی سے مؤطا امام مالک پڑھی اور اس کے علاوہ تاج الدین قلعی المکی اور عمر بن احمد المکی سے بھی علم حدیث میں استفادہ کرتے رہے۔1146ھ/ 1733ء میں شاہ ولی اللہ حجاز سے دہلی واپس لوٹے اور اپنے والد کے قائم کیے ہوئے مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ان کا درس حدیث اتنا زیادہ مقبول ہوا کہ طلبہ کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔یہاں تک کہ ان کے درس حدیث کی جماعتوں کو ایک وسیع عمارت میں منتقل کر دیا گیا جو محمد شاہ (1131 تا 1161ھ/ 1719 تا 1748ء)

نے اس مقصد کے لئے دی تھی۔شاہ ولی اللہ اس مدرسے میں تقریباً 25 برس تک صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند دارمی اور مشکوۃ المصابیح کا درس دیتے رہے۔انہوں نے اس زمانے کی روایت سے ہٹ کر درس حدیث کا ایک نیا طریقہ شروع کیا جس میں طلبہ کو وہ پہلے سے کتاب کا مطالعہ کر کے آنے کے لئے کہتے تھے تا کہ ان کے اندر تحقیق وجستجو کا مادہ پیدا ہو۔چوں کہ طلبہ سبق پہلے سے مطالعہ کر کے آتے تھے اس لیے اس پر دوران درس خوب بحث ومباحثہ ہوتا اور ذہن وفکر کے نئے نئے دروازے کھلتے۔اسی طرح دوران درس جب فقہی مسائل زیر بحث آتے تو شاہ صاحب کی کوشش یہ ہوتی کہ فقہی اختلافات کو کم کر کے پیش کریں، ان میں کسی کو دوسروں پر ترجیح دینے کے بجائے سب کے دلائل ذکر کر کے چھوڑ دیتے۔شاہ صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ نکالی جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے طلبہ کے اندر وسعت نظری بہت زیادہ پائی جاتی تھی اور ان کے دلوں میں سبھی مسالک کے لیے عزت واحترام پایا جاتا تھا۔

شاہ ولی اللہ نے اگر ایک طرف درس وتدریس کے ذریعے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ایسے صاحب نظر اور پختہ فکر علماء پیدا کیے جو ان کے بعد بھی ان کے افکار اور مشن کو آگے بڑھاتے رہیں تو دوسری طرف شاہ صاحب نے بڑے پیمانے پر تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا اور مختلف مسائل پر درجنوں کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی علماء وطالبین ہدایت کے لئے رہنمائی کا کام کرتی ہیں۔شاہ ولی اللہ دہلوی کا 29 محرم 1176ھ/ جولائی 1762ء) کو دہلی میں انتقال ہوا۔قریب ہی مہندیان میں ان کی تدفین عمل میں آئی جہاں آج بھی ان کے اور ان کے اہل خاندان کے مزارات مرجع خلائق ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ان کے تذکرہ نگاروں نے صرف علم حدیث سے متعلق ان کی بارہ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہیں۔1۔حجۃ اللہ البالغہ، 2۔اربعین، 3۔وثیقۃ الآخرۃ، 4۔الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، 5۔الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین، 6 الارشاد الی مہمات الاسناد، 7۔تراجم البخاری، 8۔شرح تراجم ابواب البخاری، 9۔مصفی شرح مؤطا، 10۔مسوی شرح مؤطا، 11۔آثار المحد ثین، 12۔مکتوبات مع مناقب امام البخاری وابن تیمیہ۔

ذیل میں ان کتابوں میں سے دو حجۃ اللہ البالغہ اور مصفی شرح مؤطا کا مختصر تعارف دیا جاتا ہے:

☆ حجۃ اللہ البالغہ

شاہ ولی اللہ کی یہ ایک قاموسی تصنیف ہے جس میں علم فقہ، دینیات، طبعیات، الٰہیات، تدبیر المنازل، سیاسۃ المدینہ اور اسرار الدین جیسے اہم علوم پر بحث کی گئی ہے۔اسرار الدین، جو شاہ صاحب کے نزدیک دینی علوم کی روح ہے میں قرآنی آیات اور احادیث کے کثرت کے ساتھ حوالے دیے گئے ہیں۔اور یہ علم حدیث کا اہم ترین حصہ ہے۔اس کتاب کے ایک باب میں شاہ صاحب نے حدیث کی کتابوں کے طبقات اور مدارج پر بھی بحث کی ہے۔انہوں نے درجہ اول کی کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ساتھ مؤطا امام مالک کو بھی شامل کیا ہے اور سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کو دوسرے درجے کی کتابوں میں رکھا ہے۔حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی کا وہ شاہ کار ہے جس کی کوئی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔اس کتاب کی قدر دانی پوری اسلامی دنیا میں ہوئی اور آج بھی اس کا شمار کتب حوالہ میں ہوتا ہے۔حجۃ اللہ البالغہ پہلی بار 1868ء میں بریلی سے شائع ہوئی اس کے بعد سے اب تک مختلف مقامات سے اس کے سینکڑوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

☆ مصفّٰی شرح موطا

یہ کتاب موطا امام مالک کی ایک مختصر تشریح ہے جو فارسی زبان میں دو جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ تا کہ اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ عام ہو۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کتاب میں موطا کی ہر حدیث کا فارسی میں ترجمہ درج کیا ہے اور ضرورت کے مطابق اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے۔ حدیث کے بارے میں چاروں فقہی مسلکوں (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کا نقطہ نظر بیان کرنے کے علاوہ شاہ صاحب نے جگہ جگہ فقہی مسئلوں پر بحث بھی کی ہے مگر کسی مسلک کو دوسروں پر ترجیح نہیں دی ہے۔ کتاب کے شروع میں 20 صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ بھی ہے جس میں امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک (اور امام شافعی کے نزدیک بھی) حدیث کی سب سے پہلی اور مستند کتاب یہی ہے اور قرآن مجید کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

20.6 اکتسابی نتائج

- ہندوستان میں علم حدیث کی روایت اتنی ہی قدیم اور پرانی ہے جتنی کہ خود ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ۔

- مسلمان جب اس ملک میں آئے تو اپنے ساتھ اپنے علوم وفنون بھی لائے جن میں علم حدیث بھی شامل تھا۔

- شروع سے ہی مسلمانوں نے اس علم کو اپنے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی کا توشہ بنایا۔ خاص طور پر سندھ اور ہندوستان کے مغربی سواحل پر خصوصاً گجرات کے علاقے میں مسلمانوں کے ابتدائی دور سے ہی علم حدیث کا چرچا رہا اور ان علاقوں میں بڑے بڑے محدثین پیدا ہوئے یا انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔

- ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے بعد خاص طور پر شمالی ہند میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہاں علم حدیث کا چرچا اس طرح کا نہیں رہا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شمالی ہند میں علم حدیث کا احیاء کیا اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کی کوششوں کے نتیجے میں یہ متبرک علم ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

20.7 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ میں علمائے ہند کی کوششوں کا جائزہ لیں۔

2۔ اشعۃ اللمعات فی المشکوۃ کے امتیازی خصائص پر مشتمل ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی علم حدیث میں تین اہم کتابوں کا تعارف کرائیے۔

4۔ امام حسن صغانی کی حیات اور خدمات حدیث کا تعارف کرائیے۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ پر ایک نوٹ لکھیں۔

2۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی حیات اور خدمات حدیث پر روشنی ڈالیں۔

3۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی حیات اور خدمات حدیث کا تعارف کرائیے۔

4۔ ہندوستان میں خدمات حدیث کے فروغ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

20.8 تجویز کردہ کتابیں

1۔ مولانا ضیاءالدین اصلاحی : تذکرۃ المحدثین اول، دوم، سوم

2۔ محمد فاروق خاں : علم حدیث ایک تعارف

3۔ ڈاکٹر محمد اسحاق/ شاہد حسین رزاقی : علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ

4۔ محمد عاصم اعظمی : حدیث نبوی کے اردو تراجم

۔:oOo:۔

اکائی 21 : متون حدیث کے مشہور اردو تراجم

اکائی کی ساخت

21.1 تمہید

21.2 مقصد

21.3 متون حدیث کے اردو تراجم

21.3.1 مولانا خرم علی بلہوری

21.3.2 مولانا کرامت علی جون پوری

21.3.3 مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی

21.3.4 مولانا بدیع الزماں

21.3.5 مولانا وحید الزماں حیدر آبادی

21.3.6 مولانا عبدالدائم جلالی

21.4 اکتسابی نتائج

21.5 نمونۂ امتحانی سوالات

21.6 تجویز کردہ کتابیں

21.1 تمہید

ہندوستان مسلمانوں کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا کیوں کہ ہندوستان کے مغربی سواحل کے ساتھ عربوں کی تجارت زمانہ قبل از اسلام سے ہی جاری تھی اور مالا بار سے لے کر گجرات اور موجودہ مہاراشٹر تک کے ساحلی علاقوں میں جا بجا عربوں کی نو آبادیاں بھی قائم تھیں۔ ہندوستان میں مسلمانو ں کی آمد کو عام طور پر ترکوں اور افغانوں کے ہندوستان پر حملوں سے جوڑا جاتا ہے جو چوتھی صدی ہجری کا زمانہ ہے یا زیادہ سے زیادہ محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے۔لیکن یہ خیال درست نہیں۔ ہندوستان کے مغربی ساحلوں پر زمانہ ماقبل اسلام سے جو عرب آبادیاں قائم تھیں سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کی آمد انہیں کے حوالے سے ہوئی۔عربوں میں اسلام کا جب عام چرچا ہوا تو نور اسلام کی روشنی ان آبادیوں تک بھی پہنچی۔مسلمانوں کی علمی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے جس چپہ زمین پر بھی قدم رکھا، علم و ہنر کی تازہ بستیاں آباد کر دیں، ہندوستان بھی ان کے علم و

فن کی برکتوں سے محروم نہیں رہا۔ اس کا آغاز عرب نوآبادیات میں قائم مساجد سے ہوا جو مسلمانوں کے دینی علوم کے مراکز تھے اور جہاں بیٹھ کر مسلمان علماء قال اللہ وقال الرسول کا درس دیا کرتے تھے۔ ہندوستان میں علم حدیث کا اولین چرچا عربوں کی ان ہی نوآبادیات میں ہوا اور پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔

21.2 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ طلبہ کو ہندوستان میں حدیث اور علم حدیث کے موضوع پر جو اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کئی کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں، بعض مشہور ہوئیں اور بعض گمنام رہیں، البتہ اردو طبقہ نے ہر ایک سے استفادہ کیا۔ یہاں اس اکائی میں انہیں اہم تراجم میں سے بعض کا تعارف اور امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کیا جائے۔

21.3 متون حدیث کے اردو ترجمے

اردو زبان میں ترجمہ کی روایت نئی نہیں ہے۔ جس طرح اس زبان کے فروغ میں مذہبی اداروں اور خاص طور پر صوفیاء کرام کی خانقاہوں کا رول انتہائی اہم رہا ہے اسی طرح اردو زبان میں ترجمے کے فروغ میں بھی مذہب کا رول بہت ہی اہم رہا ہے۔ بلکہ یہ کہنا شاید نامناسب نہ ہو کہ اردو زبان میں ترجمے کا آغاز ہی مذہبی کتابوں کے ترجمے سے ہوا یا کم ازکم چند ابتدائی تراجم میں مذہبی کتابوں کے ترجمے ضرور شامل ہوں گے۔ اگر اسلامی روایت کے حوالے سے بات کی جائے تو سب سے پہلے جس مذہبی کتاب کا اردو میں ترجمہ ہوا وہ قرآن مجید تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دو صاحب زادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کے ترجمے کیے۔

اردو زبان میں حدیث کا پہلا ترجمہ تحفۃ الاخیار ہے جو مشہور ہندوستانی محدث امام حسن صغانی کی تالیف مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ ، جو کسی ہندوستانی کی علم حدیث میں پہلی تالیف ہے جو ساتویں صدی ہجری میں لکھی گئی، کا اردو ترجمہ ہے۔ اسی کتاب کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اردو زبان میں اس کا پہلا ترجمہ ہوا۔ اس کے مترجم مولانا خرم علی بلہوری (متوفی 1271ھ/1854ء) ہیں۔ انہوں نے ترجمہ 1249ھ میں مکمل کیا اور تالیف کے تین سال بعد یہ مطبع محمدی لکھنؤ سے بہت ہی اہتمام کے ساتھ شائع ہوا۔ اردو میں حدیث کا دوسرا ترجمہ مولانا کرامت علی جون پوری نے شمائل ترمذی کا انوار محمدی کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ کلکتہ سے 1252ھ میں مطبع محمدی کلکتہ نے شائع کیا۔ بعد ازاں حصن حصین اور مشکوۃ المصابیح کے ترجمے نواب قطب الدین خاں دہلوی نے کیے۔ صحاح ستہ کے ترجمے کی طرف سب سے پہلے توجہ نواب صدیق حسن خاں کو ہوئی اور انہوں نے مولانا بدیع الزماں (متوفی 1306ھ) مولانا وحید الزماں (متوفی 1338ھ) کو اس کام کے لئے مامور کیا۔ ترمذی کا ترجمہ مولانا بدیع الزماں نے کیا۔ مؤطا سمیت بقیہ کتب ستہ کا ترجمہ مولانا وحید الزماں نے کیا۔ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ اور سعادت ہے جو ان کے بعد بھی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اردو زبان میں کتب حدیث کے ترجموں کے علاوہ احادیث کے مختلف مجموعے بھی مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں تیار کئے ہیں اور انکا ترجمہ اور تشریح کی ہے۔ خاص طور پر چہل حدیث کے نام سے اردو زبان میں حدیث کے بیسوں مجموعے اور ترجمے موجود ہیں۔ حدیث نبوی کے اردو تراجم، کے مؤلف مولانا محمد عاصم اعظمی نے صحیح بخاری کے 27، اور مؤطا امام مالک کے 3 ترجموں کا ذکر کیا ہے۔

ذیل میں متون حدیث کے چند اہم ترجموں اور مترجمین کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

21.3.1 مولانا خرم علی بلہوری (متوفی 1271ھ/1854ء)

شاہ ولی اللہ کے خانوادے کے تربیت یافتہ مشہور و مستند عالم دین تھے۔ حدیث و سنت سے خاص لگاؤ تھا۔ درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف مولانا کا محبوب مشغلہ تھا۔ مختلف کتابیں تالیف و ترجمہ کیں جن میں تحفۃ الاخیار کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اسے اردو زبان میں پہلے مکمل مطبوعہ ترجمہ حدیث ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ مولانا خرم علی بلہوری نے درمختار کا اردو ترجمہ بھی شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور یہ ترجمہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔ بعد میں مولانا احسن نانوتوی نے اسے مکمل کر کے غایۃ الاوطار کے نام سے شائع کر دیا۔

تحفۃ الاخیار

اردو نثر کے آغاز و ارتقاء میں مذہبی کتابوں کا اہم رول رہا ہے۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے قرآنی تراجم کا شمار اردو کے ابتدائی ترجموں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح مشہور محدث رضی الدین حسن صغانی کی مشہور زمانہ کتاب مشارق الانوار کا اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار بھی اردو کے ابتدائی ترجمے میں شامل ہے اور کسی حدیث کی کتاب کا پہلا مطبوعہ اردو ترجمہ ہے۔ اس کے متعلق مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> 'فارسی کا دور ختم ہونے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی بلہوری نے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار کا ترجمہ مع تشریح اردو میں تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا۔ (مقدمہ معارف الحدیث، ج2، ص21)

قدیم ہونے کے باوجود تحفۃ الاخیار میں ترجمے کی زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے اور چوں کہ اس کا مقصد مترجم کے نزدیک حدیث کے علم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا تھا اس لیے انہوں نے نرے ترجمے پر بامحاورہ زبان کو ترجیح دی۔ اس سلسلے میں وہ خود رقم طراز ہیں:

> 'علم حدیث اشرف العلوم اس واسطے کہ اشرف الناس کا کلام ہے۔ مثل مشہور ہے' کلام الملوک ملوک الکلام' اور سب علوم دینی اس کے محتاج ہیں۔ علم تفسیر بدون حدیث کے معتبر نہیں اور علم عقائد، علم فقہ، علم سلوک اور علم تاریخ بدون اس کے کچھ مفید نہیں۔ لیکن باوجود اس کے ہندوستان میں اس علم شریف کا چرچا نہیں۔ عوام کا تو کیا ذکر ہے اکثر علماء کو خبر نہیں اس واسطے نہایت مناسب معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی کتاب کا ترجمہ عام فہم اردو زبان میں کیا جائے، سو سب کتابوں سے مشارق الانوار حسن صغانی کی نہایت پسند آئی، اس واسطے کہ مختصر کتاب ہے۔ اس کی احادیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ بارے الحمدللہ کہ 1249ھ میں حسب دل خواہ ترجمہ تمام ہوا اور تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار اس کا نام مقرر رہا۔ (تحفۃ الاخیار، ص2)

تحفۃ الاخیار کے ترجمہ و تشریح کی زبان 180 برس قدیم ہونے کے باوجود، صاف ستھری نثر کا نمونہ ہے اور آج بھی اس کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہے۔

21.3.2 مولانا کرامت علی جون پوری (1215ھ/1800ء-1290ھ/1873ء)

آپ کا نام علی اور وطن جون پور تھا۔ کثرت کرامات کے سبب کرامت علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد درس و تدریس

اوراصلاح معاشرہ کے کام میں مشغول ہوئے۔(سیداحمد بریلوی (متوفی 1246ھ/ 1831ء) سے بیعت ہوکراجازت وخلافت حاصل کی۔مولانا کی تبلیغی واصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنگال اورآسام کاعلاقہ تھااوراسی علاقے میں رنگ پور میں وفات بھی پائی۔تدریس وتبلیغ کے ساتھ مولانا کرامت علی نے بڑے پیانے پرتصنیفی کام بھی کیا جوزیادہ تر عقائداور معاشرے کی اصلاح سے متعلق ہے۔

انوارمحمدی شرح شمائل ترمذی

مولانا کرامت علی جون پوری نے شمائل ترمذی کا اردوترجمہ انوارمحمدی کے نام سے کیا جومطبع محمدی کلکتہ سے 1252ھ/1836ء) میں شائع ہوا۔474 صفحات پرمشتمل یہ کتاب اردوزبان میں حدیث کا شاید دوسرامطبوعہ ترجمہ ہے۔چوں کہ مولانا کرامت علی بنیادی طور پرمبلغ ومصلح تھےاس لیے عام لوگوں کے اندر نبی اکرمؐ کے خصائل پیدا کرنے اورانہیں اس جانب شوق دلانے کے مقصد سے ترجمہ کے لئے انہوں نے شمائل ترمذی کومنتخب کیا۔مولانا کرامت علی جون پوری نے بھی مولانا بلہوری کی طرح زبان آسان اورسادہ رکھنے کی بھرپورکوشش کی ہے، چنانچہ انوارمحمدی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

'اس ترجمہ کواپنی طاقت اورفہم کے مطابق بہت سیدھی اورآسان ہندی (اردو) زبان میں کیااورلغت کی تحقیق بہت بڑی محنت کے ساتھ کرکے ترجمہ ٹھیک ٹھیک کردیااوربعضے مقام میں ہندی کا محاورہ درست ہونے کے لئے معنی میں تقدیم وتاخیر کرنا ضرور پڑا،نہیں تومضمون ہی سمجھنا مشکل ہوجاتا، کیوں کہ ہرملک کا محاورہ اپنے اپنے طور پر ہوتا ہے۔اورنرے ترجمے پرکفایت نہ کیا بلکہ شرح بھی ضروری مقامات کی کردیااوراس شرح کا نام انوارمحمدی رکھا۔''

مولانا کرامت علی جون پوری نے مشکوۃ کی جلداول کا بھی اردوترجمہ کیا تھامگراب یہ نایاب ہے۔

21.3.3 مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی(1219ھ/1804ء-1289ھ/1872ء)

خانوادہ ولی اللٰہی میں حضرت شاہ محمد اسحاق کے تربیت یافتوں میں ایک نمایاں نام مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی کا ہے۔ 1219ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔اوران کے خاندان کا شمار دہلی کے معزز خاندانوں میں ہوتا تھا۔ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد مولانا شاہ محمد اسحاق کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے اوران سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔شاہ صاحب کے علاوہ دیگرا کابرعلماء سے بھی کسب فیض کیااورحصول علم کے مقصد سے حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔مولانا قطب الدین دہلوی کوتصنیف وتالیف سے خصوصی دل چسپی تھی اور متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ سرسیداحمد خاں کے مطابق ان کے لکھے ہوئے اردو کے رسالوں سے اس زمانے میں عام بندگان خدا کو بہت فائدہ ہوا۔انہوں نے حدیث کی دو کتابوں: قاضی القضاۃ محمد دمشقی (متوفی 832ھ) کی کتاب حصن حصین اورعلامہ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی (متوفی 748ھ) کی بلند پایہ تصنیف مشکوۃ المصابیح کے ترجے ظفرجلیل اورمظاہرحق کے نام سے کیے۔

مظاہرحق ترجمہ مشکاۃ المصابیح

مشکوۃ المصابیح کا اردوترجمہ نواب صاحب کے استادشاہ محمد اسحاق نے کیا تھالیکن وہ شائع ہوکرعام نہیں ہوسکا۔انہیں کے کہنے اورمشورے پرمولانا قطب الدین خاں دہلوی نے مشکوۃ کا ازسرنوترجمہ اورتشریح کی جس کا کہ کتاب کے دیباچے میں انہوں نے اعتراف بھی کیا ہے۔مشکوۃ کا یہ

ترجمہ 2278 صفحات پر مشتمل ہے اور چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ مشکوۃ کی طرح اسے بھی برصغیر میں قبول عام حاصل ہوا۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ ترجمہ اپنے زمانے میں رائج اردو نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ فوائد کے تحت علمی موضوعات پر بحث بھی کی گئی ہے۔

21.3.4 مولانا بدیع الزماں (1250ھ/1834ء-1304ھ/1886ء)

مولانا بدیع الزماں اپنے زمانے کے مشہور عالم اور مصنف گزرے ہیں۔ اپنے زمانے کے مشہور علماء کرام سے علوم کی تحصیل کی اور علم کی طلب میں حجاز کا سفر بھی کیا۔ انہیں حدیث کے مشہور عالم شیخ نذیر حسین محدث دہلوی سے سند و اجازت حاصل تھی۔ بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کی قائم کردہ علمی اکیڈمی کے وہ ایک رکن رہے۔ بعدازاں حیدرآباد کو اپنا مسکن بنایا اور آخر میں حجاز ہجرت کر گئے۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں جائزۃ الشعوذی ترجمہ جامع ترمذی کو خاص اہمیت حاصل ہے جو نواب صدیق حسن خاں کی نوازش خسروانہ کی دین ہے۔

جائزۃ الشعوذی ترجمہ جامع الترمذی

اردو کے معلوم ترجموں میں جامع ترمذی کا یہ پہلا مکمل ترجمہ ہے۔ حالاں کہ ترجمہ لفظی اور قدیم طرز کا ہے اس کے باوجود مفہوم خیز اور اپنے زمانے کی مروج اردو کے مطابق ہے۔ مولانا بدیع الزماں نے حجاز ہجرت کر جانے کے بعد 1294ھ/ 1877ء میں مکہ میں اس ترجمے کا آغاز کیا تھا البتہ اس کی تکمیل کب ہوئی یہ نہیں معلوم۔ جائزۃ الشعوذی کا ایک ایڈیشن مطبع مرتضوی دہلی نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے جو بڑی تقطیع کے 864 صفحات پر مشتمل ہے۔

21.3.5 مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی (1267ھ/1850ء-1338ھ/1919ء)

یہ مولانا بدیع الزماں کے چھوٹے بھائی تھے۔ 1267ھ میں کانپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء سے تعلیم حاصل کی اور مزید حصول علم کی خاطر حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔ انہیں اس دور کے مشہور محدث میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی سند و اجازت حاصل تھی۔ اپنے زمانے کے مشہور عالم اور منتظم تھے۔ ایک زمانے تک ریاست حیدرآباد کی سرکار میں ملازم رہے۔ 1331ھ میں مدینہ ہجرت کی لیکن جلد ہی حیدرآباد لوٹ آئے اور وقارآباد میں سکونت اختیار کی۔ 1338ھ میں وہیں پر ان کی وفات ہوئی۔ مولانا وحیدالزماں اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم تھے۔ انہوں نے انتظامی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اہم کارنامے انجام دیے، خاص طور پر ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے انہوں نے جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے نہ ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد کسی کو یہ اعزاز حاصل ہو سکا۔

ترجمہ صحاح ستہ باستثنائے ترمذی

مولانا وحیدالزماں نے ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کے ترجمے کیے۔ جامع ترمذی کا ترجمہ ان کے بڑے بھائی مولانا بدیع الزماں کر چکے تھے۔ ان کے تراجم حدیث کی مختصر فہرست یہ ہے۔

1۔ کشف المغطاعن کتاب المؤطا آغاز 1295ھ اختتام 1296ھ

2۔ ہدی المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد آغاز 1296ھ اختتام 1297ھ

3۔ روض الربی من ترجمۃ المجتبیٰ (سنن نسائی) آغاز 1297ھ اختتام 1299ھ

4۔ المعلم ترجمہ صحیح مسلم آغاز 1301ھ اختتام 1305ھ

5۔ تسہیل القاری شرح بخاری آغاز 1305ھ

6۔ رفع العجاجہ ترجمہ ابن ماجہ آغاز 1305ھ اختتام 1310ھ

7۔ تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری آغاز 1321ھ اختتام 1323ھ

مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی نے کتب احادیث کے ترجمے کا یہ مہتم بالشان کام نواب صدیق حسن خاں کی فہمایش پر کیا تھا۔ ان سے پہلے کسی اور نے مؤطا امام مالک، ابوداؤد، صحیح مسلم، ابن ماجہ اور نسائی کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ آسان اور عام فہم زبان میں کیا جائے۔ انہوں نے اپنے ترجموں میں سند اور راویوں کا ذکر حذف کردیا ہے البتہ متن کا ترجمہ پورا پورا کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے علماء کے اختلافات ذکر کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے مختصر فوائد اور ترجمے کے ذریعہ کتب ستہ میں سے پانچ اور مؤطا امام مالک کا عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کردیا۔

21.3.6 مولانا عبدالدائم جلالی

حدیث کے اردو ترجمہ نگاروں میں مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی کے بعد یہ شرف صرف مولانا عبدالدائم جلالی کو حاصل ہے کہ انہوں نے حدیث کی پانچ اہم کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ مولانا عبدالدائم جلالی علم وفضل میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ مدرسہ عالیہ رام پور میں 1929ء سے لے کر 1954ء تک شعبہ عربی میں مدرس اعلیٰ رہے۔ مولانا عبدالدائم جلالی کے تراجم حدیث کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں صفائی، سادگی، سلاست اور روانی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ روزمرہ اور رائج محاورہ کے ساتھ انہوں نے ترجمے کا کام اس خوبی سے کیا ہے کہ حدیث کا مفہوم بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ترجموں میں حدیث کا عربی متن حذف کردیا ہے اور اسی طرح اسناد کو بھی حذف کر کے صرف آخری راوی کا نام لکھ دیا ہے۔ البتہ انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ حدیثوں کے نمبر درج کردیے جائیں تاکہ اگر کوئی ترجمہ کا اصل سے مقابلہ کرنا چاہے تو اس کے لئے آسانی ہو۔ مولانا عبدالدائم جلالی کے تراجم حدیث کی اجمالی فہرست اس طرح ہے:

1۔	صحیح بخاری	ترجمہ اردو 3 جلدیں	کل صفحات 1840
2۔	صحیح مسلم	ترجمہ اردو 2 جلدیں	کل صفحات 992
3۔	تجرید البخاری	ترجمہ اردو 1 جلد	کل صفحات 392

4۔	ابن ماجہ	ترجمہ اردو 2 جلدیں	صفحات جلد اول 720
5۔	ابوداؤد	ترجمہ اردو 2 جلدیں	کل صفحات 1124

ان اہم اور ابتدائی تراجم حدیث کے علاوہ اردو زبان میں متون حدیث کے ترجمے کی فہرست بہت ہی طویل ہے، ان میں کچھ لوگوں نے رائج کتب کے اردو میں ترجمے کیے ہیں تو بعضوں نے مختلف کتب حدیث سے مختلف موضوعات کے تحت حدیثیں جمع کر کے ان کے ترجمے کیے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کے صرف نام دیے جاتے ہیں۔

1۔ مولانا سخاوت علی جون پوری 1226ھ 1811ء-1274ھ/ 1857ء

قویم فی احادیث النبی الکریم 522 صفحات پر مشتمل احادیث نبوی کا مجموعہ ہے۔

2۔ مولانا فضل احمد انصاری دلاوری: 1۔ ترجمہ جامع ترمذی، 2۔ فضل الباری ترجمہ بخاری

3۔ مولانا ابوالحسن سیالکوٹی: فیض الباری ترجمہ وشرح صحیح بخاری

4۔ مولانا ابوالحسن محمد محی الدین خاں: تلخیص الصحاح 1425 صفحات اور چھ جلدوں میں

5۔ مرزا حیرت دہلوی: ترجمہ بخاری

21.4 اکتسابی نتائج

- مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو اپنے ساتھ اپنے علوم وفنون بھی لائے جن میں علم حدیث بھی شامل تھا۔
- شروع سے ہی مسلمانوں نے اس علم کو اپنے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی کا توشہ بنایا۔
- ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے بعد خاص طور پر شمالی ہند میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہاں علم حدیث کا چرچا اس طرح کا نہیں رہا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ بعد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شمالی ہند میں علم حدیث کا احیاء کیا اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کی کوششوں کے نتیجے میں یہ متبرک علم ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔
- ابتدائی دور سے ہی ہندوستان میں حدیث کی کتابیں لکھی جاتی رہی اور یہاں کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے کا کام بھی ہوا۔
- اردو زبان کی عمر ہی کیا ہے۔ اس کے باوجود اردو نثر کے فروغ میں شروع سے ہی تراجم حدیث کا نمایاں رول رہا ہے اور مذہبی کتابوں میں قرآن مجید کے بعد ترجمے کا کام سب سے پہلے احادیث کی کتابوں سے شروع ہوا اور آج تراجم حدیث کا جتنا بڑا سرمایہ اردو زبان میں ہے دنیا کی کم زبانوں کو یہ سعادت حاصل ہوگی۔

21.5 نمونہ امتحانی سوالات

مختصر جوابی سوالات:

1۔ مولانا خرم علی بلہوری کی خدمات حدیث پر ایک تعارفی نوٹ لکھیے۔

2۔ مولانا کرامت علی جونپوری اور مولانا نواب قطب الدین خان دہلوی کی خدمات حدیث پر روشنی ڈالیے۔

3۔ مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی نے حدیث کی کن کتابوں کے ترجمے کیے؟ نوٹ تحریر کریں۔

طویل جوابی سوالات:

1۔ ہندوستان میں متون حدیث کے اردو ترجموں کی اجمالی تاریخ بیان کرتے ہوئے بعض ابتدائی ترجموں کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ اردو زبان میں ترجمہ حدیث کے حوالے سے دو بھائیوں، مولانا بدیع الزماں اور مولانا وحیدالزماں، کی خدمات کا جائزہ لیں۔

3۔ مولانا خرم علی بلہوری اور مولانا عبدالدائم جلالی کے کتب حدیث کے ترجموں پر روشنی ڈالیے۔

21.6 تجویز کردہ کتابیں

1۔ مولانا ضیاءالدین اصلاحی	:	تذکرۃ المحدثین اول، دوم، سوم
2۔ محمد فاروق خاں	:	علم حدیث ایک تعارف
3۔ ڈاکٹر محمد اسحاق/شاہد حسین رزاقی	:	علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ
4۔ محمد عاصم اعظمی	:	حدیث نبوی کے اردو تراجم

۔:oOo:۔